



کتاب کی تاریخ

نشایاں قدوائی

3870

کتاب کی تاریخ

387

شایاں قدوائی



ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

سنہ اشاعت 1980 — 1901 شک

© ترقی اردو بیورو، وزارتِ تعلیم و ثقافت، حکومتِ ہند نئی دہلی

پہلا ادیشن: 1000

قیمت: 3/50 روپے

Kitab Ki Tarikh
By
Shayan Qidwai

69699

87121



کتابت: محمد عمر خاں
سرورق: بھنویٹ

ڈائریکٹر، بیورو فار پروموشن آف اردو (ویسٹ بلاک B آر کے - پورم
نئی دہلی 110022) نے ترقی اردو بورڈ، وزارتِ تعلیم و ثقافت، حکومتِ ہند
نئی دہلی کے لیے جے۔ کے۔ آفسٹ پرنٹرز دلی سے چھپوا کر شائع کیا۔

پیش لفظ

(3870)

اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے حکومت ہند کی وزارت تعلیم و ثقافت کے تحت ترقی اردو بیورو کے ذریعے جن لائحوں اور منصوبوں کو عملی شکل دی جا رہی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مختلف جدید علوم پر کتابیں ماہرین سے لکھوائی جائیں اور ان علوم سے متعلق اہم مغربی و مشرقی کتابوں کے تراجم شائع کیے جائیں جو نہ صرف زبان بلکہ قوم کی ترقی میں بھی مفید و معاون ثابت ہوں۔

اس منصوبے کے تحت ترقی اردو بیورو اب تک خاصی تعداد میں کتابیں شائع کر چکا ہے۔ ان میں شعر و ادب، تنقید، لسانیات، تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، تجارت، زراعت، امور حکومت، معاشیات، عمرانیات، قانون، طب، فلسفہ اور نفسیات پر اعلیٰ کتابوں کے علاوہ تعلیم بالغان، بچوں کے ادب، سائنس اور تکنیکی علوم سے متعلق ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو اردو کی نصابی ضرورتوں کو بھی کسی حد تک پورا کر رہی ہیں۔ ان موضوعات پر اچھی آسان اور معیاری کتابوں کی جو کمی اردو حلقوں میں شدید محسوس کی جا رہی تھی وہ بیورو کے ذریعہ آہستہ آہستہ پوری ہو رہی ہے۔ ترقی اردو بیورو کی شائع کردہ کتابیں حسن طباعت کا ایک معیار قائم کرتی ہیں اور ان کی قیمت بھی نسبتاً کم رکھی جاتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ان کتابوں کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

ترقی اردو بیورو کے جامع منصوبوں کے تحت اردو انسائیکلو پیڈیا، اردو لغت (کلاں) اردو لغت (برائے طلبہ)، انگریزی اردو لغت، اردو انگریزی لغت، بنیادی متون کی اشاعت، اردو کتابیات کی تیاری اور مختلف علوم کی اصطلاح سازی کے کام بھی جاری ہیں۔ ان کی تکمیل کے لیے ہمیں ملک بھر کے ماہروں کا تعاون حاصل ہے۔

زیر نظر کتاب ترقی اردو بیورو کے اشاعتی پروگرام کا ایک جز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اردو حلقوں میں اس کتاب کی بھی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

شمس الرحمن فاروقی

ڈائریکٹر، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

عرض مصنف

وہ تمام ذرائع معلومات، آرکائیوز، میوزیم اور لائبریریوں جن سے میں نے اس کتاب کے لیے مواد حاصل کیا، میں ان کے لائبریریمن اور منتظمین کا بے حد احسان مند ہوں۔ سب سے زیادہ مولانا امداد صابری صاحب کا جنہوں نے عیسائی مشنریوں کی اردو خدمات کے بارے میں نایاب معلومات نہایت فیاضی سے عطا فرمائیں اور نسیم صاحب، مالک ادارہ دانش محل لکھنؤ، کا جنہوں نے وقتاً فوقتاً ضروری کتابوں کی طرف بیداریغ رہبری کی۔ خصوصی شکریہ: جامعہ ملیہ دہلی کی لائبریری اور اس کے لائبریریمن جناب شہاب الدین صاحب کا ادا کرنا چاہیے جنہوں نے نہ صرف اہم کتابوں کے حصول میں میری مدد فرمائی بلکہ بڑے خلوص و دل سے اس کتاب کی نظم و ترتیب پر توجہ مبذول فرمائی۔ نیز سید جعفر عباس صاحب کا جنہوں نے مجھے اس راہ پر لگایا۔

شایاں قدوائی



فہرست

7	ابتدائیہ، تحریر کی شروعات
19	حصہ اول: قدیم کتابیں
20	پہلا باب مٹی کے اوراق کی کتابیں
26	دوسرا باب سپرس پر لکھی کتابیں
31	تیسرا باب لکڑی کی تختیاں اور ریشم پر لکھی کتابیں
36	چوتھا باب وادی سندھ - پتھر کی چھوٹی چھوٹی کتابیں
40	پانچواں باب قدیم ایران و ہندوستان کی کتابیں
49	چھٹا باب صوتی حروف تہجی کی ابتدا (فنیقی قوم)
53	ساتواں باب علم و ادب کا باب عالی یونان
58	آٹھواں باب قدیم روم کی کتابیں
61	حصہ دوم: عہد وسطیٰ کی کتابیں
62	پہلا باب (مذہبی کتابیں) - راہب
65	دوسرا باب عرب اسلامی تہذیب
73	تیسرا باب کلیسائے روم کی کتابیں
81	چوتھا باب کاغذ کی ابتدا
86	پانچواں باب مغرب میں چھپائی کا آغاز

حصہ سوم: مشنی دور کا آغاز اور کتابی تکنیک کی ارتقائی لہر 105

106	پہلا باب	سوطھویں صدی: نئی مطبوعہ کتابیں
115	دوسرا باب	مصنوعہ کتابوں کی طباعت
123	تیسرا باب	کتاب کی جلدیں
130	چوتھا باب	کتاب کے کچھ اہم مسائل
134	پانچواں باب	امریکی اور روسی چھاپے خانے
142	چھٹا باب	کتاب سازی میں مزید ایجادیں
148	ساتواں باب	پرٹنگ پریس کی ساخت میں مزید تبدیلیاں
157	آٹھواں باب	کتاب خانے

حصہ چہارم: جدید ہندوستان اور صنعت کتاب کی عالمی تنظیم 184

185	پہلا باب	اردو زبان
195	دوسرا باب	چھپائی کا ہندوستان پہنچنا
201	تیسرا باب	عیسائی تبلیغی جماعتیں
217	چوتھا باب	ہندوستان کے جدید ناشرین کتب اور ان کی حالیہ شاعری سرگرمیاں
222	پانچواں باب	بیسویں صدی میں تمام علوم کی عالمی پیمانے پر غیر معمولی ترقی
228	چھٹا باب	مانکرو فارم کتابیں
246		ضمیمہ
277		کتابیات

ابتدائیہ: تحریر کی شروعات

علم انسان کے قوائے ذہنی کا خاصہ ہے۔ یہ دوسرے حیوانات کو بھی حسب حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اسے خارجی طور پر محفوظ کرنے کی حکمت، اس کی نظم و ترتیب کا عمل، اسے فروغ دینے کا طریقہ، اس کی نشوونما اور ترقی کی تدبیر، سوا انسان کے زمین پر کوئی مخلوق نہیں جانتی۔ انسان یہ عمل طویل زمانے سے قلم اور کتاب کے ذریعہ انجام دے رہا ہے اور اس منصب کی عزت صرف انسان کو بخشی گئی ہے۔ کتاب انسان کے علم کی خارجی شکل ہے اور اس کے افکار و خیالات کا مرئی مجسمہ ہے، انسان کے حاصل کردہ علم کی منظم و مرتب صورت ہے، اسے فروغ دینے کا لاثانی وسیلہ ہے۔

ایک زمانے میں انسان نے اپنے علم کو الفاظ میں ڈھال کر قلم سے کسی چیز پر تحریر کرنا شروع کیا تھا، پھر ان تحریری اوراق کو اکٹھا کر کے ایک کتاب کی شکل دے دی تھی۔ کتاب کی وہ شکل اس وقت سے آج تک کتنے تغیرات سے گزری اور اس فن کے کتنے پہلو پیدا ہوئے، تاریخی مسلمہ حقائق کی بنیاد پر انھیں بیان کرنے کی کوشش پیش نظر کتاب ہے۔ اس موضوع پر جن مسائل سے بحث ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

1۔ کتاب کی عبارت اور الفاظ کے قائم مقام علامات جن کو ہم حروف کہتے ہیں، ان کی

مکمل تشریح اور تاریخی ارتقا۔

2۔ جس چیز پر کتاب لکھی یا چھاپی جاتی ہے (آج ہم عموماً اسے کاغذ کہتے ہیں) اور جس کے ذریعہ

یہ کام انجام دیا جاتا ہے (ہم اسے قلم اور پریس کہتے ہیں) تاریخ کی روشنی میں ہر عہد میں مستعمل ساز و سامان کی تفصیل۔

- 3- کتاب وجود میں لانے کے عہد بہ عہد مختلف طریقے اور ان کی متبادل شکلیں۔
- 4- کتاب کی آرٹس اور تصویر کاری۔
- 5- کتاب کی جلد بندی۔ کتب خانے اور ہر عہد میں ان کی تنظیم۔
- 6- کتاب کی اشاعت اور تجارت کی سرگرمیاں۔
- 7- کتاب کے مواد اور طباعت سے متعلق ضابطے اور قوانین۔

مذکورہ مسائل کو قدیم وسطیٰ اور جدید زمانوں میں قوموں اور سرزمینوں میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے اور ابتدائی تشریح کے آخر میں ہر عنوان کے تحت مشرقی اور مغربی ممالک میں کتاب کی تاریخی سرگرمی کے خاکے پیش کیے گئے ہیں۔

کتاب کی تاریخ لکھنے کے لیے انسان کی تہذیب کے پورے تاریخی سلسلے پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ آدمی آج سے پچاس ہزار سال سے آگے ایک ایسے تاریک صحرا میں گم ہے جہاں علم تاریخ کی ہر ایک سی کرن بھی نہیں پہنچتی کہ اس کے باب میں کچھ بھی شدہ بد خبر مل سکے۔ اس زمانے میں وہ کیا ہے، کیسا ہے، زمین پر کہاں ہے کہاں نہیں ہے؟ اس کا کوئی جواب ہمیں نہیں ملتا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت وہ کیا کھاتا پیتا تھا، اس کا رہن سہن کیا تھا اور کون کون سے کام کرتا تھا۔ پچاس ہزار سال گزرے جب وہ پتھر کے زمانہ میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت سے اس کا دھندلا دھندلا سراغ ملنا شروع ہوا۔ پچاس ہزار سال پرانی چٹانوں پر انسان کے کچھ ایسے غیر یقینی نشانات دیکھنے میں آئے جیسے صبح کاذب کے جھپٹے میں سورج کے آٹاٹے ہیں۔

ماہرین علم انسان اور عمرانیات نے پتھر کے تہذیبی زمانے کو قدیم اور جدید میں الگ الگ کر کے تہذیب انسانی کے نوکاجائزہ لیا ہے۔ قدیم پتھر کے زمانے کو پانچ دور میں تقسیم کیا ہے۔ پچاس ہزار سال سے چالیس ہزار سال تک۔ چالیس سے تیس ہزار سال تک۔ تیس سے پچیس ہزار سال تک۔ پچیس سے اکیس ہزار سال تک۔ اور آگے پندرہ ہزار سال کا قبل جدید عہد فجر زمانہ۔ اس کے بعد دس ہزار سال سے ساڑھے سات ہزار سال کا جدید پتھر کا زمانہ ہے جس کے اختتام پر انسان نے جلد پگھلنے والی دھاتیں دریافت کر لیں۔ سات ہزار سال سے پانچ ہزار سال ق۔ م تک انسان میں قومی حیثیت سے تہذیب کی کچھ امتیازی خصوصیات رونما ہونے لگیں جو بڑی حد تک مخصوص طبعی حالات اور جغرافیائی حدود میں مستقل طور پر کچھ انسانی نسلوں کے آباد و متمکن ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھیں اس طرح سیمیریہ اور مصری بالترتیب دو تہذیبوں کی یکے بعد دیگرے نشاندہی ہونے لگی۔ پانچ ہزار سال سے چار ہزار سال ق۔ م تک دونوں

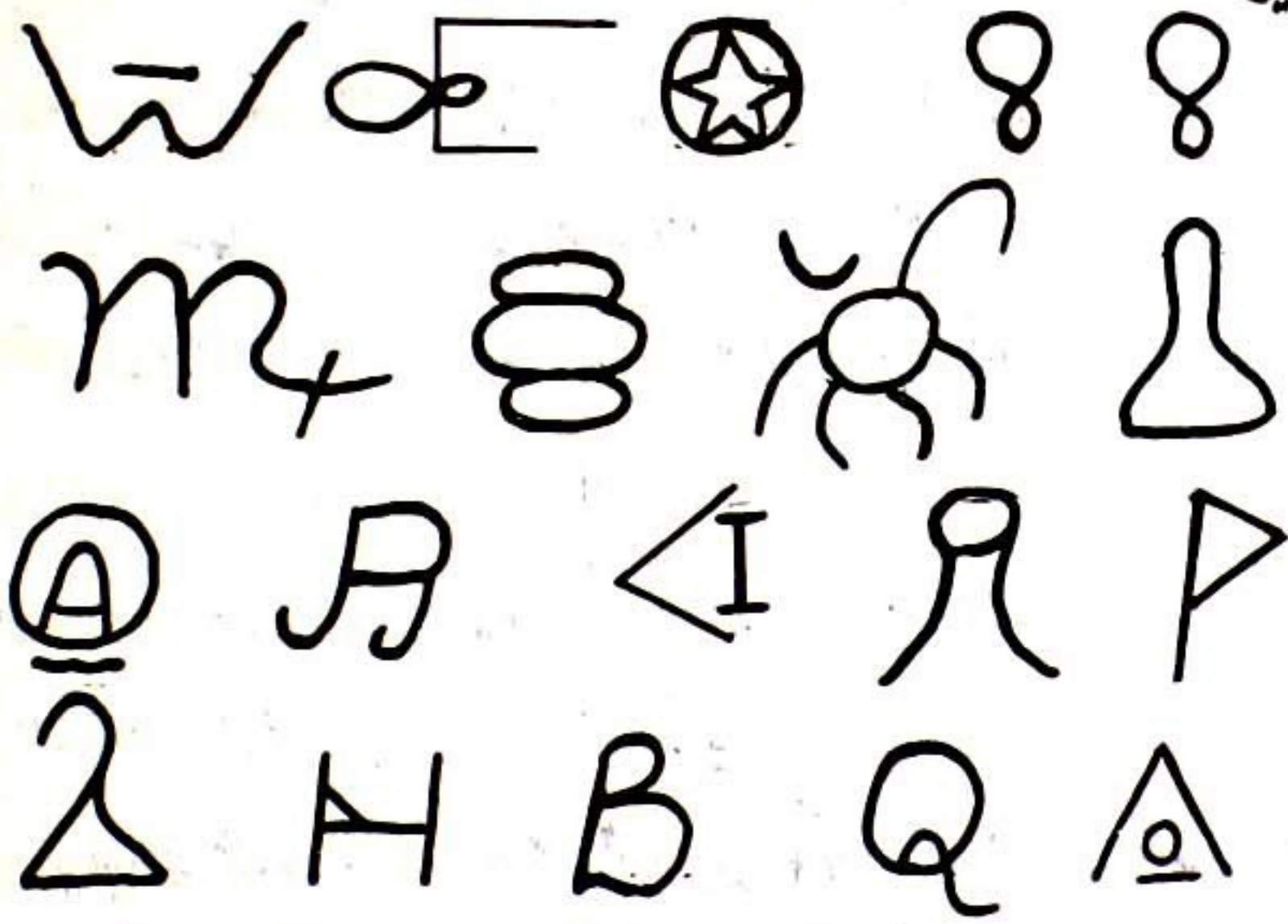
قوموں کی تہذیب سے فنِ تحریر کی کڑی کر نہیں پھوٹنے لگیں۔

تیس اور پچیس ہزار سال کی درمیانی مدت میں جہاں پتھر کے اوزار اور حجری معاشرت کے دیگر ساز و سامان کی نشان دہی ہوتی ہے، وہیں یہ بھی سراغ ملتا ہے کہ انسان اپنے اردگرد کی اشیاء پر کہیں کہیں کچھ لکیریں بھی کھینچنے لگا تھا۔ تحریر کی سب سے ابتدائی کڑی وہ لکیریں ہیں جو پتھر کی سلوں اور چٹانوں کے علاوہ بارہ سنگھ کے سینگوں، کھجور کے کھروں، بانس کے پھڑوں، درختوں کی چھال، سیپ، گھونگے، ہاتھی دانت اور موٹے گے نکڑوں پر بھی پڑی ہوئی زمین کے مختلف حصوں میں ملی ہیں۔ یہ نشانات یقینی طور پر انسان کے ہاتھوں سے اراداً بنائے گئے ہیں۔ پچیس تیس ہزار سال پرانے ان نشانات کے مقصد و معنی ناقابلِ فہم ہیں۔ اس کے بعد کے زمانے میں جب انسان میدانی تہذیب میں کھیتی باڑی اور مولیشیوں کی پرورش کر رہا تھا، اس زمانے کے مٹی کے برتنوں پر مختلف شکلوں کے نشانات وادی نیل کے قدیم مصری کھنڈروں کی کھدائی میں ملے جو بلاشبہ ملکیت کے امتیازی نشانات ہیں۔ زمانہ دراز کے بعد ان نشانوں پر غور کیا جانے لگا۔ خاص طور پر قدیم برتنوں پر تحقیق کرنے والے سر فلنڈر سی پٹیری (Sir Flinders Petrie) ہیں۔ جنہوں نے قدیم مصری برتنوں پر جو نشانات پائے وہ وہاں کے قدیم ترین خط ہیرو گلیفی (Hiroglaphic) سے زیادہ پرانے ثابت ہوئے۔ اسی طرح کی لکیریں کریٹ، قبرص، کیریا، لیکیا، ایڈیا وغیرہ سے دستیاب ہوئیں۔

ہیروسی (Petrie) کی تحقیقات سے پہلے مسٹر پیٹریٹ (M. ED Piette) نے بھی قدیم

برتنوں پر بنے نشانات پر غور کیا تھا اور ان کو موجودہ حروف تہجی میں کچھ اس قسم کے قدیم نشانات سے مماثلت نظر آئی تھی۔ انہیں مسد ایڈیل (Masad Azil) کہہ پایا۔ یہ سپانیہ میں کچھ گھسپے پنڈر ملے تھے جن پر کچھ ایسی لکیریں ملیں جو غالباً گنتی شمار کی علامتیں تھیں۔ کچھ سانپ، کچھوے، درخت وغیرہ سے ملتے جلتے نشانات تھے جن میں ان کو بعد میں ایجاد ہونے والے حروف تہجی کی مشابہت نظر آئی۔ سر فلنڈر سی پٹیری نے دماغی کاوش کر کے ان میں گہرا باہمی ربط و تعلق دریافت کیا اور ہزاروں سال بعد کے حروف تہجی کی ابتدائی شکلوں کو اپنی تحقیقات میں ان قدیم ترین لکیروں کا ماخذ بتلایا۔ ان نشانات کو انہوں نے رومی علامات سے موسوم کیا ہے (Mediterranean Signals) جن میں ٹوٹم (جرگوں کے مخصوص نشانات) یا ملکیت کے امتیازی نشانات یا کاری گروں کے انفرادی نشانات وغیرہ شامل ہیں۔ سر آر تھرا یوانس نے لکیری تحریر کی دریافت سب سے ابتدائی شکل یا ان تحریری نشانات کی سب سے نجلی سطح کریٹ میں دریافت کی۔ ان کا خیال ہے کہ طرزِ تحریر حقیقتاً وہیں سے وجود میں آیا۔

اس طرح اکثر محققین نے فنِ تخریر کا سلسلہ ان لکیروں سے ملایا جو بہت قدیم زمانے میں بے مقصد کھینچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور کچھ آگے بڑھ کر انسان کسی مقصد سے لکیریں بنانے لگا تھا۔ بحرِ روم کے اطراف سے جنوبی ہندوستان تک جا بجا زمانہ قدیم کے برتنوں پر جو نشانات بنے ہوئے ملے ہیں وہ حسب ذیل اشکال کے ہیں۔



یہ نشانات سب مقامات پر حیرت انگیز یکسانیت رکھتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہت طویل زمانے کے بعد جب الفبائی حروف کی ابتدا ہوئی تو ان میں ان نشانات کی اچھی خاصی جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن فنِ تخریر کا براہِ راست سلسلہ ان لکیروں سے نہیں ہے بلکہ ان کا قریبی رشتہ

ان تصویروں سے ہے جن کی ابتدا بھدے طریقے پر عہدِ حجر کے تیسرے ہی دور یعنی تیس اور پچیس ہزار سال کے اواخر میں ہو گئی تھی۔ پانچویں دور بیس اور پندرہ ہزار سال کے درمیانی زمانے میں انسان غاروں کی دیواریں اور جا بجا چٹانیں چکنی ہموار کر کے ان پر اچھی خاصی تصویریں بنا رہا تھا۔ بیس ہزار سال پرانی جو تصویریں غاروں میں بنی ہوئی پائی گئیں ان میں ایک بہت بڑے ہاتھی نما مہیب القامت بال دار مینتھ (Mamoth) کی ہے۔ پندرہ ہزار برس کے قریب زمانے کی تصویریں سپانیہ سے جنگلی سور کی برآمد ہوئی۔ اسی زمانے کی ایک تصویر دولہا ہوئے بیلوں کی، اور ایک سانڈ کی تصویر فنِ تصویر کشی میں انسان کی کافی ترقی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ سپانیہ میں دس ہزار سال پرانی تصویریں نیرکمان سے شکار کھیلنے کی ملی ہے۔ اور تقریباً اسی زمانے کے جنگلی جانوروں کا ڈنڈوں سے شکار کرنے کی تصویریں مقام سنگن پور، ضلع رائے گڑھ وسطی ہند سے ملی ہے۔ اگرچہ دونوں مقامات کے تہذیبی اور معاشرتی فاصلے طویل ہیں، لیکن دونوں دور دراز مقامات کے انسان کی تصویر کشی میں فنی صلاحیت اور اس کی دسترس کو قریب تر بخوبی

ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تصویریں غار کے مکینوں کے مختلف مشاہدات کی حیرت انگیز طور پر ترجمانی کرتی ہیں۔ کہیں انھوں نے ارنابھینسا، بارہ سنگھا، جنگلی گھوڑا یا بعض ایسے جانوروں کی تصویریں بھی بنائی ہیں جو ان علاقوں سے اب معدوم ہو چکے ہیں۔ جیسے کہ میتھ، بلاشبہ اس قسم کی تصویریں قدیم انسان کی زندگی کے تجربات اور مطالعے کی یادگاریں ہیں جو بالآخر محفوظ رکھنے کے قابل تاریخی ریکارڈ ثابت ہوئے۔ لیکن ان تصویروں کی صرف یہی اہمیت نہیں کہ وہ قدیم انسان کی فن تصویر کشی کی صلاحیت کا پتہ دیتی ہیں، بلکہ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تصویر کشی سے کہیں زیادہ دشوار دہنی عمل اور بعید از قیاس انسانی کارنامہ، فنِ تحریر وجود میں آیا۔ قدیم ترین لکیروں کی طرح ان قدیم تصویروں کا مقصد بھی نامعلوم ہے اور ان کی تخریک عمل کا سبب بھی محققین کی نظر سے اب تک پوشیدہ ہے۔ لیکن دس ہزار سال قدیم ایک بیل کی تصویر کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی پشت پر بنے ہوئے ایک قطار میں چار چھوٹے گول دائرے پا کر اس کے کچھ معنی اخذ کرتے ہیں۔ چار عدد بیل یا چالیس یا چار سو بیل جو پکڑے اور سدھائے گئے اس طرح تصویروں کے معنی اور مطلب پیدا ہونا شروع ہوئے۔

تصویری خط (PICTOGRAPHY)

ابتداء میں جب انسان کو کسی کو کچھ پیغام بھیجنے یا کچھ یادداشتیں رکھنے کی ضرورت درپیش ہوئی تو علاوہ دوسرے طریقوں کے اسے تصویر کشی کے ایک مصرف کا بھی لیکا ایک خیال آیا۔ اور تصویر کشی کا فن جو کئی ہزار برس بے مقصد ترقی کرتا رہا تھا، دس ہزار اور پانچ ہزار سال کے درمیانی زمانے میں ایک بامقصد ہنر بن گیا۔ جس کے ذریعہ ایک تصویریں رسم خط وجود میں آیا۔ اس طرزِ تحریر میں کچھ اشیا کی مجرد تصویریں بنادی جاتی تھیں، جو اپنے اصل معنی کی ترجمانی کرتی تھیں۔ جن چیزوں کی تصویریں ہوتی تھیں، پیغام انہیں سے مقصود ہوتا تھا۔

ایک گچ پتھر کی تختی دریائے فرات کے کنارے کیش، مقام پر کھدائی میں برآمد ہوئی۔ اسکی تحریر کا زمانہ تین ہزار پانچ سو ق۔ م سے کچھ زائد کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے مکمل تصویریں خط کی تحریر کا نمونہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصویر کشی جو اس وقت سے پہلے انسان کے فطری ذوق کے تابع محض ایک بے اختیاری عمل اور بے مقصد مشغلہ تھا اب ایک اہم مادی ضرورت اور افرادِ معاشرہ کا ایک مقصد بن گئی ہے۔ اس زمانے

میں اس سرزمین پر جہاں سے یہ تختی ملی ہے 'سیری' قوم آباد تھی۔ جس کی تہذیب کے بہت سے آثار مذکورہ علاقے میں دور تک پھیلے ہوئے پائے گئے۔ لکھائی کی یہ ابتدائی شکل تصویریں تحریر کا سب سے قدیم نمونہ ہے جو اب تک ڈھونڈے جاسکے ہیں۔ اور اس پتھر کی لوح کو تاریخ رسم الخط کا سنگ بنیاد کہنا چاہیے۔

مکمل تصویریں طرز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ لکھنے والا جن چیزوں کے متعلق خبر دینا چاہتا ہے ان کی تصویر بنا دیتا ہے۔ اکثر ایک بات لکھنے کے لیے شے مقصود کی بار بار کسی تصویریں بنا کر پڑتی ہیں۔ جیسا لوح مذکور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور ایک مختصر سی اطلاع کے لیے بہت سی جگہ بھی گھر جاتی ہے۔ اس پر بھی صرف مرآسی چیزوں کے بارے میں کوئی بات قلم بند ہو پاتی ہے جو چیزیں دیکھی نہیں جاسکتیں ان کو تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ اگر تصویر بنانے میں ذرا بھی غلطی ہوگئی تو اطلاع کچھ کی کچھ ہوگئی۔ قلیل تعداد یا کم مقدار کو تو کسی طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے لیکن کثیر تعداد و مقدار کو لکھنا بہت دشوار ہے۔

اس سرزمین پر جہاں تحریر کا فن سب سے پہلے شروع ہوا انسان کی تہذیبی رفتار بہت تیز تھی۔ کاروبار زندگی تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ انسانی آبادی پھیل کر وسیع معاشرے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ان کے درمیانی فاصلے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے نامہ و پیام کی سخت ضرورت تھی۔ لکھائی کا کام اس اعتبار سے بڑھتا جا رہا تھا۔ تحریر کی سست رفتاری کاروبار زندگی کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ بڑھتے ہوئے خیالات و افکار لکھنے والوں سے تقاضہ کر رہے تھے کہ احوال زندگی زیادہ تفصیل سے لکھیں۔ لیکن تصویریں تو پیش اپنے قامت سے زیادہ لاکھ ہاتھ پاؤں پھیلاتے تھے، مضمون مصوری کے جامے سے باہر ہوا جاتا تھا۔ اس علاقے میں تقریباً پانچ چھ سو سال تصویریں خط اسی طرز پر چلتا رہا۔ عقل و دانش روز بروز اس کی سادگی سے غیر مطمئن ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار انہوں نے ان تصویروں کو تصور کے پر لگا دیے۔ اس طرح مصوری خط وجود میں آیا۔

تصویری خط (IDIOGRAPHY)

یہ بھی ایک نیم تصویریں خط تھا۔ لیکن اس میں چیزوں کی شکلوں سے بجائے حقیقی تعبیر ان سے مجازی معنی اخذ کیے جانے لگے۔

تصویری خط، تصویری خط سے تقریباً پانچ سو برس بعد سمیری تہذیب نے میسوپوٹامیا کے علاقے میں پیدا کیا۔ اس طرز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی تصویری علامتوں سے زیادہ معنی اور مطالب ادا ہونے لگے۔ مثلاً دوج کا چاند مہینے کے شروع ہونے کی خبر دینے لگا۔ سورج حسبِ موقع دن کا وقت بھی بتاتا، اور گرمی کا موسم، امساک باراں کی اطلاع بھی پہنچاتا۔ پیر کا نشان دیکھ کر کسی شخص کی کہیں سے روانگی کی خبر مل جاتی۔ یہ علامتیں مفرد بھی ہوتی تھیں اور مرکب بھی۔

لکھنے کا یہ جدید طریقہ بمقابلہ مجرد تصویری علامتوں کے کم جگہ گھیرنے اور زیادہ معنی پیدا کرنے لگا۔ جن خیالات کی تصویر کشی ممکن نہ تھی وہ بھی ادا ہونے لگے۔ شبہوں پر تصور کا ایسا عمل دخل ہوا کہ شمشیر بکف آدمی سے میں اور بیل سے روح وجود میں آئے۔ کچھ ہی عرصے میں لوگ ان علامتوں کے مفہوم سے بخوبی آشنا اور مانوس ہو گئے۔ اور یہ تصویری خط ایک باقاعدہ تحریری زبان بن گئی

تصویری خط (Idiography) کا ایک ابتدائی نمونہ جسے نیم تصویری خط (SemiPictography)

بھی کہا جاسکتا ہے، اسی سرزمین سے برآمد ہوا ہے، بھٹی میں پکائی ہوئی مٹی کی تختی پر منقوش اس تحریر کا زمانہ دو ہزار نو سو ق۔ م کے لگ بھگ یعنی آج سے پانچ ہزار سال کا خیال کیا جاتا ہے۔ اوپر سے نیچے چلتی ہوئی چینی انداز تحریر میں چھوٹی چھوٹی تصویری علامتیں باقاعدہ لکھائی کی شاید سب سے قدیم مثال ہیں۔ پوری تختی میں کھڑی کھڑی پانچ مستطیل سطریں ہیں۔ اور ہر سطر میں سات سے دس تک تصویری علامتیں ہیں۔ اس طرح ایک چھوٹی سی لوح پر مدعا اور مطلب کی پوری عبارت مرقوم ہے۔ جس میں بجائے وحدانی شکل میں اشیا کی جدا جدا تصویریں پیش کرنے کے، ساری عبارت انتالیس مرکب خاکوں پر مشتمل ہے۔ ہر خلعے میں ایک سے زائد اشیا کی ملحق اور مربوط بہت سی چھوٹی چھوٹی تصویریں بنی ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک خاکہ بجائے ایک لفظ یا ایک وحدانی خیال کے ایک بات یا ایک جملہ ہے اور نقش کیے گئے انتالیس خاکوں میں جو ایک لوح پر کندہ ہیں پورا مضمون مکمل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ لوح کا کچھ حصہ خالی بھی پڑا ہے۔

یہ تصویریں دوردرد از سفر کرتی ہوئی دنیا کے بہت بڑے حصے میں پہنچ گئیں بلکہ بہت کم مدت میں حقیقتاً پورے کرہ ارض پر پھیل گئیں۔ ان کے اس طویل اور تیز رفتار سفر کا ذریعہ نامعلوم ہے۔ یہی تصویری خط وادی فرات سے وادی نیل تک سرزمینِ فرعون میں بھی تقریباً اسی زمانے کے اس پاس دریافت ہوتا ہے۔ اس سے کچھ بعد کے زمانے میں ایشیائے کوچک

کے ماقبل تاریخ حتیٰ کے تصویری خط اور جنوبی ایران کے ایلمی تصویری خط کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ وادی سندھ میں جو قدیم ترین چھوٹی چھوٹی تعویذ نامہ پتھر کی لوحیں ملی ہیں ان پر بھی تصویری اور تصویری خط ہے اور کم و بیش اسی عہد کا معلوم ہوتا ہے۔ اور آگے مشرق بعید میں سرزمین چین کا اس سے کچھ پہلے یا بعد کے زمانے سے لے کر آج تک تصویری، نیم تصویری اور تصویری خط رائج ہے۔ یہ تصویری خط بہت دور جزیرہ ایسٹریلیا میں جو بحر الکاہل میں چلی کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حیرت انگیز طور پر قدیم سندھی تصویری خط سے مماثلت رکھتا ہوا پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شمالی اور جنوبی امریکہ کی 'کناڈا'، 'میاہا' (میکسیکو) چرڈکی (شمالی امریکہ) کی تحریریں اور تاریک براعظم افریقہ کے بامو، نیندی اور دیگر خطوط بھی کناڈا تصویری رسم خط کی دوڑ میں شریک ہیں۔ اگرچہ زمانے کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے۔ یہ تصویری خط سائبریا کے جنگلی اور الاسکا کے برہستانی علاقوں میں پہنچا اور بڑے دلچسپ انداز میں اپنے مطالب ادا کرتا ہے۔

میسخی خط (CUNEI FORM)

تصویری اور تصویری خط کا ترقی دینے کے ساتھ ساتھ سمیریا نے تحریر کی ایک نئی شکل تین ہزار ق۔م میں ایجاد کر لی تھی۔ اس میں تحریر کی علامات میخ کی شکل کے نشانات سے وضع کی گئی تھیں۔ بمقابلہ تصویری اشکال کے لکھنے میں اس کے حروف کھینچنا آسان اور زود نویسگی کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ اس طرز تحریر نے نہ صرف میسوپوٹامیا (وادی دجلہ و فرات) میں بہت ترقی کی بلکہ آس پاس کے ممالک ایلم، ایران قدیم اور مغربی ایشیا و ایشیا نے کوچک میں بہت مقبولیت حاصل کی۔ ان مخروطی حروف کی تین شکلیں تھیں۔ (۱) میخی T (2) پیکانی Y (3) سہاری اور ان کے طرز تحریر کا پورے وسط ایشیا اور مغربی ایشیا میں 539 ق۔م تک دور دورہ رہا۔ اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اگرچہ ان کے بچے کچھے آثار سن عیسوی کے آغاز تک نظر آتے ہیں۔

لکیری تحریر (LINEAR WRITING)

تصویر کشی سے لکھائی کی کوششوں نے کئی سو برسوں میں باقاعدہ تحریر کا ایک فن پیدا کیا جس نے تصویر کشی کے فن سے مختلف اپنی ترقی کا راستہ اختیار کیا۔ جن قوموں اور تہذیبوں نے

تصویروں کے ذریعے تحریری علامات اپنے اپنے طرز پر وضع کی تھیں ان کی ذہنی اور معاشرتی کاروبار کی ترقی مسلسل زور لڑی اور مختصر نویسی کا تقاضہ کر رہی تھی۔ تصویری خط کے بعد مسمیٰ خط بھی جب اس تقاضے کو پورا کرنے سے قاصر رہا تو ان مختصر لکیروں کی تلاش ہوئی جو انسان بلا کچھ سوچے سمجھے وقتاً فوقتاً جا بجا کھینچتا رہتا تھا۔ فن تحریر میں ان لکیروں کا استعمال ایک بہت بڑا ارتقائی قدم تھا۔ اس نے زیادہ سے زیادہ مواد کو کم سے کم جگہ میں تیزی سے لکھنے کا تقاضہ بڑی حد تک پورا کیا۔ اور فن تحریر تیزی سے ترقی کرنے لگا۔

ترقی کا پہلا درجہ تصویریں ارتقا کا ہے جس کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل تصویری تحریر (Pictography) اس کی دو صورتیں حقیقی تعبیرات اور مجازی تعبیرات کی تشریح پچھلے صفحات میں کی جا چکی ہے۔ دوسری منزل لکیری تحریر Linear Writing جس میں ابتداً تصویری اثرات باقی رہے اور بتدریج زائل ہوتے گئے جو ذیل کی مثال سے واضح ہے۔

عربی الف کا ارتقا۔

رومن اے کا ارتقا۔

ناگری آ کا ارتقا۔

اسی طرح تمام حروف میں ارتقا واقع ہوتی گئی۔ تصویری اثرات کم ہو کر ہر ایک طرز تحریر کے لکیری حروف اپنی ایک مخصوص امتیازی شکل میں ابھرتے گئے۔ اس ارتقا کے دو خاص اسباب تھے۔ اول یہ کہ تحریریں تہذیبی ترقی کے تحت عہد بہ عہد مختلف قسم کی مادی سطح یا چیزوں پر منتقل ہوتی رہیں۔ ایک زمانے میں پتھر پر لکھائی شروع کی گئی تھی۔ اس پر سخت دباؤ کے ساتھ گہرے نقوش سخت نوکدار قلم سے کھودے جا رہے تھے۔ پھر کچی مٹی پر نقش ہونے لگے۔ اسی زمانے میں ایک جگہ پیپرس (Papyrus) پر کلک اور روشنائی سے لکھائی ہو رہی تھی۔ دوسری جگہ تار کے پنوں پر سوچے سے نقش کھینچے جا رہے تھے۔ کہیں لکڑی کی تختیاں اور درخت کی چھالیں تختہ مشق تھیں کہیں تانبے جستے کی لوحیں، ریشم اور کتان کے پارچے یا چرمی و صلیاں استعمال ہو رہی تھیں تو کہیں ہاتھی دانت کی پلیٹوں پر موم کی تہہ جما کر لکھنے کی کوشش ہو رہی تھی اور اب تو سب ہی جگہ خیر سے کاغذ اور پیپرس کا دور دورہ ہے۔ اس طرح سطح تحریر کی سختی اور نرمی، گہرائگی اور

ہمواری، کھر دراپن اور چکناہٹ حروف کے نوک پلک، زاویے اور گولائی میں تبدیلیوں کا سبب ہوتی رہی۔ ان کی شکلیں بدلتی رہیں۔ دوسرے اس کا سبب زود نویسی ہے۔ مشاق کاتبوں کے من مانے جدا جدا طرز حروف اور خط کشی کے مختلف انداز بھی اس کی ایک وجہ ہے جسے ان کے شاگردوں اور پیروں نے مزوع دے کر حروف کی شکلوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں ابتدائی خط میں پیدا کیں۔

فن تحریر میں ارتقا کا دوسرا رخ صوتی منزل کی طرف تھا۔ ابتدا میں تمام تصویری علامات اشیا اور افعال کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ کچھ آگے چل کر ان سے برآمد کیے جانے والے خیال و تصور سے وہ علامتیں موسوم ہو گئیں۔ ایسی تصویریں اکثر کئی مفہوم ادا کرنے والی بھی پیدا ہوئیں۔ ان کے مختلف موقعوں پر مختلف نام ہوتے تھے اور علامتوں کی تعداد روز بروز کثیر سے کثیر تر ہوتی گئی ایسے ہر نشانی کو لفظ کی علامت (Logogram) یا اس کی شکل کو (Idiogram) تصویری یا لفظی نقش کہتے ہیں۔ اس کے بعد علامتوں کو انہیں ادا کرنے والی آوازوں کے تابع کیا جانے لگا۔

رکن تہجی (SYLLABIC WRITING)

صوتی اعتبار سے فن تحریر کی تین ارتقائی منزلیں ہیں۔ یہ ارتقا تحریر کی ابتدا کے کچھ زمانہ بعد لفظی نقش بندی (Logogram) کے ساتھ ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ اس کی پہلی منزل لفظی رکن (Word Syllabic Stage) ہے۔ اس میں ہر نفاذ پورے لفظ کو مجموعی طور پر وحدانی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ بعض الفاظ ایک سے زائد ٹکڑوں ہی میں ادا ہوتے ہوں۔ دوسری منزل رکن تہجی ہے Syllabic Stage اس میں ہر لفظ کے نمائندہ نشان کو جس طرح وہ آواز کے ٹکڑوں میں بولا جاتا ہے، اسی طرح اجزاء علامت میں تحریر کیا جاتا ہے۔ بمقابلہ لفظی رکن کے یہ کافی ترقی یافتہ طریقہ تحریر ہے جس سے یہ فائدہ ہوا کہ تحریری علامت کی کثیر تعداد میں کافی کمی ہو گئی۔

الف بانی خط (ALPHABETIC)

تحریری ارتقا کی تیسری منزل وہ ہے جس میں الفاظ جدا جدا حروف صحیح Consonant

اور حروف علت Vowels کی مدد سے لکھے جاتے ہیں الف بانی Alphabetic Stage کہا جاتا ہے۔ اس میں تمام حروف ہر ایک جدا جدا قسم کی آواز کی نمائندگی کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ایک لفظ بولنے میں جو صوتی حرکات پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے نمائندہ حروف صحیح اور ان کی ادائیگی میں ضروری حرف علت یا بجائے ان کے مخصوص اشاراتی مختصر مخفی علامات کو لکھائی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تحریر کا یہ موجودہ سب سے ترقی یافتہ طریقہ ہے جو چند زبانوں کو چھوڑ کر دنیا کی ہر زبان کے تحریری فن میں رائج عام ہے۔ اس کی کم و بیش اٹھائیس حرفی علامات ہیں جن کی مدد سے ہر خیال کو بڑی آسانی سے تحریر میں لایا جاسکتا ہے اور نہایت مختصر طور پر نیز رفتاری سے لکھ سکے ہیں۔ اس طریقہ تحریر کی موجودہ فیثقی قوم ہے۔ اس نے اٹھارہ سو قبل مسیح میں بائیس حروف پہلی بار وضع کیے تھے۔ آسان ترین طریقہ تحریر ہونے کی وجہ سے اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور جلد رواج پا گیا۔

کتاب کی تخلیق کا ابتدائی میدان

جہاں تک لکھائی کے آغاز اور اس کے ارتقائی مدارج کے مقام اور زمانے کی دریافت سے بحث ہے، سب سے پہلے ذہن میں یہ بات رکھنا ضروری ہے کہ کتاب کی موجودہ ترقی یافتہ شکل جس میں ہم آج اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، اپنے مختلف ارتقائی مدارج کسی مخصوص علاقے میں ایک مستقل رفتار سے نہیں طے کر سکی ہے۔ اس لیے علاقائی اعتبار سے اس کو بیان کرنے میں ایک تاریخی تسلسل قائم رکھنا دشوار ہے مثلاً وادی نیل کی قدیم مصری مملکت میں تین ہزار قبل مسیح سے پندرہ سو ق۔ م تک تاریخ کتاب کا شان دار عروجی دور ہے جب کہ اس سے ملے ہوئے سوڈان میں تیسری صدی ق م میں میروتی خط کی نشوونما کا آغاز ہوا۔ یا حتی ایشیا کوچک کی رفتار ترقی بہت سست اور اس سے بالکل ملے ہوئے مغربی ایشیا کے شام اور لبنان میں ارتقا کی رفتار بہت تیز اور حیرت انگیز ہے۔ یہی صورت دنیا کے تمام حصوں میں نظر آتی ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ کسی خطے کی آبادی یا معاشرے میں عمومی طور پر لوگ لکھنے کے فن میں کسی عہد میں بھی یکساں طور پر دل چسپی نہ لے سکے۔ آج تک جو تحقیقات اور دریافت ہوئی ہے، اس کے مطابق وادی نیل کی سرزمین میں مصر، وادی دجلہ و فرات کی

سرزمین عراق، وادی سندھ اور چین یہی چار علاقے فنِ تحریر اور علم کتاب کا آغاز کرنے والے معلوم ہوئے ہیں۔ اور ان ملکوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں بھی ابتداً بہت کم افراد تصویر کشی کی مہارت اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے چونکہ اس فن کی قابلیت رکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے ان لوگوں پر کسی مافوق الفطرت طاقت کا سایہ اور یہ ہر مہرِ عبود کا فیضان و اکرام خیال کیا جاتا تھا۔ اور نوشت و خواندگی استعداد رکھنے والا خود بھی اپنے اس کمال کو عام انسانوں کی قدرت سے بعید توفیق الہی ہونے پر ایمان رکھتا تھا۔ لہذا کافی مدت تک لکھنے پڑھنے کا تعلق زیادہ تر الہیاتی مسائل رسوم عبادت، بھجن اور مناجات وغیرہ یا مذہبی عقائد سے رہا۔ اس سلسلے میں کاہنوں اور بجاویوں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا۔ کاہن اس فن پر پورا قبضہ و تصرف کیے ہوئے تھے۔ وہ عام لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر تیار نہ تھے۔ اس سلسلے میں عرصہ دراز تک حکومت اور مذہبی اقتدار میں زبردست کشمکش رہی۔ بالآخر حکومت کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور عام لوگوں کو بھی لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع نصیب ہوئے۔

حصہ اول

قدیم کتابیں

پانچ ہزار ق م سے پہلی صدی عیسوی تک

پہلا باب

مٹی کے اوراق کی کتابیں

انسان کی تہذیبی تاریخ کا جب ہم قدامت کے نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سب سے قدیم تاریخ ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم کی دریافت کے مطابق میسو پوٹامیا کی تہذیب کہی جاسکتی ہے جس کا تاریخی زمانہ سات ہزار سال ق۔ م یا آج سے تقریباً نو ہزار سال پہلے سے شروع ہوا۔ سابق میسو پوٹامیا، دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان ایک نہایت شاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس سرزمین نے یکے بعد دیگرے کئی تہذیبیں پیدا کیں اور بہت عروج تک ان کو پہنچانے کے بعد اپنی گود میں چھپا لیا۔

سمیری تہذیب

چار ہزار سے تین ہزار سال ق۔ م تک

میسو پوٹامیا میں سب سے پہلے سمیری قوم کے نشانات ملتے ہیں۔ جو مشرق کے کسی حصے سے ترک وطن کر کے آئے تھے اور دریائے فرات کے کنارے چلتے ہوئے خلیج فارس کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ غالباً سب سے پہلے وہ خلیجی علاقے میں آباد ہوئے۔ یہ سرزمین انھیں اس قدر سازگار ہوئی کہ وہاں انھوں نے اپنی خانہ بدوش زندگی کو ایک اعلیٰ قبائلی معاشرے تک ترقی دی اور اس کے آگے ملوکی نظام قائم کر لیا تھا۔ ان کی تہذیبی ترقی کے نشانات چار ہزار برس ق۔ م سے بھی بہت آگے کے ملتے ہیں۔ انھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے تھے جن میں اُر۔ لیگاش اور عظیم الشان

شہر نپور کے آثار دریافت ہو چکے ہیں۔ ان کی پھولتی پھلتی آبادیاں شمال کی طرف بڑھتی ہوئی دور تک پھیل گئی تھیں۔ چند صدیوں میں ان کی معاشرت تہذیب کے اس اعلامقام تک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے اپنا ایک تصویری طرز تحریر ایجاد کر لیا تھا۔ لکھائی کا جو سب سے قدیم نمونہ اس خطے سے دستیاب ہو سکا۔ وہ تین ہزار پانچ سو ق۔ م کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تصویری علامتوں (Pictography) میں گج پتھر پر ہڈی یا پتھر کے قلم سے لکھی ہوئی لوح جو زرعی پیداوار کی ایک رپورٹ ہے۔

(تین ہزار ق۔ م سے دو ہزار ق۔ م تک)

تقریباً دو ہزار نو سو ق۔ م میں تحریر کیا ہوا سمیری قوم کا جو کتبہ ملا وہ پہلے کتبے سے کافی ترقی یافتہ ہے۔ پانچ چھ سو سال میں انہوں نے حقیقی تصویری خط (Pictography) سے آگے بڑھ کر تصویری خط (Idiography) ایجاد کر لیا تھا۔ ایک طرف رسم الخط کو ایک منزل آگے بڑھایا، دوسری طرف سمیریوں نے لکھائی کے سامان میں ایک نئی چیز دریافت کی۔ اب تک انسان نے جنہی تصویریں، نشانات اور لکیریں کھینچی تھیں ان کی کافی لمبی فہرست ہے جس میں بچھال، پتیاں، ہڈی، سینگ، اور پتھر کی چٹانیں اور سلیں خاص طور پر تھیں لیکن اب جو نئی چیز انہیں سوجھی تھی وہ نرم گندھی ہوئی مٹی تھی۔ بمقابلہ پچھلی تمام چیزوں کے اس پر لکھنا کہیں آسان تھا جلد بھی لکھا جاسکتا تھا اور خوبصورت نقوش بھی بن سکتے تھے۔ چنانچہ اسے مقبولیت حاصل ہوئی اور زمانہ دراز تک اس کا رواج رہا۔ سمیریوں نے دجلہ و فرات کے دو آبے میں بافراط چکنی مٹی دیکھی اور اس کے اعلا نفیس مصرف کا انہیں ادراک ہوا۔ انہوں نے مٹی کی ہموار چٹھی تختیاں تیار کیں جن کی سطح خوب چکنی ہوتی تھی۔ ابتدا میں ان تختیوں کا سائز بارہ انچ لمبائی اور آٹھ انچ چوڑائی کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ دریا کے کنارے بکثرت نرقل اور کلک اُکا ہوا تھا۔ اس کے نوک دار ترچھے قط سے چکنی مٹی کی تختیوں پر خوبصورت نیم تصویری رسم خط کے تصور کے خاکے نفاست سے کھینچنا، بمقابلہ پتھر پر نقوش کھودنے کے بہت آسان نظر آیا اور بہت کم وقت میں نہایت عمدہ لکھائی ہونے لگی۔ وہ لوگ لکھائی کے بعد نرم مٹی کی تختیوں کو دھوپ میں خشک کرتے تھے اور پھر بھٹی میں پکا کر اینٹوں کی طرح پختہ بھی کر لیتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تختیوں پر نقش کی ہوئی تحریروں کی انہیں بہت حفاظت مد نظر تھی۔ شاید شروع میں کچی ہی تختیاں کچھ زمانے تک رہی ہوں جو ضائع ہو کر اس زمانے تک

نہیں پہنچ سکیں اور یہ مضبوط پختہ تختیاں پانچ چھ ہزار سال کا سفر کر کے یہاں تک آئی ہیں اس عہد کے عجائب خانوں میں مقام کیے ہوئے ہیں۔

اگلے سات سو برس میں سمیریوں نے اس تصویری طرزِ تحریر کو ترقی دے کر ایک بالکل مختلف انداز کے حروف کا اپنے تصویری خط میں اضافہ کر لیا۔ یہ حروف لوہے کی میخ یا برنجی، کیل جیسی شکل سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان سے معنی کے علاوہ کچھ صوتی مخرج کی بھی نمائندگی ہوتی تھی جو تصویری شکلوں سے ممکن نہ تھی۔ اگرچہ وہ بہت کم صوتی علامات تھیں لیکن فنِ تحریر کی ترقی کے لیے ایک عظیم الشان پہلا قدم تھا۔ نئے حروف کی تمام شکلیں ایک معنی نشان ۲ سے مرکب تھیں۔ سمیری قوم نے طرزِ تحریر میں تو یہ ترقی کی تھی مگر مٹی کی تختیوں کا کوئی بدل اس قوم کی تاریخ میں دور تک نظر نہیں آتا۔ اسی جسامت کی نقش کی ہوئی بکثرت تختیاں نیپور اور دوسرے شہروں کی عبادت گاہوں کے کتب خانوں، تجارتی مرکز اور دفاتر میں اکٹھا ہوتی رہیں۔ چنانچہ ان قدیم ترین شہروں کے کھنڈرات سے موجودہ زمانے میں مٹی کی تختیوں پر کتبوں کا بہت بڑا ذخیرہ برآمد ہوا ہے۔ یہ کتابیں جو ان کے کتب خانوں سے نکلی ہیں۔ مذہبی عقائد اور طریق عبادت، معبودوں کے بھجن وغیرہ پر بکثرت ہیں، لیکن سیاسی اور مملکتی دستاویزات، تجارتی لین دین اور قرضوں کے ہی کھاتے۔ یاد و علاج کے نسخے اور دیگر علوم و فنون سے متعلق کتابیں بھی کم نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ نجی خطوط بھی بہت زیادہ ہیں۔

عکاد۔ بابل اور عاشوری تہذیبیں

زمانہ دو ہزار ق۔ م سے ایک ہزار ق۔ م تک

دو ہزار سال ق۔ م سے کچھ پہلے ہی سمیری قوم کی خانہ بدوش زندگی تہذیب و معاشرت میں ترقی کرتی ہوئی ایک عظیم نظام مملکت تک پہنچ کر زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اسی زمانے میں دریائے دجلہ اور فرات کے شمالی حصے میں عکادی قوم ابھر رہی تھی۔ عکاد سامی نسل سے تھے۔ اس وقت سے ہزاروں سال آگے تک تہذیبی قیادت اور سیاسی اقتدار اسی نسل کے ہاتھوں میں رہا۔ دو ہزار ق۔ م میں وہ سمیری قوم سے بہت کچھ حاصل کر کے اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ جب سمیریوں کا زوال ہوا تو انہوں نے بحسن و خوبی، ان کی عظیم مملکت کا انتظام سنبھال لیا اور میسوپوٹامیا کے سرسبز علاقے میں ان کا تسلط ہو گیا۔ آگے چل کر ان سے دو

87121

عظیم الشان جرٹوال تہذیبیں وجود میں آئیں جو بابل اور عاشوری سے موسوم ہیں۔ علم و فن کی ارتقا اور کثیر تعداد میں بابل۔ عاشوری ادب پر کتابوں کی تخلیق ان کا شاندار تاریخی باب ہے۔ ان کی زبان لسانی سائنس اور فن تحریر کے اعتبار سے پندرہویں صدی ق۔م میں دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مستند قرار دی گئی۔

انہوں نے سمیری قوم سے پائی ہوئی کیوں فارم مخروطی حروف کی چند مختصر شکلوں کو جن کے ساتھ بکثرت تصویری اور تصویری علامتیں شامل تھیں، ترقی دے کر بیس حروف کے باقاعدہ ایک صوتی رسم الخط کا خیال دنیا میں سب سے پہلے پیش کیا اور تحریر و سماعت کے درمیان پہلا نزدیکی رشتہ پیدا کیا جس سے فن تحریر میں رکن تہی کا آغاز ہوا۔ ان کی وضع کی ہوئی تحریری علامتوں کو نہ صرف جلد اور آسانی سے نقش کیا جاسکتا تھا بلکہ چھپائی کا امکان بھی پیدا ہوا اور بابل۔ عاشوری عہد میں بکثرت کچی مٹی کی تختیوں پر کتابیں چھاپی گئیں جو چھپنے کے بعد بھٹی میں پکا کر تختہ کر لی جاتی تھیں۔ یہ ابتدائی طباعت لکڑی کے بیلنوں پر مطلوبہ عبارت کندہ کر کے کچی مٹی پر پھیرنے سے عمل میں آتی تھی۔

ان کی وضع کی ہوئی بیس حروف کی ایک تختی شامی ساحل سے متصل اکارت مقام پر مٹی کی سینکڑوں دوسری تختیوں کے ساتھ 1929ء میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ملی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں وادی دجلہ و فرات سے ساحل روم تک پورا علاقہ عاشوریوں کے زیر نگیں تھا۔ مٹی کی تختیوں پر یہی حروف کے رسم خط کی کتابیں نہ صرف بابل اور عاشوری تہذیبوں میں رائج تھیں بلکہ ان کے تہذیبی اثرات ایشیائے کوچک کی حتی قوم نے بھی قبول کر لیے تھے اگرچہ علامات میں کچھ فرق تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں کتاب کے لیے اس سے بہتر چیز کا ادراک کافی زمانے تک انسان کو نہ ہو سکا۔ روز بروز ان اوراق کی تیاری کے لیے زیادہ اچھی مٹی کا انتخاب ہوتا گیا۔ جس سے زیادہ چکنی اور نفیس تختیاں ترقی پذیر ہوتی رہیں۔ آگے ان کی بناوٹ، شکل اور سائز میں بھی کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

بابل کے رسم خط میں چھ سو چالیس تحریری علامتیں رائج تھیں اور عاشوریوں کے یہاں پانچ سو دس تھیں جن میں بیس سو علامتیں عام طور پر مستعمل تھیں۔ ان کی تحریروں میں سو سے ایک سو بیس تک رکنی علامات رائج تھیں۔ جب کہ سمیریوں کے دور میں چھ سو قسم کی مکمل لفظی علامتیں تحریر میں پائی گئیں۔

بابل اور عاشوریوں کے علمی ذوق و شوق اور فنی تجربات کی سرگرمی نے لکھنے کا مواد اس قدر پیدا کر دیا تھا۔ لکھنے کا سامان اتنا ارزاں اور سہل الحصول تھا اور لکھائی اور چھپائی کا طریقہ ایسا آسان اور تیز رفتار تھا کہ تہذیب کے اس ابتدائی دور میں انسان نے جتنی کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف کیں اور جس وسیع پیمانے پر کتب خانے تعمیر کیے ان کے بچے کچھے آثار دیکھ کر آج کا انسان بھی حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ میسوپوٹامیا کے علاقے میں صرف تین جگہوں پر کھدائی سے پانچ لاکھ سے زائد مٹی کی تختیاں برآمد ہوئیں جنہیں یورپ اور امریکہ کے میوزیم نائٹس کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بیس ہزار تختیاں برطانوی ماہر آثار قدیمہ سر آسٹن لے یارڈ نے عاشوری دارالسلطنت نینوا کے کھنڈروں سے 1853ء میں نکالی تھیں جہاں ان کے آخری تاجدار آشربانی پال کا عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ یہ اب برٹش میوزیم کی بے بہا دولت ہے۔ اس ذخیرے میں اس عہد کا ایک ادبی شاہکار منظوم داستان گلگامیش بھی ہے جس کا انگریزی ترجمہ این۔ کے۔ سینڈرس کے مقدمے کے ساتھ نیگوسن کے ادب عالیہ اشاعتی سلسلے میں بار بار شائع ہو کر مقبول عام ہوا۔ ان کے کچھ علمی جواہر پارے فراعنہ مصر نے حاصل کر کے اپنے شاہی دفاتر میں جگہ دی تھی جو وادی نیل کے قدیم شہر الامرناس کے کھنڈروں سے برآمد ہوئے ہیں۔ کیونکہ فارم حروف کی مقبولیت پندرھویں صدی ق۔ م۔ سے اس قدر عروج پر تھی کہ وادی فرات سے سواحل روم تک فلسطین شام۔ لبنان اور حثیوں کے دارالسلطنت بوزازکول جو موجودہ استنبول کے قریب میں واقع تھا۔ یا قدیم ایران اور ایلم کی سرزمین ہر جگہ سے اس زمانے کے آثار ان حروف میں لکھی کتابیں برآمد کر رہے ہیں۔

حتی قوم (Hittites) کی تحریریں

زمانہ دو ہزار ق۔ م سے پانچ سو ق۔ م تک

ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کے علاقے میں اس قوم کے آباد ہونے کا سب سے قدیم سراغ تین ہزار سال ق۔ م سے ملتا ہے۔ ان کی قومیت اور زبان ہند یورپی شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے ان کی زبان میں اکثر ہندوستانی اور ایرانی الفاظ بہت قدامت سے پائے جاتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ان کے یہاں دو خطر راج ہوئے، تصویریں اور مینی۔ تصویریں خط تین دور کا ہے مکمل تصویریں خیالات۔ نیم تصویریں اور آخری دور تصویریں اظہار مطالب۔ ان

ادوار کی تحریریں پتھر پر کھدی ہوئی ملی ہیں جن کی ایک سطر دائیں سے بائیں دوسری بائیں سے دائیں ہل چلانے کے طرز پر۔ تصویری خط میں ان کے یہاں چار سو پچاس معنوی علامتیں تھیں جن میں دو سو پچیس کثیر الاستعمال ہیں۔ بعد میں بابل عاشوری اثرات نے یہاں معنی خطر راج کر دیا جو بابلی سے ماخوذ ہے ڈاکٹر گیلب نے ان کے خط میں ساٹھ رکنی علامات دریافت کی ہیں۔ بابلی خط میں کچھ علامتیں پورے لفظ یا ایک کلمے کے لیے موضوع تھیں اور بعض صرف ایک جز یا صوتی رکن کے لیے۔ پہلی صورت میں حنیوں نے بابلی خط کی علامتوں کو اصلی شکل میں اپنی زبان میں ترجمہ کر کے مستعمل کر لیا لیکن دو یا زائد رکنی علامتوں کے قائم مقام اپنی زبان کے الفاظ کے لیے نئی علامات وضع کیں۔ 1906ء میں ڈاکٹر ہیوگو ونکلر (Dr. Hugo Winkler) نے بوغاز کول کے کھنڈروں سے کھدائی کر کے معنی خط کی بیس ہزار تختیاں مٹی کی برآمد کیں جن کا زمانہ تحریر 1200 ق۔م سے 500 ق۔م تک تحقیق ہوتا ہے۔ حنیوں کی تختیاں بمقابلہ بابلی عاشوری تختیوں کے سائز میں بہت بڑی ہیں۔ 717 ق۔م میں حنیوں کی طاقت کو زوال ہوا اور عاشوری حکمران سارگون نے ان کو شکست دے کر ان کی سرزمین اپنی مملکت میں شامل کر لی۔ لیکن حنیوں کا خط 500 ق۔م تک باقی رہا۔ حتیٰ کے معنی خط کے علاوہ ایشیائے کوچک میں ایک اور پیکانی ۲ خط کے آثار دریافت ہوئے ہیں جو قدیم ایرانی خط سے تو سل رکھتا ہے۔ اس کی بہت سی تختیاں قدیم شہر قیصریہ کے آس پاس اور دوسرے مقامات پر ملی ہیں جن کے زمانہ تحریر کا اندازہ دو ہزار تین سو برس ق۔م کا لگایا جاتا ہے۔ ان میں سوا ایک تختی کے جو قوانین کا کتبہ ہے باقی سب تجارتی کاروبار سے متعلق ہیں۔ یہ تختیاں شامی تاجروں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ رسم خط عاشوریوں سے مشابہ ہے جس متفاہ پر یہ دستیاب ہوئی ہیں اس کا پورا نام کیسپا ڈوشیا تھا۔

دوسرا باب

پیرس پر لکھی کتابیں

مصر قدیم کی کتابیں

زمانہ چار ہزار سال ق۔م سے ایک ہزار چار سو ق۔م تک
سب سے قدیم تہذیب اگر سمیریوں کی تسلیم کی گئی ہے تو اس کے بعد وادی نیل میں
لبنے والوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ دوسری سب سے عظیم و قدیم تہذیب کے بانی ہیں۔
ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم نے مصر کی تہذیب پانچ ہزار سال ق۔م کی بتائی ہے۔ اس سرزمین پر
مستعمل تحریری علامات کا سب سے قدیم خط ہیرو غلیفی (Hiroglaphic) یونانیوں کا
تجویز کیا ہوا نام ہے۔ اس خط کی سب سے پرانی تحریر 3400 ق۔م کی جو دستیاب ہوئی ہے
پیرس پر لکھی ہے۔ ہیرو غلیفی کے معنی ہیں مقدس کندہ کی ہوئی تحریر۔ یہ حقیقت اس نام
ہی سے انکشاف ہوتی ہے۔ کہ یہ خط پیرس پر لکھے جانے سے پہلے غالباً پتھر کی لوہوں یا لکڑی
آبنوس، ہاتھی دانت کی تختیوں پر نقش کیا جاتا تھا لیکن ابھی تک ان تحریروں کے نمونے
منظر عام پر بہت کم آئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔

دریائے نیل کے بالائی حصے میں دریا کے کنارے دور تک پیرس نام کے ایک پودے
کی بکثرت پیداوار تھی۔ یہ کلک یا بالنسی کے قسم کا پودا تھا۔ ڈیڑھ دو فٹ لمبائی اور ایک
ایچ سے کچھ زائد موٹائی کا پہلو دار تنکونا چکیلاتنہ جس کی چوٹی پر تقریباً تین انچ مدور
پھول کی شکل کا ایک خوشنما گچھا یہ تھا پیرس پودا۔ پتیوں کا یہ خوبصورت گچھا قدیم
مصری اپنے دیوتاؤں کی مورتیوں پر چڑھاتے تھے۔

پیرس کی تیاری

دو ہزارق۔ م میں بکثرت کتابیں مصر میں لکھی جا رہی تھیں۔ لہذا مصر کی آبادی کا ایک حصہ پیرس پودے کی چٹائی جیسی لمبی چادر میں تیار کرنے میں لگا ہوا تھا۔ چٹائی بنانے کے لیے پیرس پودے کے تنے کے باریک ورق اتار لیے جاتے تھے پھر ان کی کھڑی پٹیاں ایک دوسرے سے ملا کر کسی ہموار تختے پر بچھائی جاتی تھیں جس کے اوپر بیڑی پٹیاں اسی طرح ایک دوسرے سے ملی بچھا کر عمدہ قسم کے صاف کیے ہوئے گوند سے جوڑ دی جاتی تھیں اور بھاری وزن کے دباؤ سے تیار شدہ چادر کی سطح کو برابر اور ہموار کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دھوپ میں خشک کر کے جھانواں پتھر سے یا ہاتھی دانت سے اس کی گھٹائی اور گھسانی کی جاتی تھی۔ گیہوں کے میدہ پانی اور سر کے سے تیار کیے ہوئے مرکب سے ان پر گاڑھی لیس دار پتائی بھی کی جاتی تھی۔ جس کے خشک ہو جانے کے بعد اس کی دوبارہ خوب اچھی طرح گھٹائی کی جاتی تھی۔ تب اس کی سطح نہایت ہموار مضبوط چکنی اور چمکدار ہو جاتی تھی اور لوچدار بھی بہت ہوتی تھی۔ جس سے اس پر نوک پلک کی خوبصورت لکھائی ہو سکتی تھی۔

عمدہ قسم کے پیرس کالوچ اور اس کی آب و تاب طویل زمانے تک برقرار رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ پانچ ہزار سال گذر جانے کے بعد بھی آج بہت سے میوزیم میں رکھے ہوئے مکفوفوں (Scroll) میں بہت کچھ چمک اور لچک باقی ہے۔ تیار شدہ پٹیاں عموماً چھ سات انچ چوڑی اور ایک فٹ لمبی ہوتی تھیں لیکن کچھ نو انچ چوڑی اور انیس انچ لمبی پٹیاں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ معمولی قسم میں زردی مائل اور اعلا قسم میں سفید چمک دار ہوتی تھیں۔ ان تیار شدہ پٹیوں کو بقدر طوالت مضمون یا ضخامت کتاب، باہم سلانی کر کے یا گوند سے جوڑ کر طویل کر لیا جاتا تھا اور چٹائی کی طرح لپیٹ کر پلندے بنالیے جاتے تھے جن کو استوانا نما مکفوفہ یا اسکروول کہتے ہیں۔

قدیم مصری خطاط

پیرس پر لکھنے والوں نے بھی بڑی محنت اور ریاضت کر کے اسی زمانے میں فن تحریر کو ایک اعلام مقام تک پہنچا دیا تھا۔ لکھائی کے لیے جو قلم استعمال ہوتا تھا وہ عموماً کلک

کا ہوتا تھا جس کے ایک سرے کو پھیل کر حسب ضرورت موٹی اور مہین لکھائی کے لیے ایک ترچھا قطر رکھ دیا جاتا تھا جس سے ہم بہ خوبی آشنا ہیں۔ وہ پیپرس کے ڈنٹھل کو کچل کر نرم ریشے کا موٹلم یا بٹرش بھی بنا لیتے تھے۔ روشنائی سرخ اور سیاہ عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ سیاہ روشنائی چراغ کی کالک کو کچھ دوسری ایسی چیزوں کے ساتھ حل کر کے تیار کرتے تھے جس سے نہایت پختہ گاڑھی روشنائی تیار ہوتی تھی اسی طرح سرخ روشنائی کے لیے بھی انھوں نے کسی کیمیاوی اجزا دریافت کر لیے تھے۔ وہ روشنائی ہماری روشنائیوں کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر زیادہ دیر یا آب و تاب اور ایسی پختگی رکھنے والی تھی کہ پانچ چھ ہزار سال گزرنے پر بھی اس کا رنگ پھیکا نہیں پڑا۔ پیپرس پر جس طرف بیٹری پٹیاں بچھائی جاتی تھیں اسی طرف لکھائی کی جاتی تھی۔ اسے یونانی زبان میں رکٹو Recto کہتے تھے، اس طرف لائنیں کھینچنے میں آسانی ہوتی تھی۔ اس کے مخالف رخ کو ورسو Verso side کہتے تھے اُدھر لکھائی کا عکس پھوٹتا تھا۔ اس لیے اسے سادہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لائنیں کھینچنے کے لیے ایک مسطر بھی معمولی لکڑی، آنوس یا ہاتھی دانت کا ہوتا تھا۔ دھات کے بنے مسٹر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لکھنے والا جس درجے اور منصب کا ہوتا تھا ویسا ہی قیمتی سامان اس کے لیے پیش کیا جاتا تھا۔ یہ سب سامان اور قلم دان بھی جو انھوں نے وضع کیے تھے ابھی کچھ دن پہلے ہمارے یہاں ہندوستان کے سبھی پڑھے لکھے گھرانوں میں پائے جاتے تھے۔ مزے کی بات یہ کہ ان کے قلموں کے لیے یونانیوں نے لفظ کلمس (Calamus) استعمال کیا ہے جس سے عربوں نے اپنے فن خطاطی کا قلم باڈھا ہے۔ لکھنے والی قوموں میں مصر کی عظمت و قدامت ناقابل تردید ہے اور عرب بھی یونان کی طرح کسی زمانے میں سیف و قلم سے اپنی تقدیر لکھ رہے تھے پس یونان کا قلم انھوں نے ورتے میں پایا تھا جو دراصل مصر میں پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح لکھائی کے بہت سے آداب و قواعد یونان کے توسط سے عربوں تک اور پھر ساری دنیا میں پھیلے۔ ہمارے موجودہ اخباروں کے کالموں کی طرح پیپرس کی پوری چوڑائی کو دو ڈھائی انچ کے چوڑے کالموں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ پتلے کالموں اور چھوٹی چھوٹی سطروں میں تصویریں عبارتیں مصری کاتبوں نے ایسی خوبصورتی اور دیدہ زیبی سے لکھی ہیں کہ آج بھی انھیں پڑھنے کو بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے۔ سرورق کا پہلا لفظ سرخ جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ عنوان بھی سرخ روشنائی سے جسے آج تک ربرک کہا جاتا ہے جو لاطینی میں ربر (Rubber) یعنی

سرخ سے تعبیر ہے۔ ہم اردو زبان والے بھی عنوان کو اب تک سرخی کہتے ہیں۔ مضمون کا ہر باب (Chapter) ہر ایک باب کا ہر جزو (Paragraph) ہر کتاب میں مصر قدیم سے آج تک ڈھلتا جا رہا ہے۔ ہر ایک باب کا حرفِ آغاز Initial letter جلی قلم اور سرخ روشنائی سے کچھ زمانہ پہلے تک تحریر ہوتا رہا۔ غرض مصر کے آداب تحریر کی تقلید بعد میں آنے والی تمام قومیں فنیسی، آرامی، یونانی لاطینی، عبرانی، عربی، فارسی سبھی کرتی رہیں حتیٰ کہ سنسکرت بھی اپنی ہم عصر تحریروں کی روایت پر اپنے نقشِ قلم بناتی رہی۔ آج دنیا کی جدید تہذیب اگرچہ کتاب کی عبارت میں مختلف رنگوں سے کتراتی ہے لیکن متن کے ساتھ مختلف رنگوں کی تصاویر جو مصری تحریر کی سب سے اہم خصوصیت تھی اور بہت سے دوسرے اصول و آداب کی پابند ہے۔

البتہ پیپر کے پٹے ہوئے وہ بڑے بڑے پلندے آج کسی کے بس کے نہیں۔

بڑی اور زیادہ صفحات کی کتابیں لکھنے کے بعد پیپر کے تختوں کے سرے کو سرے سے صفحہ وار جوڑ کر طویل سلسلہ بنا لیا جاتا تھا۔ جسے اسکرول کہتے تھے۔ مناسب فاصلے پر صفحات کے نشان بنے ہوتے تھے۔ پیزنگ یونیورسٹی میں ایک پینسٹھ فٹ لمبی ایک سو دس صفحات کی کتاب ہے۔ عام طور پر نفسِ مضمون کی طوالت پچاس سے سو فٹ تک استوانا نامکفوفہ Scroll میں آجاتی تھی۔ طویل ترین پیپر مکفوفہ Harris Paperus Scroll فرعون رامیس دوم کے دور حکومت کی روداد، ایک سو تینتیس فٹ طویل ہے۔ لکھائی عموماً دائیں سے بائیں جانب ہوتی تھی۔ ہر مکفوفے کے دونوں سروں پر دو چکنی گولائی سے ترشی ہوئی چوبیس یا رول جڑے ہوتے تھے۔ نیچے کے آخری سرے کی چوب پر پورا مخطوطہ چٹائی کی طرح لپٹا ہوتا تھا۔ اوپر کے سرے پر ابتدا سے مضمون جس قدر پڑھتے تھے ایک ہاتھ سے اوپر کی چوب لپیٹتے جاتے تھے دوسرے ہاتھ سے نچلے رول کو گھما کر مضمون کا اگلا حصہ کھولتے جاتے تھے اس طرح دونوں ہاتھ ذہن و نظر کے ساتھ مسلسل کام کرتے رہتے تھے۔ سو پچاس فٹ تک یہ کافی طویل اور تھکا دینے والا کام تھا۔ آج ان استوانا مکفوفوں کی نمائندگی اسکولوں کے جغرافیائی پٹے ہوئے نقشے یا محکمہ تعمیرات کے دفاتر میں بعض پٹے ہوئے چارٹ ادا کرتے ہیں۔ مصر کے آثارِ قدیمہ میں ایک پیپر اسکرول حیاتِ بعد الممات کے احوال پر دستیاب ہوا جس کی لمبائی ایک سو بائیس فٹ اور چوڑائی ساڑھے اکیس انچ ہے۔ یہ سب سے زیادہ چوڑائی کا پیپر "کاکھی باس" سے موسوم ہے۔

قدیم مصری ادب

اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی اگر موجودہ زمانے کا مذاقِ علم و ادب ان کا مواد و
 موضوع کی طرف ذرا بھی توجہ زدے جس پر معمول کتابوں کے ذخیرے انہوں نے مستحکم پختہ اینٹوں
 اور پتھروں کے بنے بے بے کمروں میں، اہرام اور تہہ خالوں میں، پتھر اور کالنسی کے بنے ہوئے
 بڑے بڑے منکوں اور مرتبوں میں کس قدر حفاظت سے رکھ کر صحیح و سالم حالت میں ہمارے
 عہد تک پہنچانے کے لیے کیا کیا جتن کیے۔ ان کتابوں کو موسمی اثرات سیلن ہوا اور مہرت رساں
 کیڑوں سے بچانے کے لیے ایسی کیمیاوی ادویہ کے مرکبات اور مصالح استعمال کیے تھے جن کی
 مدد سے ہزاروں سال کا بوجھ اٹھائے ہوئے یہ کتابیں زندہ سلامت ہم لوگوں تک پہنچ سکیں۔
 ان کتابوں میں اس عہد کے مختلف علوم و فنون کے ماہرین، واقع نگار اور ادیب اپنے دماغ
 اور انشا کا بہترین جوہر محفوظ کر گئے ہیں۔ علم ریاضی، طب اور جڑی بوٹیوں کے خواص، مذہبیت
 و الہیات، معبودوں کی حمد و ثنا، تعمیرات کی انجینئرنگ اور اُس عہد کے رسم و رواج، شاہوں
 کے کارنامے اور ان کی سوانح حیات۔ جنگوں اور فتوحات کے تفصیلی واقعات، شعری اور افسانوی
 ادب غرض قدیم مصری تہذیب کا بہت بڑا ذہنی سرمایہ پیرس پر لکھی ان بازیافت کتابوں
 میں ہے۔ مذکورہ علمی، ادبی سرگرمیاں اور پیرس پر کتابوں کا تخلیقی عروج 1400 ق۔ م
 تک وادی نیل میں جاری رہا۔

تیسرا باب

لکڑی کی تختیاں اور ریشم پر لکھی کتابیں

کتاب کی تاریخ کا تیسرا سب سے قدیم میدان مشرق بعید میں سرزمین چین ہے۔ یہ اس لحاظ سے ایک پراسرار سرزمین خیال کی جاتی ہے کہ اس کے بہت سے تاریخی حقائق عرصہ دراز تک پردہ راز میں رہے۔ چنانچہ کتاب کی تاریخ کے سلسلے میں بھی اس سرزمین کے منعلق بہت سی معلومات آج بھی نایاب ہیں اور سب سے قدیم چین کی جو کتابیں دستیاب ہوئیں۔ وہ 213 ق۔م سے بھی بعد کی ہیں جو ریشم پر لکھی گئی تھیں۔ لیکن ایسے ناقابل انکار قرآن بھی موجود ہیں جو وہاں اس سے کہیں زیادہ زمانہ پہلے سے تصنیف و تالیف اور کتاب کی تخلیقی سرگرمیوں کا یقین دلاتے ہیں۔ ان کی بنا پر محققین کا عام اندازہ یہ ہے کہ چین کی سرزمین پر فن تحریر کا وجود تین ہزار سال ق۔م سے ہونا یقینی ہے۔

قدیم چین سرزمین علم و دانش

زمانہ تین ہزار سال ق۔م سے دو سو تیرہ ق۔م تک

چین میں ریشم سے پہلے اور چیزوں پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جاپانی ذرائع سے اور سرزمین چین سے جو دھندلے مٹے مٹے تحریری نشانات بہت قدیم زمانے کے ملے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے ہڈی، کچھوے کی پشت کے کپڑوں اور بانس کے چوڑے چوڑے پتھروں پر لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد لکڑی کی تختیوں پر لکھائی کا چین میں بہت طویل دور چلتا رہا۔ لیکن 213 ق۔م میں چین کے شہنشاہ چین۔ تین شی ہوانگ کے حکم سے نہ صرف وہاں کی لکڑی کی تختیوں پر لکھی تمام کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نذر آتش کر دی گئیں بلکہ ان کے ساتھ بہت سی ایرانی اور ہندوستانی کتابیں بھی جو اس سرزمین پر جمع کی گئی تھیں تلف ہو گئیں۔ چین کی تحریری قدامت کا اندازہ ان کی تہذیب کی دوسری قدیم

نشانوں سے ہوتا ہے۔ ان کے چینی کے برتن، کتان اور ریشم کا کپڑا، ترقی یافتہ آلات، ادویہ اور کیمیاوی نسخے، نقاشی اور مصوری کے اعلانوں نے یہ سب سامان بہت قدیم زمانہ کا پایا گیا جو سال دو برس یا دو چار سو برس میں نہ بن سکا ہوگا۔ اس کے لیے دو تین ہزار سال کی محنت اور مسلسل تجربات کام میں آئے ہوں گے جس سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں تحریر کا فن بھی ضرور آج سے بہت زمانہ پہلے وجود میں آ گیا تھا۔ 1900ء میں زیچوان کے مقام پر بہت سی دوسری تحریروں کے ساتھ ریشم پر لکھا ایک کتبہ (Diamond Sutra) یا جو اہرڑی سے موسوم ایک مندر کی دیواروں کی بنیاد میں مدفون ملا جو 868ء کا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے کتبے بہت قدیم زمانے کے ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین ان نمونوں کے مطالعہ سے چین میں لکھائی کی ابتدا کا تین ہزار ق۔ م کے آس پاس اندازہ کرتے ہیں۔

چین کی سب سے قدیم تحریریں ہڈی پر لکھی ہوئی ہونان سے برآمد ہوئیں۔ یہ لکھائی کی ابتدائی شکلیں ہیں اور مکمل تصویری علامات کے ذریعہ ان کے حقیقی معنی کا اظہار کرتی ہیں۔ آگے چل کر چین کا تصویری خط (Pictography) بتدریج تصویری خط (Idiography) بنتا گیا جو بالآخر ایک زمانے میں مکمل تصویری علامات کے ایک باقاعدہ کتابی رسم خطی صورت مستقلاً اختیار کر گیا۔ مکمل تصویری خط بن جانے کے بعد چین کے لیے برخلاف دیگر اقوام کے اپنے تصویری انداز تحریر کو بدلنا اور دوسری قوموں کی طرح الفبائی (Alphabetic) یا (Phonetic) صوتی حروف میں اپنی لکھائی کے فن کو ڈھالنا ممکن نہ ہو سکا۔ چنانچہ وہاں جو تصویری خط ہزاروں برس سے چلا آرہا ہے آج بھی بدستور کارگزار اور مقبول ہے۔

چین میں ریشم پر لکھی اور چھپی کتابیں ایک زمانے میں اس قدر مقبولیت حاصل کر گئی تھیں کہ ان کے علم و ادب اور تمام ذہنی تخلیق کار ریشم کے ساتھ ایک فکری اور گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ایک زمانے میں ان کے ہر مفکر کے خیالات ریشم کی طرح نرم و نازک تصور ہوتے تھے۔ چین کی ان ریشمی کتابوں کی تمام دنیا میں بڑی عزت و شہرت تھی۔ وہاں کے علما حکما، شاعر اور ادیبوں کی ہر عہد میں اتنی کثیر تعداد دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے چین میں سب سے بڑی تعداد میں کتابیں ریشم پر لکھی گئی ہوں گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکڑی کی تختیوں پر بھی چین میں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں۔

چین میں سب سے اعلیٰ تصانیف اور کتاب سازی کا زمانہ پانچ سو ق۔ م کا ہے جب چین کے عظیم مفکر اور مصنف لاؤ-تزی (Lao Tze) کی سرکردگی میں بہت بڑے پیمانے پر کتابیں لکھنے کا کام ہوا۔ وہ چین کے شاہی دفاتر کتب کے مہتمم اعلا کے عہدے پر مامور تھا۔ اس کے علاوہ شہرہ آفاق فلسفی کنفیوشس کے خیالات کا قیمتی سرمایہ جس کا زمانہ پانچ سو اکیاون تا چار سو اسی ق۔ م کا ہے۔ نیز اس دور کے دوسرے مصنفین کی کتابیں ایران اور ہندوستان کا بہت قیمتی علمی سرمایہ جو وہاں کے حکمرانوں نے چین میں محفوظ کرایا تھا جس کی تفصیل ایران و ہندوستان کے باب میں ہے۔ یہ تمام کتابیں شی۔ ہوانگ ٹی نے جلو ادیں اور جلد ہی اس کی حکومت کا بھی خانمہ ہو گیا۔

اس کے بعد چین میں ریشم پر کتابیں لکھنے کا زمانہ آیا جو دو سو چودہ ق۔ م یا اس کے کچھ برس بعد شروع ہوا اور 105ء اور کچھ زمانہ آگے تک چلتا رہا۔ اس زمانے میں چین کے قدیم عالموں اور دانشوروں کا جو قیمتی سرمایہ جلنے سے بچ رہا تھا، خصوصاً کنفیوشس اور گوتم بدھ کی تعلیمات، ان کی تلاش و جستجو کی جانے لگی۔ جس قدر مل سکا اس کی ترتیب و تدوین میں ملک کے تمام علما اور حکما نہایت سرگرمی سے مصروف ہوئے اور تقریباً ایک صدی تک قدیم علم و ادب کی تلاش و تحقیق کچھ نیم سوختہ گتے چوٹی نسخوں اور کچھ شخصی یادداشت کے ذریعے ہوتی رہی۔ اور قدیم چیزیں جیسے قیسے از سر نو لکھی جاتی رہیں۔ پس چین کی بہت قدیم کتابوں کی تحقیق میں دشواری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تحریریں ہزاروں برس بعد کے زمانے میں بوقت تمام تلاش کر کے جن چیزوں پر منتقل کی گئی تھیں جب عہد جدید کے محققین نے برآمد کیں تو وہ ان کے اصل زمانہ تصنیف سے بہت بعد کے زمانے کی نشان دہی کرتی ہوئی پائی گئیں۔ 1900ء میں زیچوان کے مقام پر جو (Diamond Sutra) جو اہر لڑی کھود کر برآمد کی گئی اس کی لکڑی کے ٹپوں سے خوشنما چھپائی کا زمانہ 868ء تحقیق ہوا، اسی طرح تبت کے قصبہ لوپ نور اور ترکستان کے تن ہوانگ مندر سے 200ء کی کاغذ پر تحریریں ملیں یا کہیں کتاں اور ریشم پر پہلی دوسری صدی ق۔ م کی لکھی کتابیں ملیں۔ ان کی اصل تصنیف کی تاریخی تحقیق کسی طرح ممکن نہیں اور یہ پتہ چلانا سخت دشوار ہے کہ پہلی بار یہ تحریر کس چیز پر کن حروف میں وجود میں آئی تھی۔ ریشم کے بعد چین میں کاغذ پر کتابیں لکھی گئیں۔ کاغذ کی ایجاد بھی چین کا کارنامہ ہے۔

چینی خطاط

اُن کے کاتب بانسی کی باریک نوک کے قلم سے یا اونٹ کے بالوں کے برش سے نفیس دیدہ زیب نیم تصوری طرز تحریر کی خطاطی نامعلوم زمانے سے کرتے آئے ہیں۔ پوری کتاب میں عبارت کے دوش بدوش خوبصورت تصویریں مرفعہ ریشمی کتابوں کے حسن کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ روشنائی و ارنش کے درخت سے حاصل کیے ہوئے ایک سیاہ لیسدار مادے سے تیار کی جاتی تھی۔ لکھائی کا طرز قدیم کتابوں میں داہنے سے بائیں جانب اوپر سے نیچے کھڑی سطروں میں لکڑی کی تختیوں پر بھی تھا اور ریشم کے پارچوں پر بھی رہا۔ بلکہ کاغذ کے تختوں پر زمانہ حال تک یہی انداز دیکھنے میں آیا۔ ریشم پر لکھی کتابوں کے پارچے مہری پیرس اسکروں کی طرح دو خوبصورت ترشے ہوئے چکنے چوبی رول کے ذریعے کھولے اور لپیٹے جاتے تھے جو پارچوں کے دونوں سروں پر جڑے ہوتے تھے۔ یہ ہاتھ کی خوبصورت لکھائی دوسری تیسری صدی عیسوی میں چوبی ٹھپوں میں اپنا نقش جما کر ریشم پر اور پھر کاغذ پر چھپی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد چین میں کتابوں کی ایک نئی تکنیک وجود میں آئی۔ انھوں نے کتاب چھاپنے کا فن اختراع کیا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی تک چھپائی کو بہت فروغ ہوا۔ انھوں نے اس زمانے میں بکثرت کتابیں چھاپیں جب دنیا کے دوسرے حصوں میں لوگ اس فن سے نا آشنا تھے۔

جاپانی تحریر

جاپان نے تحریری علامتیں اور فنی انداز، لکھائی کا سامان، تصنیف و تالیف کی روایت اور کتابوں کا بیشتر مواد بھی چین ہی سے لیا ہے۔ وہ چینی تہذیب سے اس قدر قریبی رشتہ رکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ بعد میں چینی علامتوں سے مختلف اپنے حروف و طرز کی تحریر کے بنا چکے تھے اور چین کی تصوری علامتوں سے ایک منزل آگے صوتی علامتوں اور رکن تہجی کے حروف تک کبھی کے پہنچ چکے تھے پھر بھی وہ اکثر اپنے خط میں چینی علامتیں اب بھی استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کو چینی زبان سے بالکل مختلف جاپانی زبان میں بول کر ادا کرتے ہیں۔ جاپان کے موجودہ خط نے تیسری صدی ق۔ م میں بودھ چینی مبلغوں کے

ذریعہ جنم لیا۔ ابتدا میں تقریباً سب ہی معنوی علامتیں چینی تھیں جن میں بہ تدریج تبدیلی ہوتی گئی۔ وہ چینی تحریر کی طرح کھڑی سطروں ہی میں لکھا کرتے تھے۔ بہت بعد میں داہنی سے بائیں یا بائیں سے داہنی بیڑی سطروں میں لکھانی کا عام طرز اختیار کیا گیا جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ جاپانی خط رکن تہجی کی منزل میں ہے انھوں نے آٹھویں نویں صدی عیسوی میں دو رسم خط کتاگانا اور ہیروگاما ایجاد کیے۔ اول الذکر سرکاری کاموں، علمی تصنیفوں اور دفتری تحریروں میں مستعمل ہے۔ اس کی سینتالیس بنیادی علامات ہیں۔ دوسرا ہیروگاما اخبارات نادلیں اور روزمرہ کے نجی کاموں میں استعمال ہوتا ہے اس کی بھی سینتالیس علامتیں ہیں۔ لیکن مختلف طریقوں سے متبدل کر کے تین سو تک پہنچ جاتی ہیں۔

جاپان کی طرح تبت، برما، سیام، انڈوچائنا، وغیرہ تمام جنوب مشرقی علاقے کی تہذیبوں کے رسم خط چینی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اشوک کے زمانے سے ہندوستانی حروف بھی ان علاقوں میں نشوونما پا کر ایک نئے رسم الخط کی شکل میں ابھرنے لگے۔

چوتھا باب

وادی سندھ - پتھر کی چھوٹی چھوٹی کتابیں

میسوپوٹامیا، مصر اور چین کی طرح وادی سندھ بھی ایک بہت قدیم تہذیب و وجود میں لانے والی سرزمین ہے۔ لیکن اول الذکر دو تہذیبوں کی طرح اس تہذیب پر ابھی تک بہت زیادہ تحقیقی کام نہیں ہوا جس کی وجہ سے ان کی تحریر کے بہت سے رموز سربستہ راز ہیں۔ اس تہذیب کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہوئی ہیں بہت قلیل ہیں خصوصاً ان کے کتبے جو چھوٹی چھوٹی چکنے پتھر کی تعویذ نما تختیوں پر ملے ہیں۔ بڑی الجھی ہوئی متنصا دجشوں کا طویل سلسلہ ہیں۔ ہندوستان کی دو قدیم تہذیبیں دراوڑ اور انڈو یورپی نسل کے آریا کے بادیگرے آج سے چار ہزار برس پہلے وجود میں آئیں۔ لیکن وادی سندھ کی موہنجو دڑو تہذیب ان سے ایک ہزار سال پہلے تھی۔ اس طرح وہ دنیا کی تیسری یا چوتھی سب سے قدیم تہذیب ہے۔ عراق، مصر اور چین کی طرح وہاں بھی تصویری خط سے لکھائی کی ابتدا ہوئی۔ کچھور کے پتے، لکڑی کی تختیاں، سوتی کپڑے اور کماے ہوئے چمڑے پر بھی لکھائی کے آثار پائے گئے لیکن نشانات اس قدر دھندلے اور مٹے ہوئے تھے کہ ان کی شکلیں نظر نہ آسکیں۔ البتہ مہریں اور تعویذوں کے خاص قسم کے چپٹے چوکور پتھر پر بنے ہوئے نقوش بخوبی واضح شکلوں اور علامتوں میں ہیں لیکن ان کے معنی پورے طور پر نہیں پیدائے جاسکے پھر بھی کچھ مہریں کسی حد تک پڑھ لی گئی ہیں۔

قدیم سندھی خط

ان تحریری نشانات کی صحیح تعداد بھی ابھی نہیں معلوم کی جاسکی۔ ڈاکٹر جی۔ آر۔ سنہاڑ

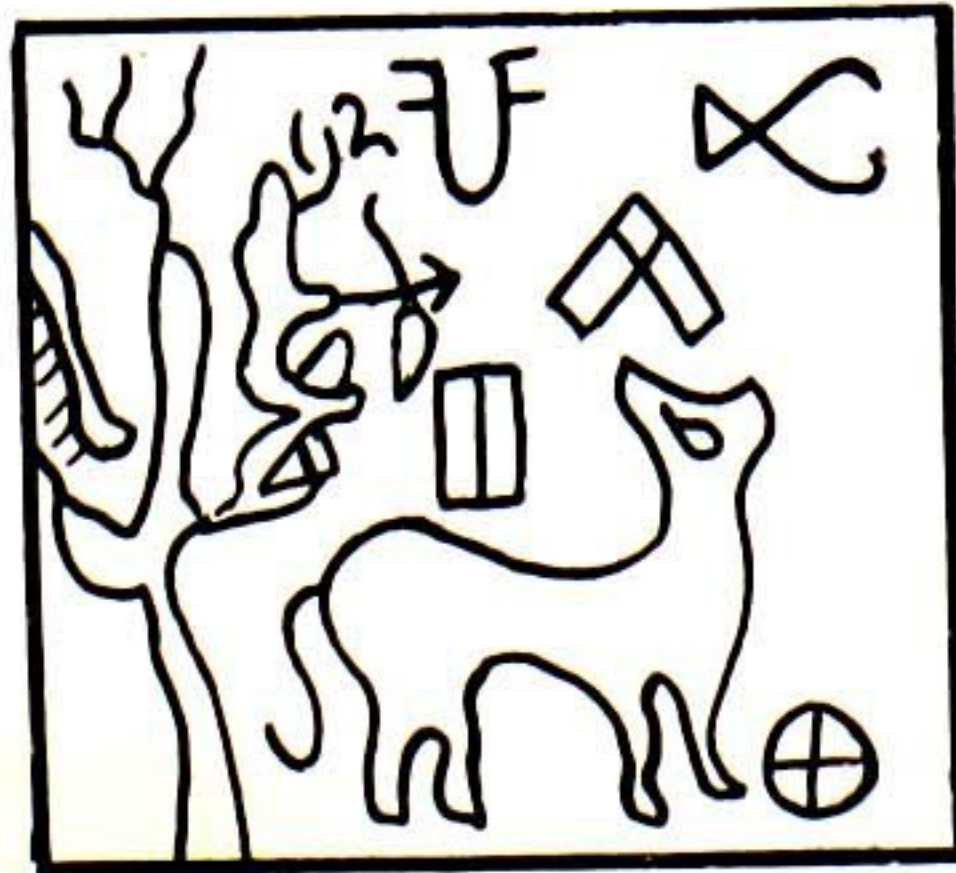
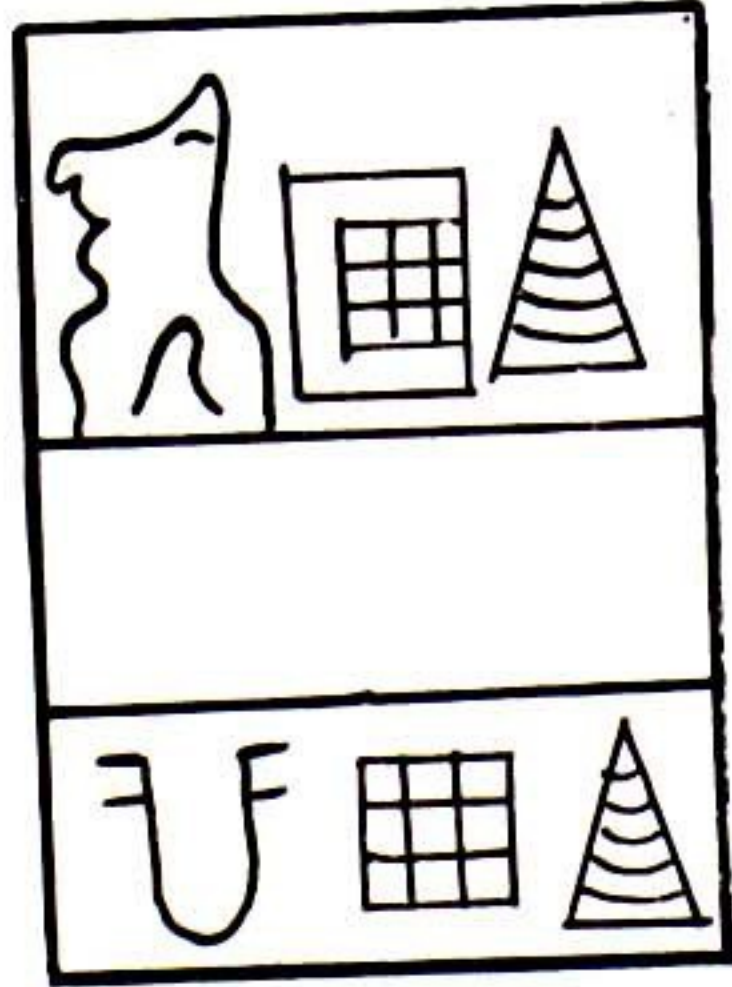
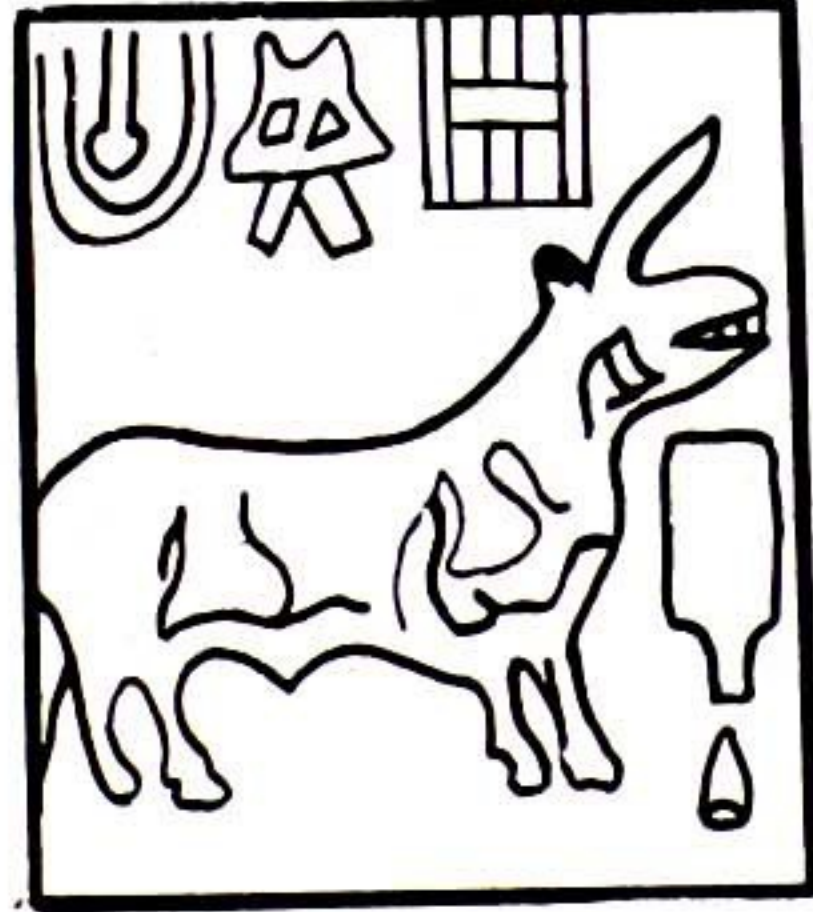
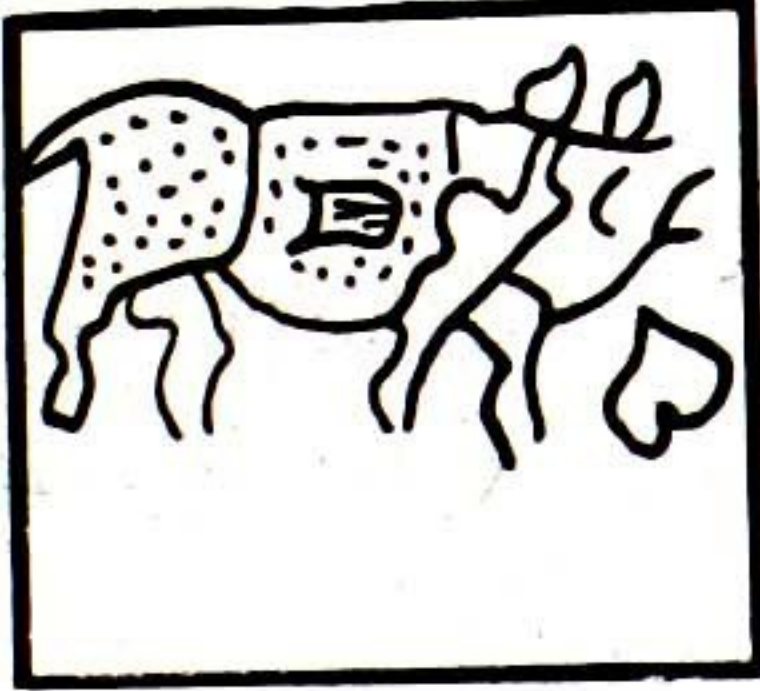
نے ان کی تعداد دو سو تریپن بتائی ہے۔ پروفیسر اسٹیفن، لنگڈن دو سو اٹھاسی بتاتے ہیں۔ سی۔ جے۔ گڈ اور سڈنی اسمتھ نے تین سو چھیانوے تک شمار کر لیں اور اسٹوارٹ پگٹ نے چار سو کا انکشاف کیا ہے۔ مرجان مارشل نے اپنی کتاب ”موہنجوداڑو اور سندھ تہذیب“ میں موہنجوداڑو کی پانچ سو تعویذی تختیوں کے نوٹ چھاپے ہیں۔ ان کی تحریریں عموماً دائیں سے بائیں طرف چلتی ہوئی سطروں میں ہیں۔ کہیں بائیں سے دائیں، کبھی سطر دائیں سے بائیں جا کر بل چلانے والے بیلوں (Boastrophedon) کے طرز پر بائیں سے دائیں طرف لوٹتی ہیں۔ سندھ کے تحریری نشانات قدیم ایلمی خط سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں جو خوزستان جنوبی ایران کی سرزمین سے پیدا ہوا تھا۔ اور سمیریہ، کربلا، مہر کے ابتدائی خط سے بھی بعض علامتوں میں یکساہنت رکھتے ہیں۔ سمیری خط کے اکثر نشانات قدیم سندھی خط سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ سمیری خط کے ذریعہ ڈاکٹر ایل۔ اے۔ ویڈل نے نہ صرف سندھ کی کچھ مہریں پڑھیں بلکہ وادی سندھ کو ایک سمیری آبادی سمجھنے لگے۔ اس کے بارے میں طرح طرح کے نظریے قائم ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وادی سندھ کی تہذیب نہ صرف آریوں سے بہت پہلے کی ہے بلکہ مہروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ماقبل دراوڑ ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ ہندوستان کی موجودہ دراوڑی زبانیں اسی سے بنی ہیں۔ بنارس یونیورسٹی کے ڈاکٹر پیران ناتھ نے وادی سندھ کے خط کو الف بانی حروف کا رسم خط Alphabetic Letters قرار دیا اور براہمی حروف کی جھلیکیاں اس میں دریافت کیں۔ انھیں مہروں پر دیوی دیوتاؤں کے نام گوشنکر وغیرہ مل گئے۔ سمیری قوم میں ہندوستان کی قدیم روایات اور تانترک مذہبی رشتے بھی انھوں نے سندھ کی ان چھوٹی چھوٹی تعویذی تختیوں کے ذریعہ ڈھونڈ لیے اس لیے کہ بعض مہروں پر انھوں نے سمیریہ کے شہر کش اور کہیں ان کے مشہور حکمران سارگون کا نام پڑھ لیا۔ جس سے سمیری قوم کو آریائی نسل سے ثابت کر دیا۔ شریس، نر اور ہری کو سوراشر کے

1 Indo Sumerian Seals Deciphered by L.A.Vaddell
London 1925

2 Studies In Proto Indo Meditteranean Cultures
by Rev. H. Heras Vol. I Bombay 1953

راجہ اور ہندوستان سے بحر روم کے ساحل تک بشمولیت عراق ان کی حکومت کا پتہ چلا لیا۔ جب کہ پاکستان کے مولانا ابوالجلال ندوی نے وادی سندھ کی پندرہ سو مہریں پڑھ لینے کا دعوا کیا ہے اور یقین کرتے ہیں کہ قدیم سندھ کی زبان عربی اور رسم خط جنوبی عرب کے سب اور معین کی اجداد سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ سندھی مہرنویسوں کو عرب کا تبا ثابت کرتے اور چھوٹی چھوٹی لوگوں کو قدیم سندھ کی درسی کتابیں بلکہ تعلیمی کارڈ بناتے

ہیں۔



وادی سندھ کی ان تعویذی لوگوں اور مہروں کے کچھ نمونے

ان پُر اسرار تحریروں کے صحیح طور پر زمانے کا بھی تعین نہیں کیا جاسکا اور نہ پورے طور پر ان کا مفہوم معلوم ہو سکا ہے۔

ایلمی خط

سمیری اور مصری تہذیب کے زمانے سے قریب ہی ایلمی تہذیب کی نشوونما ہوئی۔ خلیج فارس کے شمالی مشرقی علاقے کو قدیم زمانے میں ایلم کہتے تھے۔ بعد میں اس کا نام خوزستان پڑ گیا۔ ایلم کارار السلطنت شوشا تھا۔ زمانہ قدیم میں یہاں ایک تصویریں خط رائج تھا۔ جس میں کئی سونلشانات مستعمل تھے۔ اس کی لکھائی کو بھی پوری طرح نہیں پڑھا جاسکا۔ یہ سمیری خط سے قریب ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تحریروں کے صرف نو کتبے پتھر پر دستیاب ہوئے ہیں اور کئی سومٹی کی تختیوں پر۔ جن کا زمانہ تین سو ق م تک کا ہے۔

اسی طرح کا ایک بہت قدیم خط کریٹا کا ہے۔ یورپ میں پہلا متمدن خط کریٹا ہے جو زمانہ مصر و عراق کے قریب ہی ابھرنا شروع ہوا۔ تین ہزار ق م میں کالسی دھات کے دور میں اس کی تاریخ کی ابتدا ہوئی۔ 1600 ق م سے 1100 ق م تک کریٹا کے تہذیبی عروج کا زمانہ ہے۔ یہ ایجین یا مینوں تہذیب سے موسوم ہے۔ اس کی تہذیب بحر ایجین کے جزیروں میں محدود رہی۔ اس کے آثار قدیمہ میں ناسس کا محل ہے 2000 ق م سے 1900 ق م تک مکمل تصویریں خط تھا جس کا ماخذ مصر کا ہیرو غلیفی ہے۔ تصویریں خط کے بعد یہ اپنے آس پاس کی تہذیبوں سے ایک ترقی یافتہ رسم خط کا خیال حاصل کرتے رہے۔ کریٹا مصر سے اور ایلم سمیرا سے بہت دور آگے تک متاثر رہا۔ پھر اس نے یونان سے حروف ابجد حاصل کیے اس کا زمانہ 1200 ق م ہے۔

پانچواں باب

قدیم ایران و ہندوستان کی کتابیں

ایران

ایران میں لکھائی کی ابتدا کا پتہ چلانے کے لیے اس وقت تک جس قدر تلاش و تحقیق کی گئی ہے اس میں سب سے جدید دریافت ”مار لک ماند“ کی کھدائی سے حاصل شدہ کچھ اہم دستاویزی ثبوت پر مبنی ہے۔ ”مار لک ماند“ سے پیکانی حروف (۲۲) میں جو مکتوبات ملے ہیں، ان کے بارے میں موسیو جارج کیمرون، ماہر السذ قدیم و پروفیسر مشیگن یونیورسٹی نے غائر مطالعہ کے بعد رائے قائم کی ہے کہ ان کا زمانہ تحریر تقریباً دو ہزار برس ق۔م کا ہے۔

عربی مورخ ابن ندیم اپنی الفہرست میں ’رزب فارسی‘ (تصنیف ابن مقفیہ کے حوالے سے رقم طراز ہے کہ قدیم ایرانی سات قسم کی تحریریں استعمال کرتے تھے (۱) دین دبیریہ جس میں ’اوستا‘ مقدس مذہبی کتاب لکھی گئی (۲) ’وش دبیریہ‘ جس کے ذریعہ مختلف آوازیں اور ان کے اتار چڑھاؤ امرئی شکلیں اور ان کے رنگ خوابوں کی تاویلات اور تعبیریں احاطہ قلم میں لائی جاتی تھیں (۳) گشتاک (دبیریہ کی تیسری قسم) میں صلح کے معاہدے، شاہی فرمان، مہر اور سکوں پر کندہ کی جانے والی عبارتیں ہیں۔ دفتری کام اور امور انتظام بھی اسی خط میں قلم بند ہوتے تھے۔ (۴) پارہ گشتاک یا نیم گشتاک؛ اٹھائیس حروف تہجی سے وضع کیا ہوا ایک رسم خط تھا جس میں طب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی کتابیں لکھی جاتی تھیں (۵) شاہ دبیریہ جو شاہی خاندان کی مکتوبات کے لیے مخصوص تھا (۶) ازاسہری وہ طرز تحریر جو دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے میں مستعمل تھا۔ (۷) ازاسہری

ایک نقطہ دار خط تھا جس میں علوم حکمت کے رموز تحریر ہوتے تھے جن کو عام لوگوں سے راز رکھنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ خط بڑے بڑے علماء شاہی حکما اور راز داران خسروی تک محدود تھا۔ اس خط میں کچھ تحریریں سونے چاندی کی تختیوں پر نقش کی گئی تھیں، جو آریمنہ دارائے دیم کے زمانے کی قائم کردہ، قہر پرسی پولس کی بنیادوں سے دستیاب ہوئیں۔

ایران کی زبان اور کتابی ساز و سامان کی طرح عہد عہد میں حروف بھی نئی شکلیں اختیار کرتے رہے۔ ایران کے سب سے قدیم حروف صوتی علامات کی پیکانی یا مسماری شکل میں تھے۔ یہ حروف حتیٰ اور ایلمی صوتی حروف کی طرح بابل کے خط سے بہت مرتبہ رشتہ رکھتے تھے۔ بابل اور آشوری سلطنتوں کے زوال پذیر ہونے پر 539 ق۔م میں کینخسرو (Cyrus) نے جب بابل فتح کیا تو کیونی فارم (میخی یا پیکانی) خط کو بھی زوال ہوا۔ اُن کا استعمال روز بروز کم ہونے لگا اور فینقی بانیس حروف تہجی کا الف بانی طرز تحریر مقبول ہونے لگا۔ کیونکہ وہ لکھنے میں مقابلتاً آسان اور مختصر رسم خط تھا۔ تاہم میخی خط ایران میں سن عیسوی کے آغاز تک خال خال پایا جانا تھا۔ اس کا آخری کتبہ 38ء کا تحریر شدہ میونخ کے میوزیم میں ہے۔

بعد میں فینقی خط کی شمالی سامی شاخ آرامی خط سے پانچ سو اور چھ سو ق۔م کے درمیان ایک کھروشی خط "وجود میں آیا۔ اس کے کسی نام ہیں، انڈوبیکٹرین (باختری) یا آرین بیکٹرین۔ اس نے ایران کی تحریروں میں دخل پایا اور اس کے توسط سے ہندوستان کے ایرانی مقبوضہ علاقے میں رسائی حاصل کی۔ جہاں اس نے بڑی وسعت اختیار کی۔ اس کا نام شمالی مغربی ہندی، کابل، اور گندھاری لپی بھی پڑتا گیا۔ فنیقیوں کے بعد آرامی ہندی اور ان کے طرز تحریر کو بھی بہت فروغ ہوا۔ ایران کا پہلی خط دوسری تیسری صدی ق۔م میں ایجاد ہوا یہ آرامی کی ارتقا پذیر شکل ہے۔ اس سے ایک صدی قبل اولیتانی خط شا پورا اول کی ایما سے دانشور مارگی نے آرامی خط سے پیدا کیا تھا اور زردشت کے صحیفہ اوستا کو ازسرنو مدون کر کے اسی رسم خط میں تحریر کیا تھا۔ 216ء میں مانوی خط بھی آرامی خط سے وجود میں آیا۔ جس میں مانی نے اپنے صحیفہ ارژنگ کی تصنیف کو فلمبند کیا۔ ایران کی کتاب کی تاریخ میں مانی کا نام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ارژنگ کے سات حصوں میں سے چھ حصے سریانی رسم خط میں اور ایک پہلی میں بھی تحریر کیا گیا۔ ایران کا ایک سو گدی خط بھی ہے جو آرامی سے پیدا ہوا۔ اور آخر میں ایران نے عربی خط اختیار کیا جو اب تک وہاں مروج ہے۔

لکھائی کے ساز و سامان میں جو ایشیا قدیم ایران میں مستعمل تھیں ان کے بارے میں محمد بن اسحاق المعروف بہ ابن ندیم عہد مامون رشید کا نامور مورخ لکھتا ہے کہ ایرانیوں نے سب سے پہلے اپنے خیالات پتھر پر نقش کیے، پھر بتدریج ترقی کرتے ہوئے دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ مٹی کی تختیاں، چاندی سونے کی لوحیں، چرمی تختے (گائے بھینس، بکری وغیرہ کی کھالیں) اور آخر میں درخت حور کی چھال (Poplar bark) کے تختوں پر لکھائی کرتے ہوئے وہ کاغذ تک پہنچے تھے۔ حور کی چھال کو وہ تڑکتے تھے۔ قدیم ایران میں کاغذ کی صنعت وجود میں آنے سے پہلے کافی مدت تک تڑکا دور دورہ ایران میں رہا۔ قصر اپادنا میں بہت بڑی تعداد میں چوہی اور سنگی لوحوں پر نقش کی ہوئی کتابیں تھیں۔ جن کو سکندر والی مقدونیہ نے تباہ و برباد کر دیا۔ تڑکھنایت پائیدار اور لچکدار چیز تھی جس پر لکھی ہوئی کتابوں کو ہزاروں سال تک گلنے سڑنے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس کو سیلن سے محفوظ رکھنے کا طریقہ بھی انھوں نے دریافت کر لیا تھا۔ کتاب لکھنے کا یہ پائیدار اور ارزاں وسیلہ نہ صرف ایران کی تہذیب میں مقبول ہوا بلکہ ایران سے آگے بڑھ کر دوسرے ملکوں پر بھی کافی اثر انداز ہوا۔ چنانچہ قدیم ہندوستان اور چین نے بھی ایک زمانے میں اسے ایران سے حاصل کیا تھا اور اس پر اپنے علوم و حکمت کے خاص قیمتی نسخے محفوظ کیے تھے۔ تڑکا اس قدر مضبوط لچکدار شے تھی کہ اسے کمان بنانے میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ایران میں بہت بڑے پیمانے پر کتابوں کا سراغ بادشاہ صخا کے زمانے سے ملتا ہے۔ جس کا بہت تفصیل کے ساتھ ابن ندیم نے سہل ابن نبختی ایرانی کی تصنیف "متن فی معرفت الطالع الانسان" کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد شاہ طہر شاہ کے زمانے میں بکثرت کتابیں لکھی جانے کا مستند تاریخی حوالہ ملتا ہے طہر شاہ علم دوست اور علما کا بہت بڑا مرتبی تھا۔ اس کے زمانے میں مختلف علوم پر خصوصاً علم نجوم پر قیمتی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو گیا تھا کہ اسے آنے والی آفات و حوادث سے محفوظ رکھنے کا ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش تھا۔ اس عہد کے بہت مشہور دینی پیشوا اور عالم زور و ستر کا پتر چلتا ہے جو بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ اس عہد کی بے شمار کتابوں میں ایک سب سے زیادہ شہرت گیر کتاب حضرت ادوار کا تذکرہ بہت سے مورخوں نے بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ قدیم ہندوستانی اور کلدانی علمائے اس کے ذریعہ ہفت سیارگان The Seven Planets of the Sun کے عمل گردش کا حساب لگا کر اس کی مدار سے زاچہ کلیات تیار کیا تھا۔ جسے تمام زاچوں کا

شاہکار قرار دیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں ایران کے ایک بہت بڑے عالم حکیم جاماسپ کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور وہ بھی بہت سی کتابوں کا مصنف و مواف تھا۔ ایران کی قدیم بلند پایہ کتابوں کا تذکرہ ابو معشر بلخی نے اختلاف الزجات میں کیا ہے اور مشہور ایرانی محقق حمزہ اصفہانی نے بھی سارویہ کو بان دیز کے کھنڈر سے برآمد شدہ کتابوں کے گھڑوں کا ذکر کیا ہے جو 340ھ میں ابو الفاضل آمد نے اصفہان سے عباسیوں کے دربار میں روانہ کی تھیں۔ مورخ ابن ندیم لکھتا ہے کہ اس نے چڑے پر لکھی ہوئی ایران قدیم کی کتابیں بحشم خود ملاحظہ کیں۔

ابو معشر اور حمزہ اصفہانی نے 'اکامینین' (Achaeminian) عہد کی مٹی کی تختیوں پر لکھی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو قصر اپادنا سے برآمد ہوئیں۔ اسی طرح دارلے عظم کے زمانے میں شش (سوسا) میں بڑے پیمانے پر تصنیف و تالیف اور ترجمے کا کام ہوا۔ قدیم مصری مذہب اور الہیات کے موضوع پر 'اوزا ہائیس نیٹی' فرعون کامبس (Cambysis) کی بھیجی ہوئی کتاب کا ترجمہ دارلے ایرانی زبان میں کرایا اور اسے سنگی لوح پر نقش کرایا جو اصطخر کے کھنڈر سے برآمد ہوئی۔ پارسیوں کے عہد میں اور شہر بانکاں شاپور اول اعلیٰ تعلیم یافتہ مہذب حکمراں تھا اس نے اور اس کے بیٹے شاپور دوم نے دوسری زبانوں سے علم و ادب کی بکثرت کتابوں کا پارسی میں ترجمہ کرایا۔ بعد کے زمانے میں ابن ندیم نے نو شیرواں عادل (خر و اول) کے دور میں پہلوی سے سنسکرت میں اور سنسکرت سے پہلوی میں بہت سی کتابوں کے ترجموں کا ذکر کیا ہے جن میں پنج تنتر (کلیدہ دمنہ) اور الف لیلا بھی مذکور ہیں۔ ساسانی دور میں چرمی و صلیوں پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں ان میں ارد شہر دویم کے طبیب خاص حکیم قتیاس نے پرسیا (Persia) ایک کتاب چرمی تختیوں پر تحریر کی اس کا زمانہ تصنیف 389 تا 410ء کے درمیان ہے۔ یسناپور داؤد صفحہ 81 تا 110 پر جن کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں (1) رستا ختام۔ اسفند رات، اور (2) لہراسپ بھی ہیں جن کا عرب منتخب اللغات میں حوالہ ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن سے فردوسی نے شاہنامے کی مثنوی مرتب کی۔ (3) پیکار بھی ہے جس کا تذکرہ مورخ الذہب میں مسعودی نے التبعاش کے حوالے سے عرب بہ البیکار موسوم کر کے کیا ہے مسعودی نے ایک اور کتاب شکسیران کا ذکر کیا ہے جو اصل میں سکسیران کا عرب ہے جس کا مطلب

ساگا قبیلے کے سرداران سے ہے۔ یہ ساگستان میں ممکن تھے اور یہی رستم کا وطن سیستان ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ اولاً ابن مقفی نے کیا تھا۔ اس عہد میں فلسفہ، روحانی علوم اور شاعری و موسیقی پر بکثرت کتابیں تصنیف ہوئیں۔

مانی اسکول کی کتابیں

ایران میں ساسانی عہد کا شہرہ آفاق مصور مانی، جس کا نام فن مصوری میں ضرب المثل حیثیت رکھتا ہے، نہ صرف ایک باکمال مصور بلکہ بلند پایہ مفکر و مصنف اور بہت بڑا کتاب ساز تھا۔ اس نے اپنے نظریات ایران ترکستان اور عرب میں ترویج کیے۔ حدود عالم کے مطابق 372ء تک کثیر تعداد میں 'مانی شائین' فرقے کے لوگ سمرقند میں آباد تھے۔ اس شہر پران کا خاص اثر نفوذ تھا۔ وہاں ان کی ایک خانقاہ بھی تھی جو ناگوشاک سے موسوم تھی۔ عرب حملے سے تین سو چالیس سال پہلے اور تین سو ستر سال بعد تک مانی شائین لوگ مصوری اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں سرگرمی سے مصروف و منہمک تھے۔ مانی اسکول کی خصوصیت اس کی مصور کتابیں۔ اعلا خطاطی اور آرائش و جلاکاری کی طرف تھی جس سے اس فرقے نے کتاب سازی کے فن کو ایک جداگانہ مقام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مانی اسکول کو ساسانی عہد کے فنون لطیفہ میں مذاق اعلا اور درجہ کمال حاصل ہو گیا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالآخر انھیں پر یہ فن منحصر تھا۔ مانی اسکول کی تصویر کاری، مصور کتاب سازی اور خطاطی مستحکم بنیاد پر سلجونی عہد تک قائم تھی۔ بیرون ایران دور دور ممالک میں یہ فرقہ اس فن لطیف میں عرصہ دراز تک رہنمائی کرتا رہا۔

مانی پارتھین نسل سے تھا، ہمدان میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ پالکا کہلاتا تھا جو پاپک سے نسب ہے، ماں کا نام کاروسا تھا، وہ مشہور خاندان، کام سرکان سے تھی جو پارسیوں کا معروف عام گھرانہ تھا۔ مانی ایک بحث طلب مفکر اور فن کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض اسباب کی بنا پر اس کے اصول اور خیالات کے غلط معنی پہنائے گئے۔ پھر بھی کئی صدیوں تک اس کے فن کی مقبولیت کا دور قائم رہا۔ طرخام میں 'سام بسین' کے شمالی حصے کی کھدائی کر کے مانی کے بے شمار کارنامے

برآمد کیے گئے جنہوں نے اس گروہ کے متعلق زبردست معلومات فراہم کی ہیں۔ مانی کے فن اور اس کی تصانیف کے اوراق پانچ علاقوں میں خاص طور پر پائے گئے۔ (1) خوچو (2) یارخوتو، توپوق (3) کھنڈرات الفامور توق (4) سانی کام غار اور (5) من ہوانگ غار۔ ان کے علاوہ مارل باشی (آہوسار) ترکستان میں بھی مانی شائین مخطوطات پائے گئے یہ پارکھی زبان میں ہیں۔ مصر میں قبطنی مانی شائین تصانیف کے تین ہزار پانچ سو اوراق پیپرس پر ملے جو تاریخی مطابقت رکھتے ہیں۔ مانی کی خاص کتاب کا نام 'بولگا ہیگ' ہے۔ یہ پہلوی پارکھی میں ہے۔ اسے دوین نامک' بھی کہتے ہیں۔ یہ بائیس حصوں پر مشتمل ہے۔ طرحان سے اس کی ایک مکمل نقل دستیاب ہوئی۔ کتاب کی خطاطی اور مصوری کے فن میں مشرقی عظمت مغربی ذہن پر مانی کے دم سے اب تک قائم ہے۔

پہلوی زبان

ایران کی اعلیٰ تصانیف پہلوی زبان میں وجود میں آئیں۔ یہ زبان پارکھیوں کی پول چال سے بنی ہے۔ اس کی بولیاں دو طرح کی تھیں۔ سیٹ (Silt) اور ماد (Maad)۔ یہ دونوں بولیاں جنوبی ایران کی ہیں بولیوں سے شیر و شکر ہو کر پہلوی بن گئی۔ چینی مانی شین منن کے مطابق پہلوی یا پہلوانی کے معنی پارکھین کے ہیں۔ محققین کا نظریہ یہ ہے کہ پہلوی پہلوانی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا ذکر مہا بھارت میں آیا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ پارکھی 'مہر' یا 'متھرائی' قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں بھی گائے مقدس مانی جاتی ہے۔ ہند آریائی اور ایرانیوں کی نسلی وحدت کا منجھ اور بہت سے ثبوت کے ایک یہ بھی ہے۔

قدیم ہندوستان کا تحریر کی سراغ

ہندوستانی قدیم ادب اور فن تحریر کا سراغ آٹھ سو ق۔ م تک ملتا ہے۔ ابتدائی چار سو سال کا تحریری کارنامہ بھوج پتر پر ڈرتار کے پتوں پر لکھا جو کسی طرح ضائع ہو گیا۔ ہندوستان کی سب سے قدیم چار کتابیں ہیں (1) سام وید (2) اٹھوید

(3) بحر وید (4) رگ ویدان کے زمانے کا صحیح طور پر اندازہ کرنا دشوار ہے اس لیے کہ چین کی طرح ہندوستان کی یہ قدیم کتابیں بھی تحریری شکل میں تیسری چوتھی صدی ق۔م سے پہلے کی دستیاب نہیں ہوتی ہیں حالانکہ ان کی موجودگی کا علم اور ان کے اشلوک بہت زمانہ قدیم سے سینہ بہ سینہ چلے آ رہے تھے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ نے ان کتابوں کی عمر پندرہ ہزار ق۔م سے زیادہ تجویز کی ہے۔

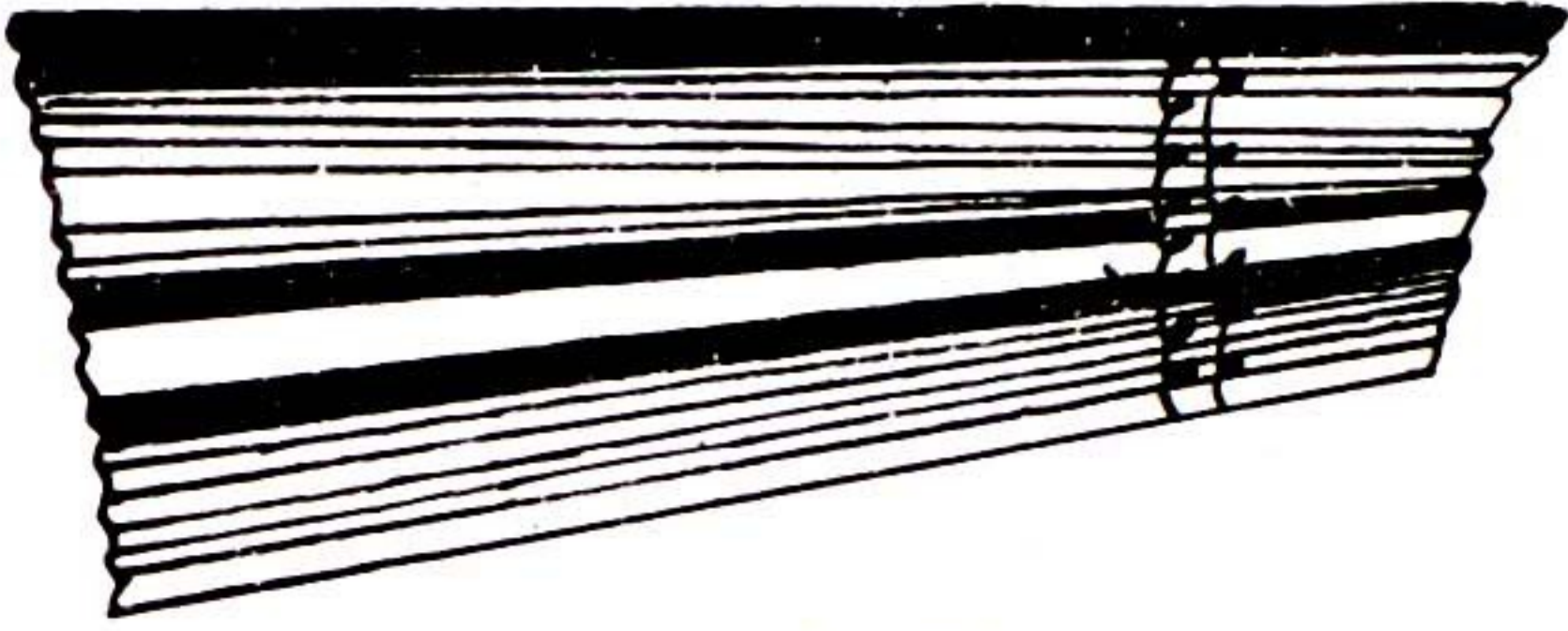
برہمی خط

اس خط کے کچھ ایسے تحریری نمونے ملے ہیں جن کے زمانے کا صحیح طور پر تعین کرنا دشوار ہے۔ اشوک اعظم سے پہلے تحریری آثار پیرا و امقام (نیپال) علاقہ افغانستان کے کچھ ظروف پر نقش پائے گئے۔ یہ قدیم ترین تحریر مانی گئی ہے جس کا زمانہ آٹھ سو سال ق۔م خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چار سو سال کے نشانات گم شدہ ہیں۔ مقام سوگندھ دگور کھپور اسے تانبے کی ایک تختی پر جو تحریر ملی وہ چوتھی صدی ق۔م کے نصف آخر کی ہے۔ مہاستھان میں کچھ سنگی کتبے برآمد ہوئے۔ کچھ اسناد سکے ایک کتبہ ایران کے ایک موضع ساگر میں ملے۔ سکے پیرا نو دھم پالس (راجہ دھرم پال) نقش ہے۔ اس کی تحریر داہنی سے بائیں جانب چلتی ہے۔ یہ سب تیسری چوتھی صدی ق۔م کے ہیں۔ ہندوستان میں لکھائی کے فن کی کڑیاں تسلسل کے ساتھ اشوک کے زمانے سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کا یہ پہلا سمرات (شاہنشاہ) ہے جس کا عہد حکومت تیسری صدی ق۔م ہے۔ اس نے اپنی سلطنت میں جا بجا سنگی کتبے لٹھے اور پتھر کی لائیں نصب کرائی تھیں جن پر معلومات عامہ کے لیے اہم قوانین برہمی خط میں کندہ کرا دیے تھے۔

ہندوستان کی قدیم کتابیں

ہندوستانی علماء کا خیال ہے کہ برہمی رسم خط برہماجی کا بردار ہے جنہوں نے یورپی سریشٹی رپتی ہے۔ یہ لاکھوں برس پرانا خط ہے۔ بہر حال وید زمانہ قدیم میں جب بھی لکھے گئے ہوں وہ اولاً برہمی خط اور قدیم سنسکرت زبان میں جو قدیم پارہقی زبان سے قریبی رشتہ رکھتی تھی، بھوج پتر یا اس سے پہلے غالباً تار کے پتوں پر لکھے گئے۔ ان اوراق پر سو جا جیسے نوکدار قلم سے عبارتیں ابتدا میں داہنی سے بائیں جانب رواں سطور

میں نقش کی گئیں اور ان کو صفحہ وار مرتب کیا گیا تاڑکے پتوں کی دھجیوں پر لکھے ہوئے
 شلوک کی یہ سب سے قدیم ہندوستانی کتاب لکڑی کے نلکی نما خوبصورت چولنگلوں میں رکھ کر
 محفوظ کی گئی جب کہ پتیوں کے پچھلے سرے زنجیرے دار ڈوری سے بندھے تھے۔ مسٹر ڈگلس میک
 مرٹری نے اس قسم کی ابتدائی کتاب کی ایک تصویر اپنی کتاب میں دی ہے۔^(۱)



ہندوستان میں تاڑکے پتیوں پر لکھی ہوئی ایک قدیم کتاب

تہذیب کی ترقی کے ساتھ ان کتابوں کی شکل و صورت اور سچ دھج کچھ سے کچھ ہوتی گئی۔ پتوں
 سے بھوج پتر یعنی درخت کی چھاں کے بڑے تختیوں پر اور پھر تامب پتر یعنی دھات کی پلیٹوں
 پر یہ تحریریں عہد بہ عہد آگے بڑھتی گئیں۔ کچھ تصنیفیں اُس زمانے کی جب آریہ ویدک
 سنسکرتی پر استوار تھے۔ منی مرگ چھالا اور ڈھتے بچھاتے تھے، ہرن کی جھلی پر سینٹھ یا بانسی کے
 قلم چراغ کی کالک کی روشنائی سے لکھی گئیں اور سوتی پارچوں اور چین سے درآمد شدہ
 ریشم پر بھی تحریر ہوئیں۔ جب سمراٹ اشوک کے شہنشاہ چین سے ثقافتی رشتے قائم ہوئے
 اُس زمانے میں لکڑی کی تختیوں پر نقش کی ہوئی اہم علمی کتابیں چین سے آئیں۔ مگر یہ لکڑی کی
 تختیاں لکھائی کے لیے یہاں بچوں ہی تک محدود رہیں۔ ہندوستان میں بڑی بڑی علمی
 کتابوں کو لکڑی پر نقش کرنے میں سخت دشواریاں تھیں۔

سنسکرت زبان ، وید اور اس کی شرحیں اُپنیشاد اور پرالوں کی بکثرت
 تصانیف کی وجہ سے دقیق اصطلاحات کا گنجینہ بن گئی یا شاعرانہ نازک خیالی اور نکتہ آفرینی

(۱) Story of Book Printing, Publishing and

کی لہریں لیتی ایک مانسور و جھیل جو عوامی بول چال اور روزمرہ سے بہت دور ہو گئی تھی۔ لہذا عوام اس سے غیر مانوس ہوتے گئے۔ ان کے معنی مطلب کی ایک پراکرتی ایک ہزار ق۔ م ہی میں پالی بن گئی۔ یہ چھٹی صدی ق۔ م تک خالص عوامی زبان رہی پھر گوتم بدھ کے فلسفہ حیات اور اخلاقی تعلیمات کے لعل و گہر سے آراستہ ہونے لگی۔ بودھ نے اپنی تعلیمات کا ذریعہ بجائے سنسکرت اس عوامی زبان کو بنایا تھا۔ اس وقت سے تیسری صدی ق۔ م تک پالی انتہائی عروج تک پہنچ گئی۔ اشوک سمرات کا پایہ تخت پٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا اس نے بدھ مذہب قبول کر لیا۔ اور تمام سرکاری تحریری کام اور شاہی دفاتر پالی زبان میں ہو گئے۔ بدھ فلسفے کی بے شمار تصانیف اشوک اعظم کے زمانے میں ممالک غیر کی زبانوں میں ترجمہ کر کے بیرون ہند روانہ کی جانے لگیں اور اشوک کے سفیر چین، جاپان، ملایا، برما، سیلون۔ اور مشرقی جزائر کو کتا ہیں لے کر جانے لگے۔ اس فلسفے کے ساتھ ہند آریائی حروف اور رسم خط کی دور دور تک ترویج ہوئی جس سے جنوب مشرقی ممالک میں نہ صرف بدھ مذہب بلکہ ہندوستانی حروف کے ماخوذ رسم خط اب بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

بدھ مذہب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متن کی عبارت کو دلکش تصویر کاری کے ذریعہ واضح کیا جاتا تھا اس زمانے میں ایک مخصوص طرز کا فن مصوری ایجاد ہوا جس میں روح کی پاکیزگی اور مسرت کو نقش کیا جاتا تھا۔

چھٹا باب

صوتی حروف تہجی کی ابتدا (فنیقی قوم)

فنیقیوں کی تہذیبی انفرادیت

فنیقی قوم اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے منفرد اور قومی کردار کی دنیا میں بے مثال ہے۔ اس نے تاریخ میں ایسا مقام حاصل کیا کہ اُس کے عہد کی بہت سی تہذیبیں جو اس سے کہیں زیادہ عظیم و قدیم تھیں اس کی خوشہ چیں اور دست نگر ہو گئیں۔ بعد میں آنے والی قومیں اپنی تہذیبی ترقی میں اس کی مرہون منت ہیں۔ اس قومی کردار کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ شمالی سانی نسل کے ان لوگوں نے جب سے اپنی قومی تشکیل کی وہ کبھی جغرافیائی حدود میں پابند اور مقید نہیں رہے۔ بلکہ فنیقیوں کی تہذیب سے کسی محدود خطہ زمین کی وطنیت کا تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بجائے مشرقی اور مغربی یا ایشیائی، افریقی اور یورپین کے وہ ارضی انسان نظر آتے ہیں۔ زندگی کے بحر بے کنار میں ان کی بے تاب موجیں کتنے جزیروں کے ساحلوں کی مٹھی، اُن کی آب و ہوا اور مزاج فطرت کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی آگے بہتی چلی گئیں۔ بحر روم کے جنوبی مشرقی گوشے میں لبنان کے ایک چھوٹے سے علاقے سے یہ قوم ابھری، شروع ہی سے بلند حوصلہ، کشادہ دل، وسیع النظر، مہم جو اور بحری سیاحی کی مشائق تھی۔ لہذا اولاً انہوں نے بحر روم کا پورا چکر لگایا۔ جزائر کا، تیہج، سسلی، مالٹا اور چھوٹے بڑے بہت سے دوسرے جزیروں میں اپنی نوآبادیاں قائم کرتے ہوئے یہ آگے بڑھ گئے۔ بحرا ایٹلانٹک کی موجوں پر اپنے سفینے چلاتے جزائر برطانیہ تک پہنچے۔ پھر انہوں نے پورے براعظم افریقہ کا ساحلی چکر لگایا، جو شاید اقوام عالم میں اُن کا پہلا کارنامہ ہے۔ وہ محیط اعظم ہند میں داخل ہو کر بحیرہ عرب میں بڑھتے

چلے گئے حتیٰ کہ دریائے سندھ کے دہانے میں اپنے جہازوں کو اتارتے ہوئے، اوپر دور تک اندرون ملک میں رسائی حاصل کر لی۔

عرضِ فنیقی اپنے طولِ طویل سفر میں ہر قوم کے بہترین تہذیبی عناصر بہت کچھ دوسری تہذیبوں کو دیتے ہوئے، بے شمار قوموں میں اپنی تہذیب و معاشرت کے کبھی نہ مٹنے والے نشانات چھوڑتے رہے۔ جہاز رانی اور تجارت اُن کا پیشہ تھا۔ ان کے بندرگاہ ببلاس (Byblos) سے یونان کو مصر کا پیرس زمانے تک کتابوں کی تصنیف کے لیے ملتا رہا۔ ببلاس بحرِ روم کے ساحل پر ایک بہت بڑا تجارتی بندرگاہ تھا۔ اس بندرگاہ کے نام کی رعایت سے یونانی، مصری پیرس کو ببلوس BIBLOS کہنے لگے۔ اس کے اسکروں یا مکفوفے کو ببلیا کہتے تھے اور انجیل مقدس کا نام بائبل اسی لیے پڑ گیا کہ یونانیوں نے اس کا پہلا نسخہ ببلوس پر تحریر کیا تھا۔ اسی طرح ببلوگرانی، ببلو فائل، ببلو تھک، وغیرہ تمام یونانی اصطلاحات جو آج تک یورپ کی سب زبانوں میں مستعمل ہیں۔ فونیشیا کے بندرگاہ ببلاس سے رشتہ رکھتی ہیں۔

ہمارے موجودہ رسومِ خطِ فنیقیوں کی دین

فنیقیوں کی تہذیب نے نہ صرف اُس وقت تک یونان کو لکھنے کے لیے پیرس دیا کہ جب تک سکندر اعظم نے مصر فتح کر کے اپنے بندرگاہ سکندریہ کی بنیاد 331 ق م میں نہ رکھ دی، بلکہ 1500 ق م میں ان کو مکمل حروف تہجی الف بائی خط کے بھی دیے ہیں۔ یقیناً یہ فنیقیوں کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔ انھوں نے مصری خط یا قدیم مصری برتنوں پر بنی ہوئی لکیروں اور آشوری رسمِ خط کی بتیس صوتی علامتوں سے جن کے ساتھ سیکڑوں تصویری علامتیں شامل تھیں۔ صرف بائیس صوتی حروف تہجی کا رسمِ خط تیار کیا جس کے پہلے حروف کو فنیقی الف کہتے تھے اور دوسرے کو بیٹھ۔ بہت سے دوسرے تہذیبی عناصر کے ساتھ یہی الف بیٹھ کا رسمِ خط آرمیوں اور عبرانیوں نے اپنی زبان کے لیے اختیار کیا اور یونانیوں نے اسی الف بیٹھ سے اپنا الف بیٹھا جو بیس حروف کا بنایا۔ رومن قوم نے انہی حروف تہجی کو اپنا یا جو بعد میں سوائے روس پورے یورپ کا رسمِ خط بنانے میں کام آیا۔ بلکہ آرمیوں کے ذریعہ عربی، ایرانی، ترکی، ہندی (چین و جاپان کے سوا)

سبھی ایشیائی خط اس سے بنائے گئے۔

یونانیوں نے اس قوم کا نام فونیشین ان کے بھورے سرخی مائل رنگ کی بنا پر تجویز کیا ہے۔ اور ان علاقوں کو جہاں سے یہ اُبھرے فونیشیا سے موسوم کرتے ہیں۔ ورنہ دراصل یہ شمالی سامی نسل اور شمالی عرب قوم ہے۔ فنیقیوں نے جو الف بانی خط ایجاد کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت پہلے دور تک اس کا سلسلہ ہے۔ اولاً سمیریوں نے چند صوتی علامتیں بنائی تھیں پھر پندرہ سوق م میں آشوریوں نے بیس صوتی علامتیں مبنی حروف میں تیار کر لیں۔ یہ تصویری خط سے حروف تہجی کے رسم خط تک تصویروں کے لیکروں کی شکل میں واپسی کی ایک منزل ہے۔

الف بانی تحریر کے سلسلہ در سلسلہ رسوم خط

درحقیقت وہ ابتدائی لکیریں جنہیں عہد بہ عہد انسان نے ترقی دے کر دس ہزار سال کی مدت میں مکمل تصویر کشی کے فن تک پہنچایا تھا اور تین ہزار سال تک ان پر محنت کر کے ان سے مصر، سمیریا، سندھ اور چین کا نہایت خوبصورت تصویری اور تصویری خط ایجاد کیا تھا، آگے ڈیڑھ ہزار سال تک اس پر ریاضت کرنے کے بعد جب اسے فن تصویر کشی سے جدا ایک تحریری فن کو وجود میں لانے کا خیال پیدا ہوا تاکہ زیادہ سے زیادہ فکری اور تخیلی مواد کو جلد سے جلد وقت اور کم سے کم جگہ میں لکھا جاسکے۔ اس وقت تصویری خط اس کے شوقِ تحریر کو پورا کرنے سے قاصر نظر آیا لہذا تقریباً پندرہ سوق م میں شمالی سامی نسل کے لوگوں نے پھر قدیم لکیروں کی تلاش شروع کی۔

حروف تہجی کی تحقیقات کرنے والے تین مکتبہ فکر میں سے ایک فرانسیسی محقق موسیوروتز (Emmanuel De Roughe) کا نظریہ ہے کہ ہیروغلیفی مصری خط کی ہیروطیقی شکل نے فنیقیوں کو حروف تہجی کی ایجاد کا خیال دیا ہے۔ اور اس سے انہوں نے حروف تہجی وضع کیے۔ اس نظریہ کے مؤید اسحاق ٹیلر بھی ہیں لیکن محققین کی اکثریت نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ دوسرا نظریہ سرفلنڈرس پیٹری کا ہے جنہوں نے ہیروغلیفی خط وجود میں آنے سے بھی آگے کے زمانے کے مصری برتنوں کا بہ غور مطالعہ کیا۔ ان پر برتنوں کی ملکیت اور شناخت کے لیے کچھ لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ اسی قسم کی

لکیریں امتیازی نشان کے طور پر بحر روم کے دوسرے ملکوں کریت، قبرص وغیرہ میں نظر آئی تھیں۔ پیٹری نے انھیں لکیروں کا ماخذ سامی حروف کو قرار دیا۔ یہ کافی مستحکم اور قابل قبول نظر یہ معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا خیال سر آر تھرا یوان کا سرے سے غیر منطقی اور حقیقت سے دور نظر آتا ہے۔ وہ کریت کے خط سے فنیقیوں کے حروف کا بنایا جانا بتاتے ہیں۔ کریت نے یونانیوں سے تحریر کا فن حاصل کیا اور یونانیوں کے خط کا فنیقیوں سے اخذ کیا جانا ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے۔ پس سامیوں کا یہ خط دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا (۱) شمالی سامی خط جو شام، فلسطین، کنعان کے علاقوں سے نشوونما پا کر پھیلنے لگا۔ (۲) جنوبی سامی خط جو دمشق سے چل کر تمام جنوبی عرب کے علاقوں تک بڑھنا گیا۔ عرض یہ بائیس صوتی علامتوں کے الف بانی حروف فنیقی سیاق اور تاجروں کے ذریعہ دور دور پھیل گئے۔ مختلف قوموں میں ان کی تخم ریزی ہوئی چنانچہ عظیم یونانی اور لاطینی قوموں نے تحریر کے لیے فنیقیوں سے حروف حاصل کیے۔ دراصل سامیوں اور فنیقیوں کے کوئی الگ الگ خط نہیں ہیں۔ یہ ایک ہی خط ہے جو دونوں سے منسوب ہے اور اس کے وجود میں آنے کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور دونوں کے تہذیبی عناصر بھی مشترک ہیں۔

دوسری طرف فنیقی حروف سے یونانی حروف کی تعمیر ہوئی اور جلد ہی اس سے لاطینی حروف وجود میں آئے۔ ان دونوں حروف سے رومن اور یورپ کے تمام ملکوں کے حروف بنائے گئے جن کا رسم الخط امریکہ تک پہنچا اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصے میں رومن رسم الخط مستعمل ہے۔

ساتواں باب

علم و ادب کا باب عالی یونان

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یونان نے اپنے حروف پندرہ سوق۔ م میں فنیقی حروف تہجی سے بنا لیے تھے۔ انہیں پیپرس بھی فنیقی ذریعوں سے مل رہا تھا جس پر یونانیوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ ابتدا میں انہوں نے مصری اور فنیقی طرز تحریر کے مطابق داہنے سے بائیں جانب لکھنے کا طریقہ اختیار کیا۔ جسے بعد میں بدل کر بائیں سے داہنے طرف سطروں کی روانی کر دی۔ ایک ہزار ق۔ م تک وہ کافی ترقی کی منزلیں طے کر چکے تھے۔ علوم طبیعیات اور ما بعد الطبیعیات کی بہت سی کتابیں اُس ہمد میں وجود میں آچکی تھیں اور اُن کا مخصوص دیومالائی ادب بھی تخلیق ہو رہا تھا۔ مصوری اور اصنام تراشی کا فن خاص طور پر بڑی ترقی پر تھا۔ اعلا فن کا وجود میں آنے لگے تھے۔ طب، ریاضی، منطق اور علم کلام پر ایک ہزار سے پانچ سوق م تک بہت اعلا تصانیف کا دور شروع ہوا سقراط اور اُس کے شاگردوں کے سلسلے کے حکما کا عظیم الشان دور یہی ہے جس میں بہ کثرت فلسفہ، علم الاخلاق، موسیقی، نجوم اور طب و ادویہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن یونان کی نامساعد آب و ہوا اور کچھ دوسرے ناموافق حالات نے اُن کتابوں کو یونان کی سرزمین سے معدوم کر دیا۔

331 ق۔ م میں مصر کی فتح اور اسکندر یہ بندرگاہ قائم ہو جانے کے بعد یونان کی کتابوں کا ایک نیا عظیم الشان دور شروع ہوا۔ اب پیپرس براہِ راست یونان کو مصر سے حسب ضرورت مل سکتا تھا۔ اس لیے تصنیف و تالیف کا کام بڑے زور شور سے شروع ہو گیا۔ درحقیقت یونان کی مایہ ناز کتابوں کی تصنیف اسی زمانے میں ہوئی یقین کیا جاتا ہے کہ ایلینڈ اور اڈیسی کی شہرہ آفاق تصنیف یونانیوں نے پیپرس ہی پر قلم بند کی ہوگی جو یونان کی ناموافق آب و ہوا میں تلف ہو گئی۔ اُس کی نقل پیپرس کے مکفوفے

پر مصر قدیم کے کھنڈرات سے موجودہ عہد کو حاصل ہوئی، اور ہم اس عظیم ادبی تخلیق سے واقف ہو سکے۔ اسی طرح یونان کا پورا ادب، فلسفہ، طب، تاریخ اور سائنس کی ساری تصانیف مصری ہی کی سر زمین سے دستیاب ہوئی ہیں۔

قبطی تہذیب؛ دارالکتب اسکندریہ

331 ق۔ م سے پہلی صدی عیسوی کے درمیانی زمانے میں یونانی مصری زبانوں کی ایک مخلوط شکل وجود میں آکر پورے عروج پر پہنچ گئی تھی، جسے قبطی (Coptic) زبان کہتے ہیں۔ اس زمانے میں مصر پر فرماں روائی بھی مصری یونانی مخلوط النسل خاندان کی تھی۔ کوپٹک یا قبطی کا رسم الخط یونانی حروف تہجی کے تابع تھا۔ لیکن زبان میں بکثرت مصری الفاظ و معانی شامل تھے۔ یونان کے پیپرس اسکرول بہ مقابلہ مصری اسکرول کے کافی مختصر ہوتے تھے۔ نظموں کے مجموعے صرف پانچ اپنچ چوڑائی اور چند فنٹ لمبائی کے تختوں میں عموماً ہوا کرتے تھے۔ عام کتابوں کی ضخامت زیادہ تر دس اپنچ اور بیس تیس فنٹ تک عرض و طول میں ہوا کرتی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک درجن اس زمانے کے مکھوفے، ہمارے عہد کی ایک چھوٹی سی پاکٹ ایڈیشن میں سما سکتے تھے۔

یونانی کتابوں کے حروف بہت قریب قریب اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے تھے۔ دو لفظوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہوتی تھی، ہر لفظ اگلے لفظ سے اس قدر وابستہ اور چمٹا ہوتا تھا کہ اسے لکھے حروف میں سمجھنا کہنا دشوار تھا۔ یہی حال جملوں کا تھا۔ ایک جملہ ختم ہونے کے بعد خالی جگہ یا کسی قسم کا نشان قطعاً نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ یہ پتہ چلانا کہ جملہ کہاں سے شروع ہوا کہاں ختم ہوا آسانی سے ممکن نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تحریر پڑھنا کتنا دشوار ہے۔ اس زمانے میں وقف و سکون کے نشانات (Punctuation) کا رواج نہ تھا۔ آج قدیم یونانی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے سے آنکھوں اور دماغ پر سخت تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ وہ لوگ غالباً اس طرزِ تحریر کے عادی تھے۔ لہذا عرصہ دراز تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

یونان میں کتابوں کی دکانیں چوتھی صدی ق۔ م تک بڑی تعداد میں کھل گئی تھیں۔ لیکن کتابوں کی اشاعت کے کاروبار سے متعلق معلومات کہیں سے نہیں حاصل ہوئیں

اس عہد میں کتابت اور نقل نویسی کے کام نے ایک عام پیشے کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اساتذہ طالب علموں کو زیادہ تر زبانی درس دیتے تھے۔ عرصہ دراز تک یونان میں یہی طریقہ تعلیم رائج رہا۔ لیکن کتابوں کے ذریعہ درس لینے کا رواج بھی فراغاً مہر کے زمانے سے چلا آ رہا تھا اور یونان میں بھی طالب علم کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔

چرمی مکھوفے

سب سے پہلے لکھائی کے لیے چرمی تختے اور جھیلیاں استعمال کرنے کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اننا ضرور ہے کہ دوسری صدی ق۔ م سے پہلے اس کا استعمال ہو رہا تھا۔ اگرچہ خال خال دوسوق۔ م میں پرگیم کے بادشاہ ایومنس (Eumenes) کو جب پیرس دستیاب ہونے میں دشواری ہوئی تو اس نے اس کا متبادل تلاش کیا۔ برگیم ایشیائے کوچک کا وہ علاقہ ہے جو قدیم زمانے سے لکھنے پڑھنے میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ انیسویں صدی تا بارہویں صدی ق۔ م اس خطے میں آباد حطی قوم کی کتابوں میں دل چسپی اور سرگرمی تاریخ کتاب کا ایک باب ہے۔ وہ مٹی کی تختیوں پر کتاب لکھنے کا زمانہ تھا جو اب ختم ہو چکا تھا اور اُس وقت کی مقبول عام چیز پیرس تھی جو اس کو بعض وجوہ سے نہیں مل رہی تھی لہذا ایومنس کی توجہ خاص طور پر اسی زمانے میں چرمی تختیوں کی طرف ہوئی، اس نے نرم کھالیں اکٹھا کرانے کا اہتمام کیا، اور ان کو لکھائی کے قابل بنانے کے لیے ایک باقاعدہ نئی صنعت وجود میں آئی۔ یہ صنعت اس علاقے سے فروغ پا کر دنیا کے بہت بڑے حصے میں پھیل گئی۔ چرم کو بالآخر پیرس کا بدل بنا لیا گیا جس کے کچھ ٹیکنیکی طریقے دریافت کیے گئے۔ چرمی پارچے تیار کرنے کی صنعت پرگیم میں بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ اس کے لیے بھیڑ، بکری اور گائے کے پچھڑے کی کھالیں اکٹھا کی جاتی تھیں۔ کھال کے بالوں کو تیز دھار دار چھریوں سے چھیل کر صاف کر دیا جاتا تھا۔ پھر ان کو جھاواں پتھر سے گھس کر خوب چکنا کیا جاتا تھا اور کھریا مٹی سے پتائی کر کے نہایت سفید چکدار بنا دیا جاتا تھا یہ پیرس کے مقابلے میں زیادہ پائیدار، مضبوط اور لکھائی کے لیے نہایت اعلیٰ قسم کی چیز تھی۔ لاطینی زبان میں انہیں پارچمنٹ کہتے ہیں۔ ان پر حروف کی کشید

کہیں زیادہ نفیس اور خوبصورت ہوتی تھی، تصویریں بھی بڑی اچھی بنتی تھیں، بڑی آسانی سے کتاب تیار ہو جاتی تھی۔ لیکن پیپرس کے مقابلے میں یہ چرمی پارچے بہت قیمتی تھے۔ ان کو کثیر تعداد میں جلدی حاصل کرنا دشوار تھا۔ پھر بھی چوتھی صدی عیسوی تک اور اس کے بعد کافی زمانے تک دنیا میں ان کا عام رواج رہا۔ ایشیائے کوچک سے چل کر دور دور تک چرمی تختے پھیل گئے چونکہ پرکاموں میں چرمی تختوں کی صنعت بڑے پیمانے پر شروع ہوئی تھی اور عروج پر پہنچی تھی، اس لیے اس سلسلے میں کچھ اصطلاحیں اسی شہر سے منسوب ہو گئیں، جسے لاطینی زبان میں فرمان شاہی کو چارٹا پرگامینا کہتے تھے، خواہ چرمی پارچوں پر نہ بھی تحریر ہو۔ ان پر پیریں دلکش اور دیدہ زیب ہونے کی وجہ سے پرگیم کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی سپاس نامے اور یادگاری کتابچوں کے لیے تو خاص طور پر چرمی پارچوں کا انتخاب ہونے لگا تھا اور باوجود گراں قیمت ہونے کے روز بروز ان کا استعمال بڑھتا ہی گیا۔ پیپرس کی مقبولیت مصر کے باہر دن پردن کم ہونے لگی۔ بلکہ مصر میں بھی چرمی پارچے کی طرف پہلی صدی عیسوی سے توجہ پیدا ہو گئی۔ استوانہ نما کتاب کی جگہ اب ایک اور ایسی شکل کی کتاب مغربی ایشیا اور بحر روم کے ملکوں میں نظر آنے لگی۔

جداگانہ صفحات کی کتاب کا آغاز (کوڈ بکس)

جیسے جیسے پیپرس پر کتاب کی لکھائی کم ہوتی گئی اور چرمی تختوں کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ کتاب کی اس قدیم شکل میں ایک بڑا تغیر پیدا ہونے لگا، کتابوں کی ایک نئی صورت ڈھلنے لگی۔ پہلی صدی عیسوی سے قبل آنکھیں کتابوں سے صرف مکفوفوں کی شکل میں آشنا تھیں یا مٹی کی بالکڑی کی تختیوں سے واقفیت تھی۔ مگر اب ان سب سے مختلف کتاب کی صورت، اتہ بہ اتہ موڑ کر ایک نئے کی شکل میں سامنے آنے لگیں۔ چرمی کی نرم پتلی ایک لمبی سی پٹی پر صفحات کے نشان کھینچ کر نہایت خوبصورتی سے کتابت کی جاتی تھی۔ پھر صفحات کے نشانات پر اس پٹی کو اس طرح موڑا جاتا تھا کہ پہلی بار بائیں سے داہنی طرف پھر داہنی سے بائیں طرف، اسی طرح بالترتیب تہ بہ تہ مورتے ہوئے پوری کتاب کو کسی ہارمونیم ساز کے پردے کی سی شکل دی جاتی تھی۔ کتاب کی اس

نی شکل کو کوڈیکس یا قانونی کا نام دیا گیا۔ غالباً قانون یا مذہبی اصول و آئین کے مسائل کی کتاب نے اولاً یہ شکل اختیار کی ہوگی اور پھر دیکھا دیکھی سب کتابیں تیسری چوتھی صدی عیسوی تک اسی شکل میں ڈھل گئیں۔

کتاب کی ایک اور نئی شکل - وولیم

کوڈیکس سے دو تین صدی آگے چل کر ساتویں صدی عیسوی میں کتاب نے ایک اور نئی شکل اختیار کی۔ بجائے چمڑے کی ایک لمبی پٹی پر کتاب لکھنے کے اسے برابر کٹے ہوئے دو دو ورق کے ٹکڑوں یا وصلیوں پر لکھا جانے لگا۔ پوری کتاب کی خطاطی ایسے کسی ٹکڑوں پر الگ الگ اس طرح کی جاتی تھی کہ ایک ٹکڑے کو بیچ سے موڑنے کے بعد اس پر کتاب کے چار صفحات آجاتے تھے۔ ہر مڑے ہوئے ورق کے درمیان سے ایک ڈوری گذر کر کتاب کے تمام اوراق میں شیرازہ بن جاتی تھی اور کتاب کے اوراق اس کے ذریعہ وابستہ رہتے تھے کہ منتشر نہ ہو جائیں۔ اس صورت میں کتاب کو پڑھنا بہ مقابلہ استوانہ نما مکفوفے کے بے حد آسان اور آسائش بخش ہو گیا بلکہ یہ طریقہ کوڈیکس سے بھی زیادہ سلیقے کا تھا لہذا اس کی مقبولیت بڑی تیزی سے ہوئی پھر بھی اس عہد کی تمام کتابوں کو وولیم کی شکل اختیار کرنے میں دو ایک صدیاں لگ گئیں۔ تیسری صدی عیسوی سے وولیم کا رواج عام طور پر ہونے لگا تھا اور پندرہویں صدی تک بکثرت کتابیں اسی شکل میں پائی جاتی رہیں۔ دسویں گیارہویں صدی میں استوانہ نما مکفوفے کی صورت عہد ماضی کی بات ہو چکی تھی۔ کوڈیکس اور وولیم میں منتقل ہوتی ہوئی کتاب کی وہ شکل طلوع ہونے پر آمادہ تھی جو آج ہمارے سامنے ہے۔

آٹھواں باب

قدیم روما کی کتابیں

رومن قوم نے یونان اور مصر کو پہلی صدی عیسوی کے درمیان فتح کر لیا۔ اس سے بہت پہلے ان کی زبان لاطینی تھی، جس کا رسم الخط کسی صدیوں تک یونان کے خط سے متاثر تھا۔ لاطینی زبان کا زمانہ سات سو ق۔ م سے شروع ہوتا ہے جب رومن قوم نے یونانی رسم الخط سے اپنے حروف تہجی وضع کیے۔ ان کی زبان کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دنیا کی بہت سی قوموں کے حروف تہجی کا رسم الخط آتا ہے۔ رومن رسم خط سے یورپ کی تقریباً سب زبانوں نے اپنا طرز تحریر بنایا۔ ان کے حروف تہجی کا سرچشمہ یونانیوں کے توسط سے فنیقی تہجی سے جاری ہوا ہے۔

رومن تحریریں پیپرس پر بھی بکثرت ہیں اور کچھ کتابیں موم کی تختیوں پر بھی لکھی گئیں جو رومن عہد کی مخصوص ایجاد ہیں لیکن ان کا عہد چرمی و صلیوں پر لکھائی کا خاص زمانہ ہے۔ رومن پیپرس استعمال نہ کر سکتے تھے۔ ان کے ذریعے ہوتے تھے۔ سو ان کے آخری زمانے کے کہ جب ولیم اور کوڈیکس کی شکلیں ان مکتوبوں پر اثر انداز ہونے لگی تھیں۔ ان کو استعمال کرنا اور ان کی عبارتوں کو پڑھنا یونانی قدیم تحریروں ہی کی طرح مشکل تھا۔ ان کے یہاں بھی الفاظ ایک دوسرے سے ملے جملے اور باریک ہیں۔ جن کو پڑھنے سے دماغ اور آنکھوں پر بڑا زور پڑتا ہے۔

رومن عہد میں کتابیں لکھنے کا طریقہ

رومن قوم نے پہلی صدی ق۔ م سے کتابوں میں دل چسپی لینا شروع کر دی

تھی۔ روز بروز اس طرف ان کی توجہ بڑھنے لگی، کچھ لوگوں نے ذاتی کتب خانے رکھنا شروع کیے۔ پھر ایسے لوگوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ایک طبقہ کتابوں کے تجارتی کاروبار کا پیدا ہو گیا جس نے کتابیں تصنیف کرنے والوں کی ہمت افزائی شروع کی تاکہ نئی کتابیں وجود میں آئیں۔ کتابوں کا کاروبار کرنے والا طبقہ رومن عہد ہی میں سب سے پہلے رونما ہوا۔

تصنیف شدہ کتابوں کا مسودہ کتابوں کے کاروباری اپنے تعلیم یافتہ غلاموں سے کتابوں کی شکل میں لکھواتے تھے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑے کمرے میں بہت سے تعلیم یافتہ غلام کام پر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک غلام مسودہ یا کسی قدیم کتاب کا نسخہ بلند آواز میں پڑھتا تھا اور بہت سے غلام اس کتاب کی کاپیاں ایک ساتھ لکھتے تھے۔ کتابوں کی اشاعت کرنے والوں میں اس عہد کے جن نمایاں کاروباریوں کا ذکر آتا ہے، ان میں ایک بہت دولت مند شخص ٹیٹس یا پیونیس ایٹی سیس ہے جو علم و ادب سے گہرا شغف رکھتا تھا اور خود بھی مصنف تھا۔ ایٹی سیس ایک سو نوق۔ م تک تھا۔ یہ مشہور زمانہ خطیب و خوش بیان سسر و کا دوست اور اس کے ملفوظات کا پبلشر تھا۔ دوسرے ناشرین کی طرح وہ بھی جلد جلد کم قیمت کتابیں بڑی تعداد میں شائع کرتا تھا۔ اور حسب معمول اپنے تعلیم یافتہ غلاموں سے کتابت کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ اس کی تجارت لکھائی چھپائی اور صحت کے اعتبار سے مملکت روم میں دور دور تک شہرت اور نیک نامی حاصل کر چکی تھی اور اس کا ادارہ اشاعت ایٹی کن کتب کے نام سے مشہور تھا۔

صحت تحریر اس زمانے میں اس قدر عام نہ تھی اور نہ اس پر اتنا زور دیا جاتا تھا جس طرح اُس سے پہلے یونان اور مصر میں اس پر خاص نگاہ تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے کتاب کی تصنیف سے لے کر اُس کی کتابت اور کتاب کی نقلیں تیار کرنے کا عمل بڑے بڑے علما حکما کے ہاتھوں یا ان کے قابل اعتماد شاگردوں کے ذریعہ سہرا انجام ہوتا تھا۔ ایک ایک نسخہ کے مواد سے متن تک ہر سطر کی چھان بین ہوتی تھی اور ان کی تصحیح کا کام بہت دیدہ ریزی سے مسلسل جاری رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس سے قبل کتابوں سے سروکار بڑی بڑی عالم و فاضل ہستیوں کو تھا اور کتب پر صرف محققین کا عمل دخل تھا جب کہ

رومن شہنشاہیت کے دور میں کتابیں عیش پرست دولت مندوں کی تفریح بن گئی تھیں
 چنانچہ پبلشر بلاچھان بین کیے کتابیں شائع کر دیتے تھے۔ اکثر کتابوں میں غلطیوں کی بھرمار
 ہوتی تھی۔ ناشرین اور کتب فروشوں کو کتابوں کے ذریعہ دولت کمانے سے عرض تھی۔
 اور کتابوں کی صحت غلاموں کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔

حصہ دوم

عہدِ وسطیٰ کی کتابیں

دوسری صدی عیسوی سے پندرہویں صدی کے اختتام تک

حصہ دوم عہد وسطیٰ کی کتابیں

پہلا باب

مذہبی کتابیں - راہب

جب بربر قوم نے اپنے پے درپے حملوں سے رومن شہنشاہیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اطالیہ کی مملکت اور روم کا دارالسلطنت مسمار ہونے لگے تو روم کی کتابوں کا شاندار ذخیرہ بھی تہس نہس ہو گیا۔ لیکن روم کی تباہی سے بہت پہلے ایک سو تیس ق م سے مسیحیوں نے اسے اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ یونانی اور لاطینی ادب میں عیسائی مذہبی کتابیں اپنی مخصوص جگہ بنا چکی تھیں اور اب انہوں نے پھیلنا شروع کیا۔ عیسائیوں کا کتابی ذخیرہ جسے وہ بلو تھی کا مقدس کرسچیاننا کہتے تھے اس میں بائبل کی تمام نقلیں، پادریوں کی لکھی شرحیں اور تفسیریں، گرجاؤں کی رسومات دعا میں مستعمل ادب شامل تھا۔ یہ بڑھتے بڑھتے مسیحی تبلیغ کی کتابی پیداوار کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ عیسائیوں کے باہمی فرقہ وارانہ تصادم میں تباہ ہو گیا۔ سب سے اہم ذخیرہ فلسطین میں قیصریہ مقام پر تھا۔ اس کی بنیاد پادری اور بکن نے رکھی تھی۔ 309ء میں ان کے شاگرد پامفیلس نے اس کی از سر نو تنظیم شاندار پیمانے پر کی تھی۔ قیصریہ کے اس ادارے اور اس کے ذخیرہ کتب کو مسیحی دنیا میں اس وقت وہی اہمیت حاصل تھی جیسی ہیلینک تہذیبی عہد میں سکندریہ کی حیثیت تھی جو بائبل قیصریہ میں لکھی ہوئی برآمد ہوتی تھی۔ وہ خاص وقعت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

خالقا ہی کتب نویسی کی ابتدا

راہبوں کا اولین فرقہ دوسری صدی عیسوی میں رونما ہوا اور مصر میں قبطی زبان

کی کتابیں اکٹھا کرنے کا کام شروع کیا۔ اس وقت مصر کی "ہیروغلیفی" تحریر نابود ہو چکی تھی۔ اُس کی جگہ مصری اور یونانی سے مرکب قبطلی زبان و تحریر شروع ہو گئی اور یہی گرجاؤں میں مستعمل تھی۔ قبطلی زبان مصر میں یونانیوں کی آمد میں سو اکتیس ق۔ م سے لے کر ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کے مصر فتح کرنے تک رائج رہی۔ راہبوں کی اس زلزلے کی لکھی اور جمع کی ہوئی بہت سی کتابیں انیسویں صدی عیسوی میں انگریزوں کو دستیاب ہوئیں۔ ان میں قبطلی تحریروں کے ساتھ کچھ شامی تحریروں بھی شامل تھیں۔ ان کتابوں میں مسیحی مذہب کے علاوہ دیگر علمی معلوماتی مواد بھی ہے۔ یہ کتابیں بالکل ابتدائی راہبوں کے مذاقِ کتب کا پتہ دیتی ہیں۔

راہبوں کے کتابیں لکھنے کا طریقہ (فنِ خطاطی)

کلیساؤں کے ان راہبوں نے قدیم مصری اور قبطلی عہد کی کتابوں سے نہ صرف علمی اور ادبی مواد ہی حاصل کیا بلکہ لکھائی کا ہنر اور سلیقہ بھی سیکھا جس میں کچھ اپنے وضع کردہ اصولوں کا اضافہ کیا۔ قدیم مصری کتابوں نے اپنے تصویری خط میں جو دل کشی پیدا کی تھی۔ اُس کی جھلک کو ٹپک کیونینفارم خط کے ذریعہ سکندریہ کے کتابوں نے اپنی تحریروں میں دکھائی اور جب خالق ہی کتابوں نے قلم سنبھالا تو حروف کی خوش نمائی اور دیدہ زیبی کو اس قدر اہمیت دی کہ خطاطی باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کرنے لگی۔ حروف کی کشیدگی کچھ اصول مقرر ہونے لگے، خطاط ان کی پیروی کرنے لگے۔ دوسرا نقطہ نظر کتابت میں زیادہ سے زیادہ صفائی کا خیال بھی تھا، کتاب پر کسی قسم کے دھبے نہ آنے پائیں۔ تیسرے یہ کہ پادری تھیوڈور نے حرف بہ حرف نقل کا جو اصول وضع کیا تھا وہ خالق ہوں کے ان ابتدائی خطاط سے شروع ہو کر بہت زمانے تک یورپ اور ایشیا کے بڑے علاقے میں نہایت سختی کے ساتھ تمام خطاط کے پیش نظر رہا۔ اس کی بھی ایک روایت قائم ہو گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصل نسخے میں یہ لفظ غلط لکھا ہے خطاط اسے صحیح کرنے کا مجاز نہ تھا۔ وہ کتاب لکھوانے والے کو توجہ دلا کر اُسے درست کرا سکتا تھا۔ چوتھے اس کمرے میں یا گوشے میں جہاں خطاطی یا کتابت کی جائے مکمل سکون و خاموشی رکھی جائے۔ صرف متن بولنے والے کی آواز ابھرتی ہو، اُس کے علاوہ کوئی آہٹ بھی نہ ہو۔ اگر کوئی ضروری

بات کہنی ہے تو اشاروں سے کی جائے۔ حفاظتی احتیاط کے پیش نظر صرف دن کو خطاطی کی جائے کیونکہ رات کو شمع جلا کر لکھنے سے آگ لگنے کا اندیشہ ہے۔ اس کی وجہ سے لکھائی کے کمرے میں نیز پورے کتب خانے میں راتوں میں اندھیرا رکھا جائے۔ کتابوں میں خواہ کوئی مواد ہو ان کی حرمت قائم رکھی جائے۔ انھیں آہستہ سے رکھا اور اٹھایا جائے۔ اور کتاب بلا اجازت سربراہ خانقاہ کہیں باہر نہیں جاسکتی۔

ابتدائی قلمی نسخوں پر جلاکاری (Illumination)

کتابوں کو مجد کرنے کا فن بھی قبلی عہد کی کتابوں سے شروع ہوا۔ جس کا خیال ان میں قدیم مہری کتابوں کے مطالعے سے پیدا ہوا تھا۔ کوٹیک عہد میں تحریر کے آس پاس نقش و نگار، تصاویر اور زرکاری سے کتابوں کو چمکانے کا رواج تھا۔ ابتدائی خانقاہی کاتب اور خطاط نے اس پر اتنا زور نہیں دیا جتنا کہ بعد میں شاہی کتب سازوں نے بہت زمانے تک اس کا اہتمام کیا۔

دوسرا باب

عرب اسلامی تہذیب

مسیحی کلیساؤں سے بہت دور اور ان کی خانقاہوں کی حدود کے باہر نہ صرف یونانی فلسفہ اور حکمت بلکہ مصری و کلدانی، پارسی و ہندی، چینی و زنگی علوم و ادبیات کے مطالعے اور ان پر کتب نویسی کا ایک اور ہی میدان شوق طویل زمانے میں پھیلا نظر آتا ہے۔ یہ ساتویں صدی عیسوی سے سوٹھویں سترھویں صدی عیسوی تک کتابیں پیدا ہونے کا ایک تاریخی عہد ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ممتاز و منفرد تہذیب کا عہد عروج ہے۔ یہ تہذیب صحرائے عرب کے کچھ قبائلی خاندانوں سے ابھری اور ساری دنیا میں پھیل گئی۔

عربوں میں لکھنے کی ابتدا

عربوں کی فنِ تحریر سے واقفیت اور حروف سے آشنائی بہت قدیم ہے۔ عکا دی جنھوں نے دو ہزار ق۔ م سے سمیر یہ تصویریں علامات کو رسمِ تحریر کی کئی ترقی کی منزلیں طے کرائیں۔ جن کے ہاتھوں کیونی فارم، حروف پروان چڑھے اور بے شمار تختیوں پر تاریخ کتاب کا ایک عہد نقش کر گئے، وہ لوگ صحرائے عرب کے شمالی وسطی حصے کے سامی النسل عرب تھے۔ یہ دجلہ و فرات کی سر زمین میں آکر بس گئے تھے اور وہاں بڑے بڑے کتب خانوں والی عظیم الشان بابل اور بینوا تہذیب کی بنیاد رکھی تھی۔ الف بائی خط کے موجد جو سینا کے پہاڑوں میں مصری حکومت کے تخت ایک ہزار نو سو ق۔ م میں معدنیاتی کانیں کھودنے کا کام کرتے تھے اور سوئز کی خاکنائے میں ان مزدوروں

اور ملاحوں کی ایک کالونی بن گئی تھی، تحقیق سے وہ بھی سامی النسل عرب بنائے جاتے ہیں۔ موجودہ الفبا بٹ کی پہلی کڑی انجینس کے ہاتھ کی تحریر ہے جو سرفلنڈر پسرٹمی نے کچھ پتھر کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی 1904ء و 1905ء کے دوران ڈھونڈ نکالی اور فاضل عربی داں مارٹن اسپرنگلنگ نے 1931ء میں اس کو پڑھ کر عربی زبان سے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔

گیارہویں صدی کے مورخ و محقق ابن ندیم نے ابن کوفی کے حوالے سے الفبا بٹ خط کے اولین چھ موجد کے نام الفہرست میں درج کیے ہیں: ابو جاد، ہواز، حطی، کلیمون، صغض اور قرسیات۔ ان ناموں کے تروف کی ترتیب سے آج تک نہ صرف عربی بلکہ اکثر دوسری زبانوں کے حروف مرتب پائے جاتے ہیں۔ ہشام کلبی کے حوالے سے ابن ندیم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ الفبا بٹ خط کے موجد عرب عاربہ گروہ سے تھے۔ واضح ہو کہ صحرائے عرب کی سرزمین حجاز کے لوگ، خصوصاً قریش مکہ جن میں سے پیغمبر اسلام بھی تھے۔ عرب عاربہ شاخ سے ہیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عرب کی سرزمین پر کسی کتاب کے لکھے جانے کا تاریخ میں دور دور تک سراغ نہیں ملتا۔ فنیقی اور آرامی اپنی کاروباری یادداشتوں اور نجی خط و کتابت یا مملکتی انتظام کے دفتروں تک فن تحریر کو محدود رکھتے رہے۔ حتیٰ کہ اسرائیلیوں کا عہد نامہ عتیق و جدید بائبل بھی یونانی سرزمین پر یونانی خط میں پہلی بار لکھی گئی بعد میں اسکندریہ اور روم میں لکھی جاتی رہی۔ عرب میں پہلی کتاب قرآن شریف ہے جس کو صحیح کتابی شکل میں عرب کی تاریخ میں پہلی بار مرتب اور مکتوب کیا گیا۔ مکہ میں چند نفوس جو انکلیوں پر گنے جاسکتے تھے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہی حال مدینے کا تھا۔

قرآن شریف کی تدوین

صحرا کے عربوں نے لکھائی کی طرف اولاً اس وقت توجہ کی جب ظہور اسلام اور وحی کا آغاز ہوا۔ ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ طویل فضا مدت ایک بار سن کر از بر ہو جاتے تھے۔ تمام تاریخی واقعات اور جنگوں کی روئداد جزئی تفصیلات کے ساتھ پوری قوم کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔ ہر فرد کسی واقعے کو حرف بہ حرف راوی کے الفاظ میں سنا سکتا تھا۔ شعریت عربوں کے خمیر میں رچی بسی تھی۔ شجرے اور انساب کی یادداشت

میں تو عرب قوم کی مثال دی جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی واقعے کی تفصیل تحریر کرتا، یا لکھی عبارت پڑھ کر سنا تا تو اس کے کمزور حافظے کی دلیل خیال کی جاتی تھی جو اس کے پورے قبیلے کے لیے شرمناک بات تھی۔ اس کے باوجود شارع اسلام نے وحی نزول ہونے کے فوراً بعد تحریر کیے جانے کا التزام فرمایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خطہ عرب جہاں یہود و نصاریٰ کے سوا چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آیات قرآنی لکھنے کے شوق میں سب لکھائی دیکھنے پر مائل ہو گئے۔

عربوں کی کتب نویسی اور کتب سازی کا آغاز

قرآن کی منتشر آیات کو جمع کر کے جس سلسلے کے ساتھ موضوعات کے لحاظ سے ابتدا ہی میں ترتیب دیا گیا اور اس کی پوری ضخامت کو تیس مساوی اجزایا سپاروں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے۔ ایسی عمدہ ترتیب عمل میں لائی گئی کہ بعد کے زمانوں میں اس ترتیب پر نظر ثانی کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہر آیت کے متعلق ضروری یادداشتیں ہر سورہ کی شان نزول حاشیوں پر ابتدا ہی سے درج کی گئیں۔ قرآن لکھنے کے بعد اس کی جلاکاری اور جلد سازی کا کام بھی بہت جلد شروع کر دیا گیا۔ بہت ابتدائی جلد سازوں کے نام نہیں معلوم ہو سکے لیکن انہوں نے اس صنعت کو بہت مختصر مدت میں کمال عروج پر پہنچا دیا۔ ایک صدی کے اندر جلد سازی کے مشاہیر فن پیدا ہوئے۔ حسین ابن صفا۔ ابو عیسیٰ بن شیران۔ دمیانہ اعمر۔ ابن حجام۔ ابراہیم اور اس کا بیٹا۔ شفقۃ المقرض عجمی اور ابن ابی حریش جو مامون الرشید کے خزانۃ الحکمت میں جلد سازی کے منصب پر مامور تھا ان کو اس فن کے اساتذہ کا درجہ حاصل تھا جو عہد امیہ اور عباسیہ میں گذرے۔ قرآن کے صفحات اور جلدوں کی جلاکاری اور زرکاری کرنے والوں میں ابتدائی فن کار یقیناً۔ ابراہیم صغیر۔ ابو موسیٰ بن عمار۔ ابن سقطی۔ محمد اور ان کے فرزند اور عبداللہ خزیمی وغیرہ نے کتابوں کی زرکاری (Illumination) کے فن میں تاریخی مقام پایا۔

چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں جب قرآن تحریر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، چرمی جھلیوں اور پارچوں کا دور دورہ تھا۔ عام طور پر عرب کے یہود و نصاریٰ اشام و فلسطین

میں چرمی وصلیوں اور ٹکڑوں پر مختصر تحریریں بھی لکھتے تھے اور ان پر لکھی ہوئی کتابیں بھی رکھتے تھے لہذا قرآن حکیم کے ابتدائی نسخے بھی انھیں پر لکھے گئے ہوں گے۔ چراغ کی کالک میں گوند ملا کر عام طور پر روشنائی تیار ہوتی تھی۔ کچھ ابتدائی نسخے زعفران سے بھی لکھے گئے۔ کھجور کی شاخ یا کالک کے قلم بنائے جلتے تھے۔ ابتدائی جامعین قرآن کے جو نام ابن ندیم نے درج کیے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ۔ سعد بن عبیدہ۔ ابوالدرداء۔ عویمر بن زید۔ معاذ بن جبل اور ابو زید بن ثابت بن صحاک ہیں۔ بعد کے بے شمار نسخے ہیں جن کے جامعین کی فہرست نہیں ہے۔ قرآن کے بعد تفاسیر لکھنے کا دور شروع ہوا۔ ابن ندیم نے ان کی بہت لمبی فہرست درج کی ہے۔ جن میں سے خاص نام حضرات ابوالقاسم محمد بن علی بن حسین۔ کتاب ابن عباس۔ کتاب التفسیر ابن ثعلب۔ تفسیر ابی حمزہ ثمانی۔ ان کا نام ثابت بن دینار ہے۔ تفسیر محمد بن علی۔ تفسیر زید بن اسلم۔ تفسیر ابن مالک۔ تفسیر اسدی۔ تفسیر اسماعیل بن ابی زیاد۔ داؤد بن ابی ہند۔ تفسیر ہنتل۔ عکرمہ عن ابن عباس۔ حسن بن ابی الحسن بصری وغیرہ۔

عربوں کی تصانیف دیگر علوم میں

آٹھویں صدی تک عربوں کا ذہن صرف دینی اور الہیاتی مسائل تک محدود نہیں رہ گیا تھا۔ وہ مختلف علوم و فنون، فلسفہ ادب اور تاریخ میں بڑے شغف کا اظہار کر رہے تھے۔ ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد رکھی اور تحقیق کے اصول و قوانین بنائے۔ خلیل ابن احمد نے شعر کے اصول اور بحور و اوزان میں استخراج مسائل النحو و علم العروض پر پہلی کتاب لکھی۔ نحو کے خاص موضوع پر پہلا مصنف محمد بن ابوسار اکینت ابو جعفر اور لقب رواہی ہے۔ نحو اور لغات پر اس سے پہلے کتاب تو درکنار اس کی ضرورت کا احساس بھی عربوں میں نہ پایا جاتا تھا فصاحت بیان اور زبان دانی میں دنیا میں کوئی قوم ان کی ٹکڑ کی زمانہ جاہلیت میں بھی نہ تھی مگر وہ بلا منقبط اصول و قواعد کے ایک صلاحیت ذہنی تھی۔ جب وہ صحرا سے نکل کر تمدن سرزمینوں پر پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کی فصاحت اور نکتہ آفرینی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کی لغات اور قواعد سیکھنا چاہی تب عربوں نے کثرت سے نحو اور لغات پر کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چند ابتدائی کتابوں اور مصنفوں کے نام دیے جاتے ہیں۔ لفر بن یوسف کی نحو و لغت۔ طلائع کوفہ میں ابوالحسن احمد کی

کتاب التصریف - کتاب یقین البلاغ - خالد بن کلثوم کی کتاب اشعار - اور النسب والقاب - ابو ذکریا
یحییٰ بن زیاد کی کتاب الفراء - ابو جعفر کی قادم الفراء - مفضل حنبی کی اشعار - ابن اعرابی: واقعات و
حالات - ثابت بن ابی ثابت: لغت - ابن سعد کی کتاب القراءۃ - نحو - حدود و قراءات خطابی کی نحو الکبیر
و نحو الصغیر - مکتبہ فی النحو - عمود النحو - ابن مروان کوفی کی کتاب القیاس علی اصول النحو وغیرہ -
اس کے بعد دیگر شعبہ ہائے علم میں کرمانی الفارسی کی کتاب الحشرات، کتاب الوحش - کتاب الخلق
الخیل، کتاب النباتات - ابن کناسہ کی کتاب الانواء - کتاب معانی الشعر، سرقات الکمیات
من القرآن - سعد ابن مبارک کی کتاب الارضین، والمیان - والجبال، والبحار وغیرہ - یہ تو
دمشق و کوفہ کے کچھ ابتدائی مصنفین کی کتابیں ہیں - اگر بغداد و بخارا، یمن و قاہرہ اندلس اور
استنبول کے چنیدہ مصنفین کی اولاد کی منتخب کتابوں ہی کی فہرست دینا چاہیں تو علاحدہ ایک
کتاب ہو جائے۔

عربوں کا شوق مطالعہ یونانی ادب میں:-

عربوں کے غیر متعصبانہ ذوق و شوق نے یونانی کتابوں کا نہ صرف گہرا مطالعہ کیا بلکہ
ان کے بے شمار ترجمے، شرحیں، حواشی اور ضمیمے لکھے۔ اور اس پائے کے کہ بعد کے محققین و
مستشرقین کو سچے دل سے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ شرحیں اور حواشی یونانی علم و ادب کی جان
ہیں۔ جب عرب مدینے سے مغربی ایشیا اور ایشیائے کوچک، شمالی افریقہ مصر و ہسپانیہ
تک پہنچے تو یونان و عرب فلسفہ اور حکمت و ادبیات کا ایک نیا تخلیقی اتصال واقع ہوا۔ اسلامی
عرب تہذیب کے متحرک حیاتی عناصر نے زمانہ طویل کے دفن شدہ یونانی ذہن و شعور کو
ایک نئی زندگی دے دی۔ یونانی فلسفہ میں ایک تازہ دم روح پیدا ہوئی۔ حقیقتاً بحر روم کی
مردہ تہذیب کے لیے عربوں کی علمی اور سائنسی تحقیق نشاۃ ثانیہ کی خالق اور معجزہ مسیح ثابت
ہوئی۔ انھوں نے سابق علما سے کہیں زیادہ علوم و فنون کی تحقیق - نظری مسائل کی چھان بین
اور ان کی صحت و عدم صحت پر زور دیا۔ جس کی وجہ سے علمی خزانوں میں سے کھرے اور کھوٹے
کارنامے الگ الگ کیے گئے۔ بارہویں صدی میں بہت اعلیٰ پیمانے پر تنقیدی کام شروع
ہو گیا تھا جس نے آگے چل کر پوری نسل انسانی کی رہبری کی۔ ان کی تنقیدی قابلیت اور ان
کے ذریعہ اسکندریہ اور اتھنز کے علمی اور ادبی شاہکاروں کے حاصل کرنے کا اعتراف یورپ

کے تقریباً سب مورخین نے کیا ہے۔

عرب خطاط اور فن خطاطی

الف بانی حروف کی ایجاد کے بعد خاص عربی خط پیدا ہونے کے بارے میں ابن ندیم نے ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ عربی خط کے موجد قبیلہ بولان کے تین اشخاص مرام بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں۔ جنہوں نے انبار میں سکونت اختیار کی اور سر جوڑ کر حروف مقطعہ اور موصولہ وضع کیے۔ جدید محققین نے چھٹی صدی ق۔م کا نجد و حجاز میں معمولی فرق کے ساتھ ایک اٹھائیس حرفی خط جو داہنے سے بائیں طرف نینزہل چلانے کے طریق پر لکھا جاتا تھا 1909ء میں دریافت کیا ہے۔ اس کے محقق اور مجلے گریمرے (Grimme) اور ایف۔ وی۔ ونٹنار F.V. Winnett ہیں۔ اس سے ملتا جلتا ایک سبائی خط بھی اسی زمانے کا دریافت ہوا یہ قدیم ترین خطوط اپنے اشکال حروف میں زمانہ طویل کے بعد وضع ہونے والے خط نسخ اور خط کوفی سے بہت مختلف ہیں۔ نسخ و کوفی خط نبطی سے پطرا، سینا، حجر، اور زبدجران کے مدارج طے کرتے ہوئے ساتویں صدی عیسوی میں اٹھائیس حروف کے داہنی سے بائیں جانب لکھے جانے والے رونما ہوئے۔ اولاً خط کوفی پتھر پر کندہ کیا جانے والا ہے لفظ خط تھا جس نے بعد میں شہر کوفہ میں ترقی پا کر یہ نام اختیار کیا۔ نسخ سدر سری رواں لکھائی کا خط تھا۔ پیغمبر اسلام نے خط کوفی میں لوک و سرداران عرب کو تبلیغ دین کے خطوط لکھوائے۔

اعلا کتابت کے ساتھ پہلا قرآن ابن عبدالعزیز کی فرمائش پر خالد بن ابوالہبیان نے تحریر کیا اس کا بہت خوشنما خط تھا۔ دوسرا خوشنما کاتب اسامہ بن لوی بن غالب کا غلام مالک بن دینار ہے جو اجرت پر قرآن لکھتا تھا۔ 130ھ میں فوت ہوا۔ پھر اس خط کو مزید سنبھالنے اور خوبصورت بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ بنی امیہ کے دور میں ایک علا خطاط قطبہ تھا۔ اس نے چار قسم کے قلم اور چار اسلوب وضع کیے۔ اصلی موزوں محقق اور مشق۔ خلافت عباسیہ کے اوائل میں ضحاک بن عجلان اس سے بڑھ کر ہوا۔ اس کے بعد منصور کا درجہ ہے۔ خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسحاق بن حماد اور اس کا شاگرد یوسف لقوہ الشاعر اور پھر ابراہیم بن محسن یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک کاتب ہوئے

ہیں۔ شقر خادم اور ایک کاتبہ شنا جو ابن قیوما کی لونڈی تھی۔ یہ سب فن خطاطی میں ایک ہی سلسلے کے ہیں۔ عبد الجبار رومی، شعرانی، ابرش، سلیم جعفر بن تکی کے خدام و کاتبین میں سے تھا۔ عمرو بن سعدہ، احمد بن ابوالخالد، احمد کلبی اور عبداللہ بن شداد کاتب مامون الرشید۔ عثمان بن زیاد العایل۔ محمد عبداللہ ملقب بہ مدنی۔ ابوالفضل صالح بن عبدالملک تیمی خراسانی یہ لوگ خطوط اصلی اور موزوں کے ماہر بلند پایہ خطاط تھے۔ خط محقق اور مشفق کے اسالیب پر عبور رکھنے والے ابن ابی حسان، ابن حضرمی، ابن زید فریالی، ابن ابی فاطمہ، ابن محالد شرایہ مہری، ابن سیر، ابن حسن ملیح، حسن بن لغالی، ابن حدیدہ ابو عقیل، ابو محمد اصفہانی، ابوبکر احمد بن نعر اور ابوالحسن وغیرہ ہیں۔ اس عہد کے مایہ ناز خطاط ختام بصری اور مہد کونی، ہارون الرشید کے دور خلافت میں تھے۔ بلند پایہ کاتب ابو حدی معتصم کے دور حکومت میں تھے جو اپنے لطیف و نازک خط کونی کے لیے شہرت رکھتے تھے کو فیول میں دوسرے نامور خطاط ابن اُم شیبان، مسحور، ابو حمیر، ابن حمیر اور انھیں میں ابو الفرج بھی ہیں۔

وہ خطاط جنھوں نے عربی خط کو منتہائے کمال پر پہنچا دیا؛ اسحاق بن ابراہیم۔ ابراہیم احوال فن خطاطی پر تحفۃ الواثق کا مصنف اور اپنے عہد کا بے مثل خطاط ہے۔ اس کا بیٹا ابوالقاسم اسماعیل۔ بھائی ابوالحسن، دوسرا بیٹا ابو محمد قاسم، ابوالعباس عبداللہ سب با کمال خوشنویس اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسحاق سے پہلے ایک کامل فن ابن معدن تھا۔ نبو وجہ التتبع، ابن میر، رنفلطی اور روایدی کا شمار بھی اعلا کاتبوں میں ہوتا تھا۔ مداد سے لکھنے والے ابوالمحمد عباس بن حسن، ابوالحسن علی بن عیسیٰ، اور ابو علی بن علی ابن مقلہ ہیں۔ وہ شخص جس سے عربی فن خطاطی کی تاریخ اور روایت وابستہ ہے، یہ اواخر رمضان 278^ھ کو پیدا ہوا اور ربیع الاول 338^ھ کو وفات پائی اس نے خطاطی میں کئی ایجادیں کیں اس کا پورا خاندان کاتب اور اعلا خوشنویس ہوا ہے۔

خط موزوں اور ان کے ہر اسلوب کی نوعیت

اس خط کے اسالیب کی کتابت سخت دقیق ہے ان میں ایک خط جلیل دشوار ترین ہے اس کی دو قسمیں ہیں، سجلان اور دیباچ۔ سجلان کے دو اسلوب ہیں سیمع اور اشیر یہ۔ دیباچ

جس میں سلطانی احکام و صحائف تحریر ہوتے تھے اس سے طومار کبیر نکلا۔ جس سے خر جاج اور ثلثین صغیر ثقیل وجود میں آیا۔ اس میں امرائے مملکت کو فرامین لکھے جاتے تھے۔ اس کے تین اسلوب ہوئے اقلیم زبور قلم مفتح اور قلم حرم۔ آخری خط عدلیہ میں مستعمل تھا۔ اس کے علاوہ ثلثین سے ایک اسلوب قلم سوامرات نکلا یہ بھی دارالقضا میں مستعمل تھا۔ ان دونوں سے چار طرز قلم اور پیدا ہوئے قلم ہود حرم سے ماخوذ سرکاری احکام و وصایا کے لیے اور قلم امثال النصف اس سے بھی دو خط برآمد ہوئے۔ قلم خفیف اور قلم قصص۔ دوسری شاخ سے قلم اجوبہ نکلا۔ اس طرح موزوں کی بارہ نوعیت ہوئیں ان سے بارہ طرز اور وجود میں آئے مثلاً خر جاج ثقیل و خفیف۔ طومار کبیر خفیف۔ سمعی سے خط سجالات اوسط۔ اشری سے خط مدور، رقاع وغیرہ وغیرہ ان سب خطوط کے استعمال کا موقع محل جدا جدا تھا۔ کتب نو بیسی میں چار طریقہ کتابت تھے۔ خط جلیل، خط طومار، خط نصف ثقیل اور خط ثلث کبیر۔

دولت عباسیہ کے آغاز سے پہلے جو خط مختلف مواقع کے لیے مقرر تھے دور عباسی میں ان سب کو قرآن کی کتابت کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اس دور میں نئے خط پیدا ہوئے جو خط عراقی کہلاتے ہیں۔ اس دور میں خط محقق جسے وراقی بھی کہتے ہیں پہلے سے کہیں زیادہ حسین دلکش ہو گیا اور مامون کے عہد میں انتہائی عروج پر تھا اسے احوال نے ترقی دی وہ خلیفہ کا محرر خاص تھا نئے خطوط میں سے کچھ کے نام دیے جاتے ہیں۔ خط مرصع۔ خط نسخ۔ فضل بن سہیل نے ذوالریاستین ایجاد کیا جو ریاسی سے معروف اور سب سے بہتر مانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ منشور۔ وشی۔ رقاع۔ مکاتبات خط غبا اطلبہ۔ خط نر جس، خط بیاض اور بہت سے اور بھی ہیں۔

قلم کی عظمت و فضیلت میں عربوں کے اقوال اوروں سے جدا ہیں۔ مثلاً غنابی کہتا ہے ”قلم ذکاوت و فطانت کی سواری ہے قلم کے آنسو بہانے سے چہرہ کاغذ پر مکرہٹ اور شادمانی پیدا ہوتی ہے“ (ابوداؤد) ”قلم عقل کا سفیر اس کی زبان گویا اور سچا ترجمان ہے“ (طریح بن اسماعیل ثقفی) ”باعظمت النساءوں کی عقل ان کے قلم کے ذندالوں سے وابستہ ہے“ (کندی) ”مجھے ایسے کوئی حروف نہیں معلوم جو اس قدر جلالت قدر اور نزاکت کے حامل ہوں جیسے کہ عربی حروف اس کی جیسی زود نویسی کسی تحریر میں نہیں اور کلمہ نے تو کتاب کی تعریف میں پورا اقصیدہ لکھا ہے۔

تیسرا باب

کلیسائے روم کی کتابیں

رومن شہنشاہیت کی شکست اور مسیحیت کی فتح یابی کے بعد کلیسائے روم نے اپنے خانقاہی قوانین اور مذہبی اداروں کے تحت کتابوں کی حفاظت اور مطالعہ کا کام جاری کیا۔ قدیم شہنشاہیت اور مسیحی مذہبی تحریک کی اس کشمکش کے عہد میں "کیسیوڈورس" ایک عجیب منفرد شخصیت ابھرتی نظر آتی ہے۔ یہ شخص پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی کے آغاز میں ہوا۔ پہلے شاہ تھیوڈورک اعظم کی خدمت و ملازمت میں تھا۔ جس کا زمانہ قدیم رومن علم و ادب کے شوق مطالعہ کا آخری دور تھا۔ کیسیوڈورس نے اپنی کبر سنی میں دنیاوی مشاغل سے کنارہ کشی کر کے جنوبی اٹلی میں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جس میں اس نے مسیحیت کی مجلس مطالعہ قسم کی ایک ایکاڈمی قائم کی۔ اس خانقاہ کے اصول و ضوابط میں راہبوں کے لیے گرجا کی خدمت و عبادت کی ایک نوعیت بغور کتابوں کا مطالعہ اور صحت کے ساتھ ان کی نقل کرنا بھی ایک فریضہ قرار دیا گیا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ کتابوں سے مراد نہ صرف دینی کتب بلکہ مسیحی تعلیم کے علاوہ دوسرے غیر مذہبی علوم کا یونانی و لاطینی دونوں زبانوں میں غیر جانب دارانہ مطالعہ بھی لازم تھا۔ کیسیوڈورس کے اس اقدام نے کلیساؤں کی دنیا میں خالص علمی مکتبہ فکر کی ابتدا کی اور خانقاہی نظام کے ذریعہ علوم عقلیہ کی ذہنی ترسیل کا بھی بندوبست کیا۔ یہ اس کٹر اور متعصب ذہنیت کے مسیحی دور میں پہلا بجدانہ قدم تھا۔

کیسیوڈورس کے مرنے کے بعد اُس کے کتب خانے کا ایک حصہ روم کے اسقف اعظم کے یہاں منتقل ہو گیا جہاں پہلے سے یعنی پانچویں صدی عیسوی سے کچھ کتابیں جمع تھیں اور

پاپائے روم کے دفاتر میں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ اطالیہ سے باہر کچھ دینی اور سماجی کارکنوں کی علم و ادب کے سلسلے میں ذاتی دل چسپی کا پتہ چلتا ہے جو اس اضطراب و انتشار کے دور میں خاص اہمیت رکھتا ہے، مثلاً آرک بشپ ایسی ڈونیس اپول نارس نے معرکہ اٹیلیا (Attila) کے دوران اپنے خطوط میں کچھ کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ٹونٹیس فیرولس کے مجموعہ کتب کا خاص طور پر تذکرہ ہے جو اس کے مکان پر ویشیا نا واقع نیمز میں تھا۔ اسے بشپ نے قدیم روم کے اچھے سے اچھے کتب خانوں کا ہم پدہ قرار دیا۔ لیکن فرینکس کے غلبہ پاتے ہی تہذیبی انحطاط کا ایک دور شروع ہو گیا۔ اور چھٹی صدی عیسوی کے اختتام تک تہذیب و ادب کا اچھا نہ ہو سکا۔ پھر بھی اسی زمانے میں ہسپانیہ کے عالم ودانش ور بشپ آئسی ڈوور نے نہ صرف ایک وسیع کتب خانہ سیواٹل میں قائم کیا بلکہ ان جمع کردہ کتابوں سے اپنی تصنیف میں کافی استفادہ کیا۔ ان میں اُس کی لکھی 'ایٹی مالوجی' ایک قسم کی سیکلو پیڈیا ہے جو صدیوں تک نصاب میں مستعمل رہی ہے۔

آئرستانی راہبوں کی کتابیں

پانچویں صدی عیسوی میں مقدس پادری پیٹرک نے آئر لینڈ کے باشندوں کو دین عیسوی میں داخل کیا اور صرف ایک صدی بعد آئر لینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں تقریباً تین سو خانقاہوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جن کی ادبی اور تہذیبی خدمات سر زمین روم سے جو ان کا سرچشمہ تھا آگے نکل گئیں۔ آئرش راہب مشرقی اور بازنطینی تہذیب اور یونانی زبان سے بخوبی واقف ہونے کے بعد لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے جلد ہی خطاطی کے فن اور کتاب سازی کے ہنر میں پیشہ وروں کی ایسی مہارت پیدا کر لی۔ انہوں نے کتاب سازی اور سجاوٹ میں ایک مخصوص قومی طرز فن ایجاد کیا۔ ان کی خطاطی کے شاہ کار سیاحوں اور زائرین کے توسط سے روم تک اور کتابی تبادلوں کے ذریعہ فرانس اور اطالیہ پہنچے۔ نویں صدی عیسوی میں آئر لینڈ کی یہ تمام خانقاہیں شمالی ساحل کے بحری قزاقوں نے تباہ و برباد کر دیں۔ لہذا ان کے قدیم قلمی نسخے اسی قدر دستیاب ہو سکے جو ان راہبوں نے براعظم یورپ کی کچھ خانقاہوں میں بھیج دیے تھے اور وہاں تلف ہونے سے بچ گئے تھے۔ آئر لینڈ کے راہبوں کی پُر جوش دینی عقیدتمندی ان کو

انگلستان اور براعظم یورپ میں تبلیغ مسیحیت کی غرض سے لے گئی۔ 590ء کے قریب مشہور آئرش پادری و کولمبن، اپنی قلمی کتابیں اور اپنے ساتھ بارہ راہبوں کو لے کر لگژوکیل پہنچے۔ وہاں ایک خانقاہ اور اس سے متعلق ایک کتب خانہ قائم کیا جو ایک صدی سے زیادہ زمانے تک فرانسیسی دانشوروں کا مرکز رہا۔ اسی طرح اطالیہ میں بویو کے مقام پر بھی انہوں نے مطالعہ کا ایک مرکز قائم کیا اور خطاطی کے آئرش طرز فن کی وہاں بھی ایک روایت قائم کی انھی راہبوں میں سے گیلس نے سوئٹزر لینڈ میں سینٹ گیلن کی خانقاہ تعمیر کی۔ جو اب تک موجود ہے۔ اس کی لائبریری نے آگے چل کر خاص شہرت و عظمت حاصل کی۔ انگلستان سب سے زیادہ ان راہبوں کے حلقہ اثر میں تھا۔ شمالی انگلستان میں لینڈس فار نے اور خاص کینٹربری کا گرجا سب سے اعلیٰ مقام اس زمانے میں بھی رکھتے تھے۔ دینی خدمت میں مشہور ترین شخص 'بیڈی' (بشپ بینڈکٹ) جو متعدد بار روم جا کر انگلستان کے لیے ذخیرہ کتب فراہم کرتے رہے۔ 'یابونی فنس' جنہوں نے جرمنی جا کر مسیحی تبلیغ کی اور 'فلدا' خانقاہ قائم کی۔ اس سے متعلق ایک بہت بڑا کتب خانہ فنس کتابت اور تصویح کا اسکول بھی تھا۔ بیڈی ہی کے ایک شاگرد 'یارک آر بشپ' ہوئے ہیں اور یہ سب آئرستانی راہبوں کے سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ غرض آئر لینڈ کے راہبوں کے ذریعہ خانقاہوں سے متعلق کتب خانے اور کتابوں کی عمدہ لکھائی کی ترویج و اشاعت کی ایک لمبی داستان ہے۔

کتابی رسم الخط کا ارتقا

یورپی خانقاہوں میں علمی، ادبی تہذیب جتنی تیزی سے ترقی کر رہی تھی اسی اعتبار سے کتابی رسم خط اور خطاطی میں بھی ایجاد و اختراع لازمی تھی۔ چونکہ مواد و موضوع کا ذریعہ اظہار لاطینی زبان اور اس کا قدیم رسم خط تھا اس لیے لاطینی حروف کی شکل اور کشید میں تنوع، طرح طرح کی جمالیاتی نقطہ نظر سے جمالیاتی جدتیں ہونے لگیں۔ تاکہ تحریریں ایک طرف دیکھنے میں تو دیدہ زیب اور دلکش ہوں اور دوسری طرف ان کی طرز کشید زود نویس میں موئد و معاون بھی ہو چونکہ لکھنے والوں کی الگ الگ جماعتیں، یورپ کے مختلف حصوں میں ان راہبوں کی قائم کی ہوئی خانقاہوں سے

تعلق رکھتی تھیں اس لیے پُر تکلف تحریر کے جدا جدا انداز (Style) تحقیق ہو رہے تھے۔ لاطینی رسم خط میں ایک تو بڑے حروف خطاطی میں گولائی سے تحریر کیے جاتے تھے۔ جنہیں میجسٹک کہتے تھے اور دوسرے رواں تحریر کے لیے پہلی صدی عیسوی میں ایک سرسری طرز تحریر (Cursive Style) وضع ہوا تھا جو جلدی اور روا روی میں استعمال ہوتا تھا۔ اس میں حروف چھوٹے اور سادگی سے کھینچے ہوئے تھے۔ ان ہی رواں تحریر کے حروف میں ہر ایک نے اپنے اپنے طرز کی جدتیں کیں اور آہستہ آہستہ انہوں نے کتابوں کی لکھائی میں جگہ حاصل کر لی۔ ان کو چھوٹے حروف یا مینیکول کہا جاتا ہے۔ ابتدائی عہد وسطیٰ میں یہ بتدریج مختلف خالقاہوں میں الگ الگ قومی طرز تحریر کی شکل اختیار کرنے لگے مغربی یورپ کا ٹھیک طرز ہسپانیہ میں آٹھویں صدی سے بارہویں صدی تک عام ہو گیا فرانسیسی یا میروونجین طرز دستاویزات کی تحریر کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اس کی کمی تغیر پذیر شکلیں تھیں۔ جو لگزیویل اور کاروی کی تحریروں میں نظر آتی ہیں۔ اطالوی طرز بویو کے مخطوطات سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بینی ونشین، ہیٹ کیسینو کی خالقاہ سے ترقی کر کے دسویں صدی سے گیارہویں صدی تک اطالیہ میں مقبولیت کے نقطہ عروج تک پہنچ گئی۔ اطالوی اور فرانسیسی طرز تحریر ایک حد تک یورپ کے دوسرے قومی طرز تحریر ایٹکلو سیکسن سے بھی متاثر ہوا جس کو جزیرہ نما طرز (Insular Form) بھی کہتے ہیں۔ تمام دوسری قوموں سے مختلف آئرش طرز اس بنا پر ہے کہ انہوں نے بجائے رومن سرسری طرز کے رومن نیم بیضاوی (Halfuncial) میں تنوع پیدا کر کے زیادہ گٹھے اور نو کیلے چھوٹے حروف پر اپنا ماتھ رواں کیا اور یہ ان کا اختیار طرز آگے چل کر تازہ تر بہت تیز گھسیٹ لکھائی کے چھوٹے حروف میں بھی جاری رہا۔ یہ خاص آئرش خط شکست وہاں کے راہبوں نے اپنے تبلیغی سفر کے دوران خالقاہ بویو، لگزیویل اور سینٹ گیکن میں جا بجا روانی سے لکھ کر اس کی دور دور تک تخم ریزی کی۔ انگریزی راہبوں نے بھی مذکورہ بالا دونوں طرز تحریر نیم بیضاوی اینگلو سیکسن اور چھوٹے حروف کی لکھائی اختیار کر کے پورے یورپ کو اس سے مانوس کیا۔

رومن رسم خط کے تمام مذکورہ بالا طرز تحریر کی ایک عام خصوصیت محفف نویسی (Abbreviations) کا رواج تھا۔ قدیم زمانے میں بھی مکرر آنے والے الفاظ

یافضروں کو مختصر کر دیا جاتا تھا۔ اس کا سراغ مصر قدیم سے یونانی اور رومن عہد تک ملتا ہے۔ لیکن عہد وسطیٰ میں پہلے صرف مذہبی تحریروں میں اور بعد میں غیر مذہبی مکتوبات میں بھی کچھ الفاظ کا محفف استعمال بارہویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی عیسوی کے دوران بالکل عام اور باقاعدہ ہو گیا۔ پہلے محفف کرنے میں کوئی اصول اور قاعدہ متعین نہیں تھا۔ انفرادی طور پر حسب موقع ان کا استعمال اپنے طرز پر ہوتا تھا۔ بعد میں محفف نویسی یکساں پابند شکلوں میں ہونے لگی۔

قدیم مصر، بابل اور عاشوری نہدیموں کا جو رنہ یونانی فنکار ہاتھوں سے کتب ساز راہوں کو ملا۔ اُسے انھوں نے بڑی محنت اور سلیقے سے استعمال کیا۔ وہ جس قدر فن حطاطی میں محنت کرتے تھے ویسی ہی کتاب کی آرائش اور سجاوٹ میں بھی کاوش کرتے تھے جس کی وجہ سے ان خانقاہی کتابوں کا نظارہ نہایت دلکش اور جاذب نظر ہوتا تھا۔ زمانے کے ساتھ ساتھ یہ کتابی آرائش تنوع پذیر ہوتی گئیں جنھوں نے کتابوں کے عہد اور زمانوں کو متعین کرنے میں بڑی مدد دی۔ انہی کے توسط سے ہر کتاب کسی خاص زمانے سے منسوب ہے۔ رومن عہد باز نطینی عہد، عہد وسطیٰ کا پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا اور اپنے امتیازی طرز آرائش سے شناخت ہوتا ہے۔ مثلاً گیارہویں بارہویں صدی کا باز نطینی عہد بہت زیادہ سنہرے کام، ارغوانی رنگ اور دوسرے گہرے رنگوں سے پہچانا جاتا ہے۔ شمالی انگلستان اور آئرلینڈ کی آخر نویں صدی کی کتابیں کلٹک آئرستانی طرز مصوری کو نمایاں کرتی ہیں۔ جس کی خصوصیت لیسوں پر چڑیاں، کتے، اور دیومالائی جانوروں کی تصویریں ہیں۔ لیکن اس زمانے کی تمام کتابوں میں ایسی ہی تزئین و آرائش لازمی نہیں تھی۔ بہت سی کتابیں ایسی بھی ہوتی تھیں جن میں یہ سب اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ ان کے تاریخی عہد کے ساتھ پہچاننے میں دشواری ہوتی ہے۔

نئے خانقاہی سلسلوں کی کتابیں

عہد وسطیٰ میں خانقاہوں کا نظام صحیح معنوں میں کتابوں کی دنیا تھی۔ اگرچہ براہ راست اس کا تعلق دین مسیحی کی تبلیغ اور عیسائی مذہب کے اصول عبادت کی تلقین سے تھا، لیکن بائبل کے ماسوا اور دینیات عیسوی سے قطع نظر دوسری کتابوں کا رجحان

بھی خالق ہوں میں پیدا ہو کر خاموشی سے پرورش پاتا رہا۔ اس رجحان کی تاریخ یوں تو بہت قدیم ہے مگر عہد وسطیٰ میں اس کا سلسلہ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے ہے۔ جب کہ جنوبی اطالیہ کی ایک خالقاہ ویرانیم (The Veranium) میں کیسو ڈورس نے راہوں کو آزاد مطالعہ کی راہ پر لگانے کے لیے ایک اکاڈمی قائم کی تھی انہی عیسائیوں اور راہبوں میں سے تہذیب و ادب کے دلدارہ بند کٹائن نے بہت سی ایسی خالقاہوں کا سلسلہ قائم کیا جس کے راہبوں میں کلاسیکی ادب اور قدیم علم و حکمت کے مطالعہ کا گہرا ذوق و شوق تھا۔ یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ عیسائی راہبوں کے ذریعہ طلب علم اور مذاق ادب میں ترقی ہوتی گئی۔

چھٹی صدی کے اگلے نصف حصہ میں تقریباً تمام یورپ میں بہت سی بند کٹائن خالقاہیں وجود میں آگئیں تھیں جو دینیات کے ساتھ کلاسیکی ادب کا مطالعہ اور ان کی نقلیں کرنے میں مشغول تھیں۔ کلیسا کی مقدس کتابوں کو پڑھنے کے لیے یونانی اور لاطینی زبان تو جاننا ضروری ہی تھی۔ لہذا ان راہبوں کو کلاسیکی ادبی تصنیفات کا گہرا مطالعہ کرنے اور اس میں اعلیٰ قابلیت پیدا کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی۔ اس طرح ایک بین الاقوامی کلاسیکی ادب و تہذیب کی سوسائٹی قائم ہو گئی۔

بارہویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک ایسا طبقہ رونما ہو گیا تھا جو آزاد نظریاتی علوم عقلیہ اور کلاسیکی ادب کا شیدائی تھا۔ اس جدید تحریک میں سب سے قدیم خالقاہ ماننے کیے نیو پیش پیش تھی۔ دوسرے کئی خالقاہی نظام اس تحریک سے وابستہ ہو کر اسے طاقت پہنچانے لگے۔ بند کٹ نظام خالقاہ سے جو چشمے از خود جا بجا پھوٹنے لگے۔ ان میں سے ایک کلونک علمی ادبی سوسائٹی بھی ہے جس کا صدر مقام انگلستان میں کینٹربری تھا اور سینٹ ایان کا ایبے بھی اس کا ہم دوش تھا۔ اس سلسلے کو نئے خالقاہی نظام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ عہد وسطیٰ کے آخری برسوں میں پورے عروج پر تھا۔ کارمیلٹ برادران، اور مینڈکٹ وزائر، فرانسس، اور ڈومیکن نے بھی اس میں پُر جوش حصہ لیا۔ انگلستان میں مینڈکٹ 1224ء میں آئے اور لندن و آکسفورڈ میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ کیا۔ اسی طرح وہ سیکسنی، بیسل، وینس اور دیگر مقامات پر کلاسیکی علم و ادب کی بنیادیں قائم کرتے گئے۔ فرانسسکن راہبوں کے ذریعہ اس ابتدائی زمانے میں ایک مرکزی فہرست (Union Catalogue) بھی مرتب ہوئی۔

چودھویں صدی کے اواخر میں انگلستان کی ایک سوچھی ساسی خالقا ہوں سے ان کی جمع کی ہوئی کتابوں کے متعلق پوری معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی گئی اور ان کی اطلاعات کی بنیاد پر جو کٹیڈاگ تیار ہوا وہ اب بھی آکسفورڈ کی 'بوڈلین' لائبریری میں ہے۔

یونیورسٹیوں کی ابتدا

بارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں جو علمی درسگاہوں کی تحریک شروع ہوئی وہ کافی طاقتور اور تیز رفتار تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یونیورسٹیاں بنی شروع ہو گئیں۔ سب سے پہلے قائم ہونے والی یونیورسٹیوں میں 'پیرس'، 'پارڈوا' اور 'بولوگنا' ہیں جو فرانس، اسپین اور اطالیہ میں تھیں۔ پیرس میں پہلے کالجیم کی بنیاد ایک پادری رابرٹ ڈی سار بونانے رکھی تھی جس کی رعایت سے اسے اب بھی سار بونا کہا جاتا ہے اور بولوگنا یونیورسٹی رومن قانون کے مطالعے کا مرکز ہو گئی۔

یونیورسٹیوں کے قیام نے کتابوں کی تجارت کا بازار کھول دیا تھا۔ اس زمانے میں کتب فروشوں کو 'اسٹیشنری' کہتے تھے۔ انگلستان کے اسٹیشنری کتب فروش اسی دور کی یادگار ہیں۔ ان کتب فروشوں اور ان کے کتابوں کا تقریر نیز ان کے کام کی باقاعدہ نگرانی یونیورسٹی کی طرف سے ہوتی تھی۔ معاہدہ کے مطابق انھیں مطلوبہ کتابوں کا اسٹاک رکھنا بڑھتا تھا۔ کتابوں میں پوری صحت اور طالب علموں کو حسب ضرورت فراہم کرنا لازمی شرائط تھیں۔ کتابوں کی فروخت صرف مقررہ کمیشن پر ہو سکتی تھی۔ اس طرح یہ تجارت اگرچہ سخت اصول و قواعد اور کچھ حدود کی پابند تھی اس کے باوجود کتب فروش بڑی تعداد میں ہر دارالعلوم کے گرد خصوصاً پیرس میں جمع ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس کاروبار میں پھر بھی اچھی خاصی آمدنی تھی۔ کتب فروشوں کے قوانین 1259ء میں بولوگنا میں اور 1275ء میں پیرس میں بن گئے تھے۔ کتب فروشوں کی طرح جلد ساز بھی کمیشن پر کام کرنے کے لیے یونیورسٹیوں سے منسلک تھے۔ ایک کتب فروش جس یونیورسٹی سے وابستہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری یونیورسٹیوں کے ہاتھ بھی کتابیں فروخت کر سکتا تھا۔ چنانچہ علم ادویہ اور معالجے پر کتابیں ابتدا میں 'سالرنو' اور مانٹ پلیئر سے آتی تھیں۔ علم درس و تدریس اور علوم منداولہ پر پیرس سے اور

قانون پر بلوگنا سے درآمد ہوتی تھیں۔

عہد وسطیٰ میں تہذیب و ادب کی قدریں صرف اعلیٰ طبقے تک محدود تھیں کیونکہ چرمی کتابوں (ویلیم) کی قیمت بہت زیادہ تھی اکثر ایک ایک وصلی پر کسی مضمون کا محض ایک ایک جز لکھ کر فروخت ہوتا تھا۔ کتابوں کو نقل کرنا ایک مرحلہ تھا جو کم اجرت پر اب ممکن نہ تھا۔ قدیم رومن عہد کے غلام کاتبوں کی وہ ارزانی محنت تو اب نصیب نہ تھی۔ اس لیے کتابوں کی قیمت دسویں صدی عیسوی میں آسمان کو چھو رہی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک نواب زادی نے دو سو بیڑے تین سو پیرل اناج اور کچھ قیمتی سمورا دارا کر کے صرف ایک سرمن (مناجات) کی کتاب خریدی تھی چودھویں صدی عیسوی میں آئرلین کے ایک نواب نے دعا کی کتاب کی دو جلدیں دو سو سونے کے سکوں میں خریدی تھیں۔

چوتھا باب کاغذ کی ابتدا

کاغذ کے ظہور نے کتابوں کے جلوے کی رسائی دور تک ممکن بنا دی حتیٰ کہ متوسط طبقے کے ہجوم پر بھی علم و ادب کی کرنیں بکھرنے لگیں۔ عربوں کے فیض سے بارہویں صدی عیسوی میں ہسپانیہ اور سرزمین یورپ کے عوام نے نہ صرف کاغذ کا نام سنا تھا بلکہ کاغذ کی شکل دیکھنے اور اس کا ہنر سیکھنے کی خوش نصیبی بھی حاصل کی تھی۔ مغربی محققوں کا خیال ہے کہ اسلامی عربانے چین سے یہ نسخہ کیمیا براہ راست حاصل کیا تھا جب کہ ایران کے جدید انکشافات یہ ہیں کہ ایرانی مملکت خراسان میں ابتدائی عربی فتوحات کے زمانے میں کاغذ سازی کے کارخانے موجود تھے اگرچہ وہ اس وقت بند پڑے تھے۔ بہر حال یہ عربوں کے طلب علم اور تحقیق فن کی تاریخ کا ایک یادگار باب ہے۔

کاغذ کی ایجاد کا سہرا دراصل چین کے سر ہے اس نے اس صنعت کی دریافت ایک اندازے کے مطابق 104ء میں کر لی تھی لیکن تقریباً سات سو برس تک دنیا کو اس ہنر سے بے خبر رکھا تھا۔ جب پمپرس مکفوفے اور چرمی پارچے روم کے کتب خانوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وقت چین میں ریشم پر کتابیں لکھنے کا زمانہ تھا جو 214 ق۔ م میں لکڑی کی تختیوں پر لکھی کتابوں کے جلائے جانے کے بعد شروع ہوا تھا۔ ریشم کی پوری پیداوار چین کی علمی ادبی تصنیفات کو جامہ فراہم کرنے سے قاصر تھی۔ کوئی دوسری چیز دریافت کرنے کے لیے چین کا دماغ سرگرداں تھا۔ پہلے تو ریشم کے کٹے پھٹے بوسیدہ ٹکڑوں یا گودڑ کی باریک چندریوں کو کسی محلول میں جذب کر کے ریشم کی ایسی جیسی شے بنائی گئی جسے باریک چادر جیسی ایک ابتدائی کاغذ کی شکل ڈھالنے میں انھوں نے کسی قدر کامیابی

حاصل کر لی یہ پہلی صدی ق م کے آخری برسوں کی بات ہے لیکن ریشم کی قلت اور گرانی چینیوں کی اس صنعتی اُپج کو بھی گوارا نہ کر سکی۔ اس تحقیقات و تلاش کا سلسلہ 104ء تک جاری رہا۔ بالآخر وہ مادہ دریافت کر لیا گیا جو بہت کم قیمت اور بہ افراط مل سکتا تھا 105ء میں 'تسائی لن' چینی محقق نے پھٹا پرانا سوتی کپڑا، اکرٹری کی چھیلن، مچھلی پکڑنے کے پرانے بے کار جال اور ایسی ہی کچھ بے مصرف چیزوں کو گلا سڑا کر لہدی تیار کی اس سے پہلا قدیم ترین کاغذ نمودار ہوا جو اگرچہ اتنا صاف چمکنا اور نفیس کاغذ نہ تھا جیسا کہ آج ہے، لیکن وہ بہ حال کاغذ ضرور تھا۔

کاغذ پر لکھی ابتدائی کتابیں

اس ایجاد نے چین میں بہت جلد مقبولیت عام حاصل کر لی یقین کیا جاتا ہے کہ اگلی دو ایک صدیوں میں چین نے بہ کثرت اس پر کتابیں لکھی ہوں گی جو محفوظ نہ رہ سکیں۔ وہ اپنی نو ایجاد صنعت کی قدر و قیمت شروع ہی سے جان گئے تھے کیونکہ عرصہ دراز تک انہوں نے دنیا کی دوسری تہذیبوں سے اسے چرائے رکھا۔ ریگستان تبت کے ایک نخلستانی قصبہ 'لوپ نور' سے کھدائی میں کچھ تحریریں کاغذ پر بھی ملی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ چین میں دوسری صدی عیسوی میں کاغذ عموماً لکھائی میں مستعمل تھا۔ ترکستان میں 'تن'، 'ہوانگ'، 'مندر' کی دیواروں میں مدفون کتابوں سے بھی اس کا ثبوت برآمد ہوا۔ یہ تحریریں برطانوی میوزیم میں 'بلو تھک نیشنل (فرانس) میں اور رائل لائبریری کوپن ہیگن میں محفوظ ہیں۔

سات سو سال سے زائد زمانہ تک چین نے کاغذ کی دریافت کا راز سربستہ رکھا۔ لیکن عرب ترکستانی علاقے میں کچھ چینیوں سے یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آٹھویں صدی عیسوی میں پہلا کاغذ کا کارخانہ عرب اسلامی تہذیب کی سرکردگی میں سمرقند میں قائم ہوا۔ اس صنعت کو تیزی کے ساتھ اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ نہ صرف شہر شہر اسلامی مملکت میں جلد ہی کاغذ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے جاری ہوئے بلکہ مدرسوں کے طالب علم اپنی ضرورت کا کاغذ خود چھوٹے پیمانے پر تیار کرنے لگے۔ اس پر اپنے نصابی کتابوں کی نقلیں تیار کرتے تھے جو اسلامی نظام تعلیم کا ایک وصول تھا۔ طالب علموں

کایہ کاغذ سازی کا مشغلہ تمام اسلامی مملکتوں میں گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ آٹھویں صدی سے اٹھارھویں اور انیسویں صدی تک ہر جگہ جہاں مسلمان تھے جاری رہا۔ ترکستان کے بعد دمشق، قاہرہ، بغداد اور قرطبہ میں کاغذ کی صنعت نے ترقی کے اعلامدارج طے کیے۔ یورپ کی سرزمین پر عربوں نے پہلا کارخانہ 1085 عیسوی میں "جاٹیوا" (اسپین) میں قائم کیا۔ دوسرا کارخانہ عربوں کی مدد سے 1270ء میں "فیبریاٹو" کے مقام پر اطالیہ میں قائم ہوا جو مسیحی یورپ میں پہلا کارخانہ تھا۔

یورپ میں کاغذ سازی کا ابتدائی طریقہ

ابتدا میں کاغذ کی صنعت دریافت ہونے کے بعد بھی یورپ نے اس کی طرف زیادہ دل چسپی نہیں لی کیونکہ کاغذی صنعت مسلمانوں اور یہودیوں سے قریبی رشتہ رکھتی تھی۔ ممکن ہے مسیحی پادری اسی وجہ سے اجتناب کرتے ہوں دوسرے یہ کہ کاغذ نہ تو چرمی پارچوں کی طرح چکنا اور پائدار تھا اور نہ اس پر زیادہ خوبصورت لکھائی ممکن تھی۔ اس وقت تک اس کی سطح چرمی وصلیوں کی طرح صاف اور چمکدار نہ تھی۔ لیکن روز بروز کتابوں کے لیے چرمی تختیوں کی مانگ بڑھنے اور ان کی درآمد گھٹنے کی وجہ سے مجبور ہو کر روم و یونان کے پبلشروں اور کتب فروشوں کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ کاغذ بنانے کا کام جو اطالیہ میں تیرھویں صدی کے آخر میں شروع ہوا تھا وہ پندرھویں صدی میں روم اور مشرقی یورپ میں بہت سے ملکوں میں پھیل گیا۔ 1490ء میں انگلستان میں بھی یہ صنعت اچھی طرح مقبول ہو چکی تھی اور کاغذ تیار ہونا ہوا تھا۔

یورپ میں کاغذ بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ پھٹے پرانے کپڑوں کے ٹکڑے اکٹھا کر کے لائے جاتے تھے۔ پہلے انھیں دھو کر خوب صاف کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد بن چکیوں سے پانی کی تیز دھار ایک حوض میں جسے "ویٹ" (Vet) کہتے تھے گھلا کر ریزہ ریزہ کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ لبدی بن جاتا تھا۔ اس لبدی میں بہت سا پانی ملا کر ایک رقیق سیال بنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد جس حوض میں یہ سیال بھرا ہوتا تھا اس میں ایک باریک جالی دار پیندرے کی بڑی سی کشتی ڈال کر اس محلول کی ایک چادر بنا لی جاتی تھی۔ پانی چھلنی سے چھن کر بہ جاتا تھا اور کشتی کی تہ میں

لُبدی کے باریک ریزوں کی ایک پتلے ورق جیسی سطح جم جاتی تھی۔ پانی کی بوندیں دیر تک جالی سے رستی رہتی تھیں۔ جب کافی رطوبت زائل ہو جاتی تھی اور تیار شدہ بڑا سا ورق اتنا مضبوط ہو جاتا تھا کہ اُسے کشتی سے نکال کر سوکھنے کے لیے الگنی پر ڈال دیا جاتا تھا۔ پھر اسے پریس کر کے بالکل ہموار کیا جاتا تھا اور شکنیں پورے طور پر مٹادی جادی جاتی تھیں۔ آخر میں اس کو لئی یا کسی جانور کی سرپس کے محلول میں ڈبو کر نکال لیتے تھے اور شکنیں دور کر کے خشک کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح اس میں سیاہی جذب کرنے کی علت کم ہو جاتی تھی۔ اس طریقے سے لکھائی کے لیے کاغذ تیار ہونے لگا۔

کاغذ کا ملکوں ملکوں میں استعمال

یورپ کی سرزمین پر ٹولید و مقام پر اسپین میں پہلا کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔ اسپین سے کاغذ کی صنعت اطالیہ، فرانس اور نیدر لینڈ پہنچی۔ 1336ء میں پہلا کاغذ کامل جرمنی میں نور برگ کے ایک تاجر 'الوان اسٹرومر' Ullwan Stromer نے مشہور اسٹرومر کاغذ مل قائم کیا۔ 1407ء میں ہالینڈ اور سوئٹزر لینڈ نے جرمنی سے یہ صنعت سیکھ کر اعلا کاغذ بنانے میں شہرت حاصل کر لی۔ انگلستان میں 1490ء میں ہرٹ فورڈ شائر کے مقام پر 'جان ٹیٹ' نے پہلا کاغذ کامل قائم کیا۔ اس مل کے کاغذ کا واٹر مارک ہشت پہل ستارہ تھا۔ 1498ء میں اس مل کے بنے ہوئے کاغذ پر چاسر کی لکھی ہوئی کتاب چھپی 1588ء میں ایک جرمن باسٹندہ 'اسپل مین' کو ملکہ الزبتھ نے کاغذ کامل بنانے کا فرمان جاری کیا اور کینٹ میں 'ڈاٹ فورڈ' مقام پر ایک کارخانہ قائم ہوا۔ انگلستان میں کاغذ کی صنعت مستحکم طور پر 1685ء سے قائم ہوئی جب کہ فرانس کی مشہور سیاسی تحریک 'ہیگوناٹ' کے شدید اثرات کے تحت کچھ سیاسی مہاجرین انگلستان میں آکر آباد ہوئے ان میں بعض اعلیٰ پائے کے کاغذی صنعت کے کاریگر تھے۔ اسی سال جان فرانسسکو نے نہایت نفیس کاغذ کو پینٹ کر لیا۔ انگلستان میں اگرچہ اچھے قسم کا کاغذ بننے لگا تھا لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی تک کاغذی صنعت محض ایک دست کاری کی حیثیت رکھتی تھی 1798ء میں نکولاس لونس رابرٹ نے پہلی بار کاغذ سازی کی ایک مشین ایجاد کی جو بارہ سے پندرہ میٹر تک کاغذ کے تختے نکال سکتی تھی۔ اسی زمانے میں ڈیڈاٹ نے اپنے برادر نسبتی ایک انگریز 'جان گیمبل' کو استحقاق دیا کہ وہ انگلستان

سے رابرٹ کا پیٹنٹ اپنے نام حاصل کر لے۔ اگرچہ اس زمانے میں انگلستان اور فرانس میں مشہور تاریخی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ مگر ڈیڈاٹ انگلش چینل کسی نہ کسی طرح عبور کر کے انگلستان پہنچ ہی گیا اور لندن کے دو بڑے تاجر ان کتب ہنری اور سیلنی فورڈریز سے تعلقات پیدا کر کے پیپر مشین کے سلسلے میں ان کی ہمدردی حاصل کر لی یہاں تک کہ گیمبل کا نام فہرست میں آ بھی گیا اور مشین کی تیاری کے لیے ایک قابل انجینیر "بریان ڈانکن" Bryan Donkin کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں پہلی انگلش مشین 1803ء میں کچھ دنوں تک چلتی تھی رہی اور 1804ء میں اس نے دوسری مشین پیٹنٹ کرائی لیکن اس کا روبر میں گیمبل کو بہت گھاٹا ہوا اور وہ فورڈریز پر اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ 1809ء میں مسٹر بے۔ ولسن نے جو کہ موجودہ جان ڈکنس اینڈ کمپنی کے بانی ہیں۔ ایک سلنڈر کاغذ سازی کی مشین ایجاد کی اور 1821ء میں کچھ مزید ترقیاتی اضافے کیے، پھر تو یہ صنعت روز بروز اعلیٰ مدارج طے کرتی ہی گئی۔ 1884ء میں ٹینانٹ نے بلیچنگ پاؤڈر کو کاغذ سازی کی صنعت میں داخل کیا۔

پانچواں باب

مغرب میں چھپائی کا آغاز

چین میں چوبی ٹھپوں کے ذریعے چھپائی تو بہت برسوں پہلے یعنی دوسری تیسری صدی عیسوی میں شروع ہو چکی تھی۔ گیارھویں صدی عیسوی میں ایک شخص پی۔ شننگ Pi-Sheng حروف کے حرکت پذیر ٹائپ بھی مٹی کے ساپنوں میں ڈھال کر تیار کر لیے۔ یہ کتاب کی تاریخ میں ایک عظیم الشان کارنامہ تھا جو اس وقت یورپ یا دنیا کا کوئی خطہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ پی۔ شننگ نے چینی رسم الخط کی تمام علامتوں کو پہلے مٹی کے ساپنوں میں اور پھر دھات کے ٹائپ حروف میں ڈھال لیا۔ جن کی مجموعی تعداد چار پانچ ہزار مختلف شکلوں پر مشتمل تھی۔ اس نے ان حروف ٹائپ کو حسب ضرورت کتاب کے کسی صفحے کی چھپائی کے لیے ایک لکڑی کے تختے پر موجود کمپوزنگ کے انداز میں جمایا اور ان ٹائپ حروف پر روشنائی لگا کر کاغذ پر ان کو دبانے کا وہی اصول اختیار کیا جس پر دنیا کے ہر پرپیس کی بنیاد آج تک قائم ہے۔ اس طرح ایک ایک صفحے کی چھپائی کر کے اس نے پوری کتاب چھاپالی۔ پی۔ شننگ کی چھپائی ہوئی کتاب کے طریقہ عمل اور 1456ء میں یورپ کی ایک بائبل کی پرنٹنگ کے طریقہ میں اصولاً کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن دو ممالک کے درمیان ذہنی فاصلہ چار سو برس کا ہے۔ پی شننگ کے مرنے کے بعد ٹائپ سے چھپائی کا طریقہ ترک کر کے پھر ٹھپوں سے چھپائی یا بلاک پرنٹنگ ہی آسان نظر آئی کیونکہ ہزاروں علامتوں کو ڈھالنا اور کمپوز کرنا بڑا طویل صبر آزما اور زحمت کا کام تھا۔ 1390ء میں دوبارہ کوریا میں ٹائپ پرنٹنگ کو مقبول بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کچھ عرصے بعد پھر یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑنا پڑا اور چین جس زمانے میں اپنی اس ایجاد سے آخری طور پر دست کش ہوا۔ یورپ

اس وقت اس کا طلبگار تھا۔ کیونکہ کاغذ کی ایجاد کے بعد زیادہ سے زیادہ مواد و موضوع اشاعت کے لیے بے چینی سے منتظر تھا۔ اب چھپائی کے سامان کی کمی نہ تھی لیکن کتابت کی سست رفتار کی کتابوں کی زبردست مانگ پوری کرنے میں بڑی رکاوٹ تھی اور یورپ میں تہذیبی ارتقا کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔

چوٹی ٹھپوں کے ذریعہ چھپی ابتدائی کتابیں

چنانچہ یورپ میں نویں صدی عیسوی میں لکڑی یا دھات کے ٹھپے پر بنے ہوئے ڈیزائن سے کپڑوں پر چھپائی کا جو کام شروع ہو گیا تھا اسے کتابوں کی چھپائی میں بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی اس کا سلسلہ بھی چین ہی سے شروع ہوتا ہے۔ یورپ میں ٹھپوں کی چھپائی چین ہی کی طرز پر شروع ہوئی تھی مگر اس کا سراغ نہیں ملتا کہ یہ فن چین سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ایجاد یورپ میں کسی شخص کی تنہا کوشش سے ہوئی یا کسی خارجی ذریعہ سے اس کا خیال پیدا ہوا اس کا پتہ چلانے کے لیے تاریخی کڑیاں ڈھونڈنے میں ملتی ہیں۔ بہر حال کپڑوں پر طرح طرح کے ڈیزائن کی چھپائی کچھ آگے چل کر کچھ مقدس مسیحی بزرگوں کی تصویروں، تاش کے پتوں یا ایک صفحہ کا کوئی مضمون چھاپنے میں بھی کام آنے لگی۔ تاہم 1430ء سے پہلے کسی کتاب کی طباعت کی معلومات نہیں حاصل ہوئیں۔ اگر مختصر جزوی چھپائی پر اس زمانے کے تقریباً تین ہزار نمونے ٹھپوں سے چھاپے ہوئے آج مختلف میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ اور جرمنی میں 1430ء اور اس کے بعد کچھ کتابیں بھی ٹھپوں کے ذریعہ چھاپی گئیں۔ اس چھپائی کو زیلوگرافی کہتے ہیں۔ ٹھپوں سے چھپائی کے لیے روشنائی، اسی کے تیل، وارنش اور چرائے کی سیاہی سے مرکب تیار ہوتی تھی۔ کاغذ کو گھوڑے کے بالوں سے بھرے ہوئے تیکے اور لکڑی کے تختے کے درمیان دباؤ ڈال کر پریس کر کے چھاپا جاتا تھا۔ اس طرح کی چھپی کتابوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مجموعی طور پر سو کے لگ بھگ ہوں گی۔ جن میں زیادہ تر لاطینی زبان میں ہیں۔ عبارت کے ساتھ جا بجا تصویروں، مرقعہ وغیرہ دوسری قلمی کتابوں کی طرح ان کی نمایاں خصوصیت ہیں۔

حرکت پذیر چوٹی ٹھپوں کی یورپ میں ابتدا

اسی زمانے میں کہ جب یورپ میں کتابوں کی چھپائی کا کوئی بہتر طریقہ معلوم کرنے کی

کوششیں ہو رہی تھیں مشہور و نیشن سیاح مارکو پولو اور کچھ دوسرے لوگ مشرق بعید کی طویل سیر و سیاحت کے بعد دُور دراز سرزمین کے حیرت انگیز واقعات و احوال لے کر واپس ہوئے تھے۔ ان کے ذریعے یورپ کو چین کے اس عجیب و غریب حروفِ ٹائپ ڈھلانی کی ایجاد کا علم ہوا یا مشرق کے اثر سے آزاد رہ کر مغرب کو ٹائپ حروف کی اُپج سوچی۔ یہ تاریخ کا ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ مہنف سو نیڈ ہائل نے اول الذکر خیال کو مسترد کیا ہے۔ وہ جان گٹن برگ جو قبضہ مینر: جرمنی کا ایک سنار تھا یورپ میں حرکت پذیر ٹائپ حروف کا ذہنی محرک قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اسی۔ ایس۔ ہاروے اور جے ہمنیڈن نے اپنی کتاب پیپرس سے پشتِ قرطاس تک میں مارکو پولو کی چین سے واپسی اور ٹائپ حروف کی ایجاد کے قریبی زمانے کا ذکر کر کے اس ایجاد کا چین سے ایک ذہنی رابطہ قائم کیا ہے۔ بہر حال 1430ء میں رومن حروفِ ہتھی کو یکسانیت اور ہواری کے ساتھ دھات کے ٹائپ حروف میں ڈھالنے کی کوششیں سرگرمی سے جاری تھیں۔

جان گٹن برگ سے پہلے ہالینڈ کے ایک شخص لارنس جان سون کو سٹر نے جو ہالرم کارہنے والا تھا چوٹی حرکت پذیر ٹائپ حروف تیار کیے تھے، جن کی آکلن (Akehen) کے ایک تہوار کے میدے میں 1440ء میں نمائش کی گئی اور ان چوٹی ٹائپ حروف سے چھپائی کر کے کچھ کام بھی پیش کیا تھا۔ اس کے علاوہ اوگنان کے ایک بوہمین سنار پروکوپ والد فونیل کا نام بھی ٹائپ حروف ڈھالنے کے سلسلے میں 1444ء کے دوران آتا ہے۔ 1324ء سے 1448ء تک یورپ میں ٹائپ حروف وضع کرنے کی کوششیں میں بہت سے دماغ تگ و دو کر رہے تھے۔ درحقیقت یورپ میں اس وقت علوم و فنون کے احیاء کی ایک تحریک شروع ہو چکی تھی جس کا تذکرہ اگلے صفحات پر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ عام لوگوں کی توجہ پڑھنے لکھنے پر مائل تھی اور انہیں زیادہ سے زیادہ کتابوں کی ضرورت تھی لہذا صنعتی ذہن کی سب سے طاقت ور لہر ٹائپ حروف کی ایجاد پر مرکوز ہو گئی۔ مختلف مقامات پر ان کے وضع کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں اور کئی موجد کامیابی کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ سب سے زیادہ کامیاب کوشش جان گٹن برگ کی ثابت ہوئی۔

جان گٹن برگ کی ایجاد (دھات کے حرکت پذیر ٹائپ حروف) ٹائپ کی ایجاد سے پہلے کی جان گٹن برگ کی سوانح حیات تاریکی میں ہے۔ اس

کے ذہن کی رسائی اس ایجاد تک نامعلوم ذرائع سے ہوئی۔ اپنی ایجاد کو سامنے لانے میں اسے سخت دشواریوں کا سامنا ہوا۔ مالی مشکلات بھی پیش آئیں اور حریفانہ چشمکیں بھی۔ حروف ڈھلنے کے لیے اسے روپے کی ضرورت تھی۔ اس نے ایک مہاجن "مسٹر فسٹ" سے قرض لیا جس کا اسے سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وہ مینیس کارہنے والا تھا جہاں کے سیاسی حالات سخت ناقابلِ اطمینان تھے۔ بڑی اٹھل پٹھل مچی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مینیس چھوڑ کر اسٹراس برگ چلا آیا تھا۔ 1438ء میں اس ایجاد کو عملی شکل میں لانے کے لیے وہ سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ 1448ء تک وہ بہت سے جھگڑوں میں پھنس گیا تھا۔ حروف ڈھال چکا تھا مگر پریس چلنا شروع نہیں ہوا تھا۔ اس سال اسے اسٹراس برگ چھوڑ کر پھر مینیس واپس آنا پڑا۔ ٹائپ ڈھل گئے تھے مگر کوئی کتاب چھاپنے تک بڑی دشوار منزل تھی۔

حریفوں کے دعوے

اس ایجاد کو اپنے نام رجسٹر دکرانے اور واقعی موجد قرار پانے کا ایک سخت مرحلہ تھا۔ کچھ لوگوں کا اوپر ذکر آچکا ہے کہ وہ اس ایجاد پر اپنی حقیقت کا دعو کر رہے تھے۔ 1439ء میں اس بنا پر ایک مقدمہ جان گٹس برگ پر چل گیا۔ غرض کہ بمشکل تمام وہ اس کی حقیقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ 1456ء میں اس نے ایک بڑی لاطینی بائبل کا ایڈیشن نکالا اور 1469ء تک اس نے کئی کتابیں شائع کیں۔ اسی سال اس کا انتقال ہوا۔ گٹس برگ کو اپنے پریس کے نصف حصے سے 'فسٹ' کے قرضے کی علت میں ہاتھ دھونا پڑا۔ فسٹ نے گٹس برگ کے آدھے کاروبار پر قبضہ کر کے ایک اعلا اور ممتاز آرٹسٹ 'مسٹر اسکوفز' کی شرکت میں علاحدہ پریس چلا کر اس سے حریفانہ مقابلہ کیا۔ اس میں سرمایہ فسٹ کا اور فنی و کاروباری قابلیت اسکوفز کی تھی۔ اس نے بھی بڑی اہمیت پیدا کر لی تھی۔ یہ دونوں پریس یکے بعد دیگرے یورپ میں ٹائپ حروف سے کئی ابتدائی کتابیں چھاپنے والے تاریخ ساز مطابع تھے۔

پریس کی مقبولیت

کئی مطبوعہ کتابوں نے یورپ کے اس پہلے پریس مطبع جان گٹس برگ سے خود کو

منسوب کر کے اپنی قدر و قیمت بڑھائی۔ ٹائپ کی قدامت اور دیگر تاریخی نشان دہی کی بنا پر ان میں سے کچھ کے بارے میں تیقن سے کہا جاسکتا ہے کہ گٹن برگ ہی کے مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جن میں ایک سیاروں کا نقشہ، جیوتش یا جنتری بھی ہے۔ بہت سے مطبوعات اس سے منسوب مینز کی میوزیم میں وہ ہیں جو اب تک زیر بحث ہیں۔

چنانچہ 1460ء میں جنوبی جرمنی کے کسی قصبوں میں پرنٹنگ آرٹ کے بہت سے کام کرنے والے نظر آنے لگے تھے۔ اس کا ایک تاریخی سبب اسی زمانے میں مینز پر حملہ اور یوروپین طاقتوں کی ملک گیری کی جنگ تھی۔ جس سے پریشان ہو کر اس فن کے ہنرمند مینز سے جو پرنٹنگ آرٹ کا گہوارہ تھا، جلا وطن ہوئے اور یورپ میں پھیل گئے۔ لہذا ان جنگوں نے چھاپے خانوں کو غیر شعوری طور پر بڑی وسعت دی۔ اسٹراس برگ نے پرنٹنگ کی ایک خاص مرکزی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن اب کولون، آکسبرگ اور نوروم برگ میں بھی جلد ہی چھپائی کے کارخانے کھل گئے۔ چنانچہ ایٹن کو برجر نے نوروم برگ میں ایک چھاپہ خانہ کھول کر 1470ء کے قریب بڑے پیمانے پر طباعت کے فن کو ترقی دی۔ اس چھاپے خانے میں سو آدمی، چوبیس پریس میٹینیں کام کر رہی تھیں۔ پرنٹنگ کے جدید طریقے کی دریافت کے ایک ہی نسل بعد جرمنی کے تقریباً بیس قصبوں میں چھاپے خانے کھل گئے تھے۔ جن کی اکثریت مغربی جرمنی میں تھی۔ مینز نہ صرف اس وجہ سے آرٹ کا گہوارہ تھا بلکہ اس زمانے میں ایک بڑا تجارتی مقام تھا۔ اس لیے وہاں کے بڑے بڑے تاجروں نے چھاپے خانے کے فروغ میں بے جھجک اپنا سرمایہ لگا یا ضرورت کے اعتبار سے چھپائی کا کاروبار منافع بخش نظر آنے لگا تھا۔ چھاپے خانوں کی وہی قدیم شکل جو گٹن برگ نے ایک مرتبہ تجویز کی تھی اس زمانے تک قائم رہی کہ جب تک مشینی اسٹیم نے اپنی طاقت ظاہر کر کے ان کی صورت نہ بدل دی۔

کاروباری اعتبار سے یہ چھپائی کے کارخانوں سے زیادہ ایک دکان کا تصور پیش کرتے تھے، جن کی ایک ہی شکل ہر جگہ نظر آتی تھی۔ ہو گئی کا بنا ہوا ایک بڑا سا ڈھانچہ فرش اور چھت سے جڑا ہوتا تھا۔ ایک صدی سے زیادہ زمانے کے بعد یہ یورپ سے ہندوستان بھی اسی شکل میں وارد ہوا تھا۔ ان ڈھانچوں میں کاغذ کے تختے پر ٹائپ حروف کی جی ہوئی پلیٹ سے سخت دباؤ طوالاتا تھا۔ اس دباؤ کے لیے کڑی جسمانی محنت درکار تھی جس تختے پر حروف جمائے جاتے تھے اس کے مقابلے میں پلیٹ کافی مختصر ساڑک کی ہوتی

تھی جس کی وجہ سے کاغذ کا پورا تختہ نہیں چھپ سکتا تھا بلکہ اس کو موڑ کر دو یا دو سے زیادہ حصوں میں چھپنا پڑتا تھا۔ بعد میں ان کا سلسلہ ملا یا جانا تھا۔ حروف اسی طرح ہاتھ سے جمایے جاتے تھے جیسے کہ اب بھی قدیم طرز کے چھاپے خانوں میں کمپوزنگ ہوتی ہے۔ روشنائی پھیرنے کے پچا بے چمڑے کے ہوتے تھے۔ جن میں چوٹی دستے لگے ہوتے تھے۔ ان کو انک بال کہتے تھے۔ اور یہ بلاک چھپائی کی طرح استعمال ہوتے تھے ان کو استعمال کرنے میں کافی ہنرمندی اور فنی مہارت کی ضرورت تھی۔ ذرا سی روشنائی کم یا زیادہ ہو جانے سے چھپائی غارت ہو جاتی تھی۔

ٹائپ حروف کی کٹائی اور ڈھلانی خاص طور پر سب سے اہم اور مشکل کام تھا۔ یہ نیا نیا ایک ہنر وجود میں آیا تھا۔ اسے سیکھنے میں وقت اور ذہنی چابک دستی کی ضرورت تھی۔ شروع میں سانچے تانبے یا پتلی کے بنائے گئے جو مسلسل استعمال سے جلد ہی گھس کر مقررہ سائز سے کم و بیش ہو گئے۔ گٹن برگ نے جب یہ دیکھا کہ یہ سانچے تو جلد ہی جو اب دے دیتے ہیں اور حروف کی یکساہنت جاتی رہتی ہے۔ لائینس ٹیڑھی میڑھی اور حروف اپنے مقام پر اکھڑے اکھڑے لگتے ہیں تو اس نے سوسرہ سنگی، سرمہ اور پھول دھاتا سے مرکب مادے سے سانچے بنانے شروع کر دیے۔ یہ مادے تیزی سے گلا کر حروف ڈھالنے میں بھی ممد ثابت ہوئے سانچے بھی پائدار اور مضبوط ہونے لگے۔ چنانچہ ٹائپ حروف کے لیے آج تک یہی مرکب استعمال ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں گٹن برگ کی تعریف کرنا چاہیے کہ اس کے ذہن نے شروع ہی میں ایسی کامیاب چیز دریافت کر لی تھی جو کہ اس کے ہم معروں اور حریفوں کو نہ سوچھپائی۔ ان کے چھاپے خانوں کی چھپائی اسی لیے ناقص ہوتی تھی۔ ان کے یہاں حروف ناہموار، سطر میں غیر متوازن اور ان کا درمیانی فاصلہ جا بجا کم و بیش ہوتا تھا۔ اس کے برعکس گٹن برگ کے پریس کی طباعت دیدہ زیب تھی۔ اس میں شک نہیں کہ قدرت نے اسے اس فن کی خاص صلاحیت بخشی تھی۔ اس نے ابتدا ہی میں فن طباعت کی پیچیدگیوں پر جو آج بھی اس پیشہ کو اختیار کرنے والوں کے سامنے مشکلات پیدا کرتی ہیں، حیرت انگیز طور پر جلد عبور حاصل کر لیا تھا اور کارگیرانہ مہارت پیدا کر لی تھی۔ پرنٹنگ کے فن میں گٹن برگ کا نام زندہ جاوید رہے گا۔ اس نے حروف کی ساخت میں قابل تعریف جدتیں کیں۔ حروف کا درمیانی فاصلہ مناسب

حد میں رکھنے کے لیے ان کی شکلوں میں حسب ضرورت ترمیم کی اور جموں میں بہ کثرت استعمال ہونے والے طویل الفاظ کے مخفف Abbreviations سلیفے مندی سے رواج دیے۔ کتابوں پر اس کا احسان ناقابل فراموش ہے۔ پڑھنے والے ہمیشہ اس کے احسان مند رہیں گے۔

چھاپنے والوں کو ابتدائی مطبوعات میں اپنا نقطہ نظر جمالیاتی اور پرتکلف اہتمام کے پابند رکھنا ضروری تھا کیونکہ کتابوں کے قارئین کی نگاہ خوشنویسوں کے دلکش فنی روایات سے جرطی ہوئی تھی اور نئی مطبوعہ کتابوں سے بھی اس کا تقاضا تھا۔ اس لیے ٹائپ حروف کی ساخت میں اس کا کافی لحاظ ضروری تھا۔ کاتب اور خطاط کی تحریر میں حروف کی ڈھلائی میں پیش نظر رہنی تھیں۔ ہر صفحہ کی تزیین و آرائش کے لیے کاتبوں کے طرز کی تقلید چھپائی کے صفحات میں بھی کی جاتی تھی جو بسا اوقات چھپائی میں ناممکن تھی چنانچہ حروف آغاز کے نقش و نگار کاتب ہاتھ سے بناتے تھے۔ مختصر یہ کہ ابتدائی مطبوعہ کتابوں میں عہد وسطیٰ کی بیاضیں اور وصلیاں ہو بہو منتقل ہو گئی تھیں۔ 1456ء میں گٹن برگ کی ٹائپ حروف میں چھپی ہوئی بائبل پر اسی لیے بہت زیادہ خطاطی اور کتاہت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ تا وقتیکہ اسے بہت غور سے نہ دیکھا جائے۔ اس کے ہر ایک صفحہ کو دو کالموں میں تقسیم کر کے چھپائی کا تھک طرز تحریر کی پورے طور پر پیروی کرتی ہے۔ پرنٹروستی پینٹنگ کی آرائش کے لیے سرورق، حروف آغاز اور جا بجا گوشے اور وال حاشیے سادے چھوڑ دیتے تھے۔ کتابوں میں پیشانی سرخ روشنائی سے چھاپی جاتی تھی اور پیشانیوں کو اب بھی سرخیاں Rubrics کہا جاتا رہا۔

اس بائبل کو بیاضیں سٹری بائبل کا نام اس لیے دیا گیا کہ ہر صفحہ کے بیشتر کالم اتنی ہی سطروں پر مشتمل ہیں۔ مازارین بائبل کے نام سے بھی موسوم ہے۔ کیونکہ اس کی پہلی کاپی ایک فرانسیسی شخص کارڈنیل مازارین کے کتب خانے سے دستیاب ہوئی تھی۔ اس کی ضخامت بارہ سو صفحات سے کچھ زیادہ ہے۔ تمام طباعت کا تھک طرز تحریر میں، ہر صفحہ شاندار کا تھک حروف آرائی کا مرقع، بھاری بھرکم زاویوں میں سیاہ خط کی کشید نظر آتی ہے۔ بڑے پاؤں کے مختلف حصوں کو خلاصہ (Text) خطبہ (Missal) قانون (Canon) جو خطاط اور کاتب کہتے تھے وہی پرنٹر بھی کہتے رہے۔ اس بائبل کی چھاپیوں کا پتلا

دیکھنے میں آئیں، جن میں بارہ چرمی پارچوں پر چھپی ہیں۔ اندازہ ہے کہ پورا ایڈیشن ایک سو بیس کاپیوں کا ہوگا۔ جان گٹن برگ کی اس کتاب کو وجود میں لانے کی محنت رائنگاں نہیں گئی۔ اگر اتفاقاً کوئی قدیم یادگاروں کا بیوپاری اس کا ایک نسخہ بازار میں لے آتا ہے تو اس کے اونچے مول و ہم و گمان سے بالاتر ہوتے ہیں۔ 1897ء میں ایک نسخہ کی نیلامی بولی لندن میں آج کے بارہ ہزار ڈالر کے برابر پہنچی تھی۔ 1926ء میں ایک آسٹریلین خانقاہ سے اس کی ایک کاپی ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر میں مزید کر ایک امریکن نے یا نے یونیورسٹی کو تحفہ پیش کی اور چند سال بعد ایک امریکن نے برطانیہ کی کسی پرائیوٹ لائبریری سے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر میں ایک نسخہ حاصل کیا۔ اگرچہ خود گٹن برگ بے چارے نے کبھی خواب میں بھی اس کا ایک ہزار وال حصہ نہ دیکھا۔ لیکن تاریخ نے اس کے نام کی بڑی قدر و قیمت پیدا کر دی۔

دوسرا مشہور ایڈیشن 1459-60ء کا بھی ایک بائبل کا ہے۔ جس کے ہر کالم میں چھتیس سطریں ہیں۔ یہ 'ارچل بارن بائبل' کے نام سے معروف ہے اور شاید یہ بھی جان گٹن برگ کا طبع کیا ہوا ہے۔ کیونکہ ٹائپ حروف بالکل ویسے ہی ہیں۔ ایک زبور کا پارہ (Psetter) ہے جو نغمہ داؤد (Psalm of David) سے موسوم ہے، اس کو فسٹ اور اسکوفرنے جن کا ذکر اس باب میں آچکا ہے، 1457ء میں شائع کیا۔ یہ ابتدائی طباعت بھی کافی بلندی پر نظر آتی ہے۔ اس کی پہلی خصوصیت جو آج مطبوعہ کتابوں میں عمومی اور لازمی ہو چکی ہے یعنی پرنٹر کا نام اور تاریخ طباعت، اختتامی سطروں (Colophon) میں اپنے ایک مخصوص انداز میں اس طرح درج ہے۔ یہ سائٹرا علا طریق طباعت سے جس کے حروف کی بناوٹ میں کہیں ہاتھ کی کتابت کو دخل نہیں ہے۔ شانِ خدا اور جانِ فسٹ باشندہ مینز و پیٹر اسکوفرساکن جرشیم کی ریاضت سے 1457ء میں یومِ عروجِ مسیح کے مبارک موقع پر یعنی چودہ اگست کو پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اس کتاب سے بہ خوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کام کو گٹن برگ نے شروع کیا تھا اس کی تکمیل فسٹ اینڈ اسکوفرنے کی کارگاہ طباعت میں ہوئی اور اختتامیہ میں یہ واضح کر کے کہ سارا کام چھپائی کے ذریعہ انجام پایا، اس کی قدر افزائی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس نفاست کی چھپائی اس وقت غیر متوقع تھی حتیٰ کہ غیر معمولی طور پر خوبصورت نیلے اور سرخ رنگ کے حروف

آغاز بھی بڑی صفائی سے طباعت کی ہنرمندی پر محمول ہیں۔ مزید کمال یہ ہے کہ بجائے چوبی ٹپے اس وقت بھی دھات کی پلیٹ کا استعمال ظاہر ہوتا ہے۔ یہ زبور کا نسخہ پہلی بار ایک پرنٹنگ مارک (چھاپے خانے کا نشان) وجود میں لایا۔ دو شیلڈ ایک شاخ سے لٹکی ہوئی اس کے بعد سبھی پرنٹرا اپنا ایک نشان طباعت 'کوئی طغزہ' (Monogram) یا علامتی مرفع کسی مقولے کے ساتھ (Emblem) خوبصورتی سے سجا کر چھاپنے لگے اور اب بھی اس کا عمومی رواج ہے۔ مینز کی اس زبور کی صرف دس جلدیں دریافت ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب چرمی پارچوں پر ہیں۔ یہ بعد میں متنوع شکلوں میں بار بار چھپتی رہی۔ اسکو فر کا دو سرا کارنامہ زبر نور کیتھولک آف جو صنیار بس، 1460ء کی مطبوعہ ہے۔ یہ ایک قسم کی انسانی کلو پیدیا کی لغت ہے جو خاص قسم کے باریک ٹائپ میں مطبع فٹ اینڈ اسکو فر سے منسوب ہے۔ اس کا دو سرا ایڈیشن تو یقیناً اسکو فر کے مطبع کا ہے۔ پہلے کے بارے میں شک کیا جاتا ہے۔ قلمی کتابوں کی پوری تقلید و نقالی کا تقاضہ تھا کہ سرورق پر عنوان نہ دیا جائے بلکہ صرف لفظ آغاز سے کتاب کا متن شروع کر دیا جائے۔ لہذا سوا 1454ء میں مطبوعہ ایک کتاب کے جس کا عنوان ہے (Ein Mahung der Christen Heit Wi. der Die Turkistan 1470ء تک سب کتابیں بلا عنوان (ٹائٹل) کا اعلان کیے ہوئے چھپتی رہیں۔ مذکورہ بالا کتاب صلیبی جنگوں کے دوران ترکوں کے خلاف پروپیگنڈے کی عرض سے لکھی گئی تھی غالباً اسی لیے اس کا عنوان نمایاں طور پر آغاز میں دیا گیا ہے تاکہ کتاب مذہبی بیجان میں اضافہ کرے۔ عام طور پر چھپی کتابیں بھی (یہاں سے آغاز ہوتا ہے) (Here Enspit) سے شروع کی جاتی تھیں۔

اطالیہ میں چھپائی کی ترقی

مینز میں جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے فوج کشی اور سیاسی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جب چھاپے خانوں کا کاروبار وہاں سے رواں دواں ہوا تو اطالیہ ایک قدیم رومی مرکز ہونے کی وجہ سے جرمن مطابع کے لیے ایک پُرکشش مقام تھا اس لیے پرنٹنگ آرٹ کے ماہر اور سربر آوردہ کاروباری اسکو فر کے دو ہونہار شاگرد کونارڈ سوٹیم، اور آرنولڈ پینارٹز نے 1465ء میں روم کے قریب سبائیو کی خانقاہ میں اپنے چھاپے خانے کا

کام شروع کیا۔ انہوں نے گاتھک ٹائپ کے جو سیاہ حروف Blackletters اولاً وہاں استعمال کیے، رومن ٹائپ کے وہ اولین نمونے ہیں اس نمونے پر بعد میں جان ہارن-بی نے ایشٹڈین پریس کے لیے ٹائپ حروف کا طرز اختیار کیا۔ سوئیہم اور پناٹرز وہاں دو سال سے زیادہ نہ رہ پائے۔ روم نے ان کو جلد ہی کھینچ بلایا۔ جہاں انہوں نے تقریباً پچاس کتابیں چھاپیں۔ انہوں نے یہاں ایک نیا رومن ٹائپ استعمال کیا جو گاتھک سیاہ حروف سے مختلف سابق کارولینین دستی تحریر کے چھوٹے حروف کی طرز پر تھا جن کا کٹنا اور ڈھالنا سہل تھا بلکہ پڑھنا بھی آسان تھا۔

اگلے دس سال میں کچھ اور جرمن پرنٹرز سوئیہم کے بعد اطالیہ میں آکر آباد ہو گئے۔ ان میں اُبرج ہنسیس بھی تھا، جس نے 1467ء میں لکڑی کے حروف کی پہلی کتاب چھاپی۔ روم کے علاوہ وینس بھی چھاپے خانوں کے کاروبار میں سب سے زیادہ سازگار جگہ تھی۔ 1469ء میں وہاں مالکان مطابع کی کالونی بن گئی تھی۔ ان میں سے بعض نے اپنے شاندار کارناموں سے تاریخ میں جلی حروف میں اپنا نام تحریر کیا۔ ان میں اسپيرو کے 'جوہان' اور وینڈلین، برادران ہیں۔ جنہوں نے اُسٹر اچ کے سائینٹ، پہلی بار اطالوی زبان میں شائع کیے۔ یہ مقامی زبان میں تصنیف نئے مواد کی چھپائی کا آغاز تھا۔ اسی زمانہ میں شاہ چارلس ہفتم نے ایک فرانسیسی نقاش نکولاس جنسن، کو چھپائی کا نیا آرٹ سیکھنے کے لیے مینز بھیجا تھا، وہ وہاں سے اٹلی پہنچا۔ شروع میں تو اُس نے سوئیہم اور پناٹرز کے لیے انہیں کے طرز میں رومن حروف تراشے مگر بعد میں اس نے اپنے طرز خاص کے حروف تراشے کے ہنر میں خود کو ابتدائی سربراہ اور ممتاز فن کاروں میں ثابت کیا۔

'وینس' شہر میں جہاں 'جنسن' اپنا ذاتی مطبع چلا رہا تھا ایک اور ماہر طباعت آسبرگ کا جرمن آرنسٹ اربارڈ ریٹ ڈولٹ نے بھی 1476ء میں اپنی طباعت کی دکان کھولی۔ اس کی حروف تراشی کا فن بلاشبہ حروف سازی کے ہنر کی جدید تحریک کا ایک شاندار آغاز ہے۔ اس نے وینسین حروف طرازی 1470ء سے ایک انداز خاص میں شروع کر دی تھی اور پندرہویں صدی کی اگلی دہائیوں میں حروف کے آرٹ کی بیکریک روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ وینس میں اس تحریک سے وابستہ

جنس اور جوہان و نیڈلین، برادران کی فنی کوششیں بھی بڑا کامیاب رول ادا کر رہی تھیں لیکن ریڈ ڈولٹ، یقیناً ایک لیڈر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی حروف سازی کا فن دوسروں کی نقالی پر مبنی نہ تھا بلکہ سیاہ سفید لباس میں حروف کی ایک نئی تخلیق تھی جس کی دل کشی نے سابق رنگ برنگ حروف کی نمائش کو پھیکا کر دیا۔ ۱۴۸۶ء میں اُس کے اطالیہ چھوڑنے کے بعد بھی اس کا اثر وہاں کے فن حروف سازی پر چھایا رہا۔ ان برسوں میں زیادہ تر ایسی کتابیں شائع ہوئیں جن کے سرورق ریڈ ڈولٹ کے مخصوص طرز فن کی عکاسی کرتے تھے۔ اس طرح اطالیہ کی سرزمین پر ان جرمن فنکاروں نے اگلی کئی صدیوں میں کتاب و حروف سے متعلق جدید تخلیقی فن کو ایک ایسا نظریہ اور رجحان دیا جو مسلسل تحریک کی صورت میں جاری رہا۔

ابتدائی مصور مطبوعات

ابتدائی ریڈ ڈولٹ کتابوں میں حروف کی تزئین و آرائش ہی کا میدان نمایاں ہے۔ لیکن اطالوی ماہرین طباعت مصور کتابوں کی طرف بھی تیزی سے بڑھے۔ ریڈ ڈولٹ نے کچھ مصور کتابیں بھی شائع کیں اور اُس کو کتاب چھاپنے والوں میں اس حیثیت سے بھی پہلے مقام پر تسلیم کیا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اُس وقت سیاہ و سفید کے علاوہ سب رنگ نگاہ میں اپنی وقعت کھو چکے تھے اس لیے اس قسم کی کسی کوشش میں کامیابی یقیناً مشکوک تھی۔ اس کے باوجود اس نے اپنے مصور کتابوں میں مشہور و معروف نکوٹوچی میلرمیز، بائبل، مطبوعہ ۱۴۹۰ء میں جس کا وہ مترجم بھی ہے اُس نے لکڑی پر بے شمار باریک خطوط کی تاثر آفرینی سے کولون مصور بائبل کے فن مصوری کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ یہ فنی کارنامے منجملہ ریڈ ڈولٹ کی تمام کتابوں، ڈانٹے اور بوکاسٹو کے مصور ایڈیشن کے اطالوی کتاب سازی کے اس عظیم فنی عہد کی نمائندگی کرتے ہیں جو آگے چل کر ایڈائن، عہد سے موسوم ہے۔

چھپائی کا فن انگلستان میں

انگلستان میں پہلا انگریز کا چھاپہ خانہ ولیم کاسٹن کا ہے۔ ابتدا میں وہ ایک

سوداگر تھا، لیکن اسے ادبی کتابوں سے غیر معمولی دل چسپی تھی اور وہ ایک مترجم بھی تھا۔ ان خصوصیات نے اسے پیشہ طباعت میں قسمت آزمائی کا شوق دلایا۔ لہذا کوئٹہ اور بروگز میں گولارڈ مینسجی کے چھاپے خانے میں باقاعدہ اس کام کو سیکھ کر وہ 1476ء میں انگلستان واپس آیا اور ویسٹ منسٹر میں انگلستان کا پہلا مطبع قائم کیا۔ اس نے اس چھاپے خانے میں 1491ء میں اپنے انتقال سے پہلے چھانوٹے سو تک کتابیں چھاپی تھیں جن میں بیشتر اس کے اپنے ترجمے ہیں اور کچھ قومی ادبیات پر محمول ہیں جیسے چاسر کی کینٹربری کی ہدائتیں وغیرہ۔

انگلستان میں پندرہویں صدی کے اواخر میں جن لوگوں نے طباعت کا کام جاری رکھا۔ ان میں جان لٹن، ولیم دی مشینیا اور چرڈ پینسن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ پینسن (Pynson) غیر معمولی صلاحیتوں کا آدمی تھا۔ عام پبلشروں کے مقابلے میں اس کا ایک اپنا مخصوص انداز تھا جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ مزید برآں اس نے انکلینڈ میں رومن ٹائپ کو رائج کیا۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں چھاپے خانے کی ابتدا

فرانس میں دو پروفیسروں جوہان ہینلین اور گیرلام پختل نے 1468ء میں تین جرمن ماہرین طباعت ایلرچ گیرنگ، میکائیل فرانسز اور مارٹین کرائسٹر کو سارہوٹے میں مطبع کھولنے کے لیے دعوت دی۔ ان سے لاطینی مضامین کی کچھ یونیورسٹی کی کتابیں چھپوائیں جو بیس سے زائد تھیں۔ یہ فرانس کی سرزمین پر پہلا مطبع تھا اور 1470ء میں قائم ہوا تھا۔ ان کی پہلی کتاب 'گاسپارینو بارزی زی' نہایت صاف رومن حروف میں ہے۔ یہ 'پلٹین' کی علم الحروف پر تصنیف ہے۔ اس کے بعد وہاں چھاپے خانوں کے کاروبار نے اتنی تیزی سے وسعت اختیار کی کہ پندرہویں صدی کے اختتام تک ستر پریس تھے۔ فرانس کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر رومن سیاہ حروف میں چھپی ہیں لیکن فرانسیسی طرز تحریر کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ مثلاً 'جین ڈیوز' نے پہلی کتاب 1481ء میں ایک خطبہ Missal فرانسیسی طرز تحریر میں چھاپی۔ عام طور پر اس زمانے کی فرانسیسی مطبوعات قلمی معلوم ہوتی تھیں۔ اکثر چرمی پارچوں پر روایاتی مجلہ، حاشیے، مختلف رنگوں کی پینٹنگ اور طلائی ورق کا استعمال ہوتا تھا۔ غرض ہر طرح ان کو دستی کتب بنانے کی کوشش کی

جاتی تھی۔ پندرہویں صدی کے آخری حصے میں سینکڑوں دعاؤں کی کتابیں اسی شان کی چھپ کر خوب مقبول ہوئیں۔۔۔ 1473ء میں گیلام لے رائے نے لیون میں چھاپہ خانہ قائم کیا۔ پیرس، اور لیون، چند برسوں میں صف اول کے مطابع کے مرکزی مقامات تھے اور 1478ء میں لیون میں فرانس کی پہلی مصور کتاب شائع ہوئی۔ لیون میں جوہانس کریشل ایک پبلشر نے کتابوں کی تالیف و تدوین کے لیے ایک عالم و فاضل جوڈوسین بنیڈیس ایسینس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جنھوں نے 1530ء میں خود اپنا مطبع پیرس میں قائم کر کے تقریباً سات سو کتابیں شائع کیں۔

اُس زمانے میں اسپین اور شمالی جرمنی میں بھی چھپائی کا پیشہ فروغ پر تھا۔ شمالی جرمنی کے شہر لیوبک نے اس فن میں اعلا صلاحیت کے پیشہ ور پیدا کیے۔ وہاں کتابوں کا پہلا پرنٹر لیوکس برنڈیز ہوا ہے۔ اس خاندان کے متعدد افراد لیوبک میں مختلف اوقات میں بحیثیت پرنٹر اچھے کاروباری ہوئے۔ انھوں نے گاتھک مدور اشکال کے ٹائپ کو کئی طرز میں پیش کیا جو پورے شمالی جرمنی میں رائج ہو گیا۔ 1483ء میں برنڈیز نے لاٹ پادری کا ایک قصیدہ ڈنمارک میں چھاپا۔ اسی زمانے میں کوپن ہیگن میں لیڈی کتھیڈرل نے ایک خطبہ اسکو فرسے مینز میں چھپوایا تھا۔ لیوبک کا دوسرا پرنٹر جوہان اسنل ڈنمارک اور سویڈن میں اولین مطابع کا بانی ہے جسے 1482ء میں بشپ کارل رونو نے لاٹ پادری کے لیے ایک عبادت کی کتاب چھاپنے کی عرض سے اوڈینس میں بلایا تھا اسنل نے مینس خائفہ میں رہ کر وہ کتاب اور ایک تصنیف رھوڈس پر ترکوں کا محاصرہ شائع کیا۔ 1483ء اور 1484ء میں اسنل نے سویڈن میں رہ کر دو تین کتابیں چھاپیں۔ دو سال بعد لیوبک کا ایک اور پرنٹر بارتھولاماس گھوٹان بھی اسنل کی طرح سویڈن میں گھوم پھر کر کتابیں طبع کر رہا تھا۔ اس کے شاگرد اور جانشین نے 1495ء میں سویڈن زبان کی پہلی کتاب چھاپی۔ ڈنمارک سے اس نے جانے کے بعد 1486ء میں اسٹیفن ازڈیز، سلسوگ ڈنمارک آیا، اس نے پرنٹنگ کا فن مینز میں سیکھا تھا اٹالیہ میں بھی کام کر چکا تھا، اسے طباعت کے فن میں اچھی قابلیت حاصل تھی۔ ڈنمارک میں اس نے رہ کر کسی اچھے پیمانے کی کتابیں چھاپیں۔ اس کا خاص کارنامہ لوجرمین (Lo-Germiene) بائبل ہے جو 1544ء میں شائع ہوئی۔ یہ چوبی تھپوں کا حیرت انگیز

کام ہے۔ کوپن ہیگن میں کتابوں کی طباعت کا ہنر ایک ڈچ پرنٹر 'گاڈفریڈ وان اوس' 1489ء میں لایا اور وہاں تادم آخر 1510ء تک چھپائی کا کام انجام دیا۔ اس نے سب سے پہلے ایک قاعدہ 'ڈوینٹ' طبع کی۔ 1495ء میں اس نے ڈینش زبان میں (Den - Danske Rim Karonika) چھاپی جو ڈینش زبان کی سب سے قدیم کتاب ہے۔

یورپ میں چھاپے خانے جس تیز رفتاری سے قائم ہوتے گئے اس کا اندازہ حسب ذیل تاریخی ریکارڈ سے لگایا جاسکتا ہے۔ حرکت پذیر حروف ٹائپ کی تیاری مینز میں 1448ء کے اس پاس جان گٹن برگ کے ذریعہ ہوئی۔ 1460ء میں 'اکسبرگ' اسٹراسبرگ، کولون، اور جنوبی جرمنی کے کسی قصبوں میں مطابع کھل گئے۔ 1470ء میں مغربی جرمنی کے بیس قصبوں میں یہ کام شروع ہو گیا۔ اسی سال نورمبرگ میں چھاپے خانوں کو بڑے پیمانے پر ترقی حاصل ہوئی۔ 1465ء میں روم کے قریب سو بائنگو میں اور 1467ء میں خاص روم میں۔ 1468ء میں پیرس (فرانس) میں۔ پندرہویں صدی کے اختتام سے پہلے فرانس کے چالیس شہروں اور قصبوں میں پریس قائم ہو گئے۔ ہالینڈ میں 1473ء میں 'جیرارڈس' اور کیٹولاکر لیمپٹ نے مطبع کھولے۔ یہ اچرڈز کے مقام پر تھے 1477ء میں ڈلفٹ میں 'جاکوب زونن' اور 'مارسی مانٹ زونن' نے اور گارڈا میں 'جیرارڈیو' نے اس فن کو عروج پر پہنچایا۔ اس کے بعد ہالینڈ میں اور بھی پریس قائم ہوئے مثلاً 1477ء میں ڈیونٹر میں۔ 1479ء میں 'زولے' میں 1483ء میں 'لیڈن' میں اور دسمبر 1483ء میں 'ہالریم' میں۔ 'جیکب بیلاڈ' ایک ممتاز پرنٹر کی شخصیت ابھرتی ہے۔ 1473ء میں قصبہ 'ایوسیٹ' (بلجیم) میں پریس قائم ہوا۔ جن کا مالک 'جوہان پیڈرو بالڈن' تھا۔ یہ 'جان ویسٹ فالیا' کے نام سے بھی مشہور ہے 1474ء میں اس نے اپنا پریس 'لاوین' میں منتقل کر دیا، جہاں یونیورسٹی اور ایکٹو لائبریری تھی جو پہلی جنگ عظیم میں برباد ہو گئی۔ بلجیم کے دوسرے شہر 'بروجزنگ' میں گولارڈ منیشن اور ولیم کاسٹن نامی مالکان مطبع نے پہلی انگریزی کتاب (Recuell of the Historyes of Troye) شائع کی اور انہوں نے 1476ء میں انگلستان جا کر 'ویسٹ منسٹر' میں پہلا پریس کھولا۔ کاسٹن وہی 1484ء تک کام کرتا رہا اسپین

میں بہت زمانے تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ پہلی طباعت مختصر نظموں کا ایک مجموعہ، مقدس کنواری کی مناسبتاً
 کا 'وینشیا' کے مقام پر 'لیمبرڈ پال مارٹ' نے 1474ء میں طبع کیا۔ لیکن کچھ سال ہوئے
 ڈاکٹر کونارڈ ہابیل نے مستحکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ پہلی مطبوعہ کتاب
 'ساراگوسا میں کارڈینل بورڈریگو بورویا' نے 1473ء 5 مارچ کے آس پاس چھاپی
 یوہیمیا میں پہلی طباعت 1468ء میں پلین کے مقام پر طبع ہوئی 1473ء میں 'انڈری
 ہنس' نے — 'پولینڈ کراکاو' میں 'کیس پارہاچ فلیڈر' نے 1475ء میں —
 آسٹریلیا ویانا میں 'اسٹیفن کویلرنگر' 1483ء میں ڈنمارک میں 'جوہان اسنیل' نے
 اوٹنسی کے مقام پر 1482ء میں اور ان ہی نے اسٹاک ہوم سویڈن میں 1483ء
 میں پہلا پریس قائم کیا، جس کے دفتر کی شاخ یوبک میں تھی۔ پرتگال میں 'رہی ایوزور'
 نے 1489ء میں — 'مانیٹی نیگرو' کے رپکا مقام پر 'منک میکارپو' نے
 1494ء میں — اور ترکی کے شہر قطنظیہ میں ڈیوڈ اور سیموئیل ابن ناچیا س نے
 1494ء میں پہلے چھاپے خانے قائم کیے۔ پندرہویں صدی کے اختتام تک یورپ
 کے تقریباً دو سو شہروں میں ایک کروڑ بیس لاکھ کے قریب کتابیں چھپ چکی تھیں۔

1501ء سے پہلے چھپی ہوئی کتابوں (INCUNABULA) کی اہمیت

انکیونابلا کے معنی ہیں کتابوں کا بچپنا Cradle Book ابتدائی مطبوعہ کتابوں
 کی بیشتر خامیوں کے پیش نظر ان کا یہی نام تجویز کیا گیا چونکہ وہ خامیاں بتدریج دور ہو کر
 یورپ میں 1500ء تک کتابوں کے عیب اور خوبی کی کسی حد تک نگاہ دار پیدا ہو چکے تھے۔
 لہذا یورپ میں سو اناروے اور سویڈن کے انکیونابلا کا زمانہ 1501ء تک متعین کیا گیا۔
 جب کہ ناروے، سویڈن میں جہاں طباعت کی ابتدا 1480ء میں ہوئی تھی۔ انکیونابلا کے
 زمانے میں توسیع کر کے 1550ء تک کر دیا گیا۔ اس قسم کی تمام کتابوں کو پیلئوٹائپ
 (Palaeo type) بھی کہتے ہیں۔

انکیونابلا میں دل چسپی اٹھارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی جب طباعت
 نے ایک اعلان اور منضبط علم کی صورت اختیار کی اور اس کے بارے میں علمی اور فنی تحقیقات
 کے مباحث کا آغاز ہوا۔ دو پہلوؤں سے انکیونابلا پر نظر ڈالی گئی ایک تو مواد و موضوع

کے اعتبار سے دوسرے حروف کی ساخت اور چھپائی کے انداز سے۔ حروف کے ٹائپ اور ان کی ڈھلائی اور بناوٹ کا بخیر یہ کرنے سے یہ پتہ چلا لینا ممکن ہو گیا کہ ایک کتاب کہاں اور کس زمانے میں چھپی ہے کیونکہ عرصے تک کتابوں میں تاریخ طباعت، مقام اور مطبع کا نام نہیں دیا جاتا تھا اس لیے بعد کے زمانے میں ان کے متعلق صحیح اطلاعات حاصل کر کے ان کا تاریخی مقام تجویز کرنے کے لیے انکیونابلا کا مطالعہ ایک مخصوص علم اور فنی نکات کی دیدہ وری کا شعبہ بن گیا۔ جس نے حروف و طباعت کے سائنسی نظریات کی بنیاد رکھی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ انکیونابلا کی تاریخی قدر و منزلت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور اس میں دھوکے بازی بھی ہونے لگی تھی۔

خانقاہی تہذیب کا زوال

خانقاہی تہذیب کی بنیاد علم الہیات کے علاوہ اور قسم کی کتابوں کی عظمت پر بھی قائم تھی۔ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے اس کا ذکر آچکا ہے کہ وہ کس قدر ریاضت کتابوں کی تخلیق میں کتنی دوڑ دھوپ ان کو جمع کرنے میں اور کس قدر حفاظت ان کے استعمال میں برتنے تھے۔ کتب خانوں کا ایک باقاعدہ نظام اور مقررہ آداب و قوانین تھے۔ جن پر سختی سے عمل درآمد ہوتا تھا لیکن چودھویں صدی عیسوی سے اس میں زوال و ابتری کے پورے طور پر آثار پیدا ہو گئے تھے۔ راہبوں نے عام طور پر راحت طلبی و سہل انکاری اختیار کر لی تھی۔ پندرھویں صدی میں نور اہبوں کی عیش پرستی، بد اخلاقی و کردار کی پستی کھل کر سامنے آگئی تھی۔ محنت سے کتابیں لکھنا اور ان کے ذریعہ خانقاہوں کی رونق بڑھانا تو درکنار، ان کا احترام بھی دل سے بالکل اٹھ گیا تھا۔ حفاظت کا ذرا بھی احساس باقی نہ رہ گیا تھا۔ زوال کے ابتدائی آثار اسی وقت سے ظاہر ہونے لگے تھے جب راہب نیکد لگا کر اپنی نشستوں پر فروکش نظر آنے لگے۔ کتابوں کی جلدوں میں ریک زنجیر لگا کر کمر کی بلٹ سے لگائے ہوئے چلنے لگے۔ انگریز بشپ رچرڈ ڈی۔ ہری نے اس زمانے کے خانقاہی کتب خانوں کے ابتر حالات کا بڑے رنج و صدمے کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اور اپنی فائیلو بیلون میں کتابوں کی بے حرمتی کا بڑا موثر نقشہ کھینچا ہے۔ وہ 1287ء تا 1345ء کے زمانے میں کتابوں کا ایک سچا قدر شناس اور قدیم راہبوں کی طرح ادب کا دلدادہ تھا۔ اس کی فائیلو بیلون

یا کتابوں کی روداد 1473ء میں شائع ہوئی جس میں لکھتا ہے ' کلیساؤں سے طہارت کا خیال رخصت ہوتا جا رہا ہے، کتابوں کو گندے ہاتھوں سے چھوا جاتا ہے، طالب علموں کی غلیظ ناک سے کتابوں کے اوراق پر ریزش ہوتی ہے، اس کے بعد خانقاہوں کا زوال تیزی سے ہونے لگا۔ وہ تقدس کی بلند چوٹی سے گراہیوں میں لڑھکتی ہوئی فنا کے گہرے تاریک دہانے پر پہنچ گئیں۔ جا بجا راہبوں کی غفلت سے کتب خانوں میں آگ لگی اور قیمتی کتابیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ وینڈ کٹائن گروہ نے خانقاہی نظام کی اصلاح اور ابتدائی دور کے علمی شوق و شغف کو واپس لانے کی کوششیں کیں مگر رائیگاں گئیں۔ اس نظام کو مسمار ہونے سے کوئی نہ بچا سکا۔ 'بوکیشیو' کتابوں کا پرستار تھا۔ اس نے بھی خانقاہوں میں کتابیں گرد سے اٹی ہوئی کوفوں میں ڈھیر دیکھیں، جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ لکھتا ہے 'کیسیو مائے کی لائبریری کا نقشہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ وہی خانقاہ ہے جہاں سے مسیحیت کی دنیا میں علم و دانش کی پہلی کرن پھوٹی تھی۔ جس نے کتابوں کی تخلیق کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور کتابوں کی حفاظت و حرمت کے سخت قوانین وضع کیے تھے۔

نشاة ثانیہ کا آغاز

پندرہویں عیسوی کا اختتام ہونے سے پہلے ہی کہندہ خانقاہوں کی دیواریں ڈھ گئیں، کلیسا کا نظام دشتت عدم میں رواں دواں ہو گیا۔ یہ نظام تقریباً پندرہ سو برس یورپ میں چھایا رہا تھا۔ اس کے آخری زمانے میں انسان کا ذہن خواب تو ہمتا سے تھک کر نئی کروٹ بدلنے لگا تھا اور شعور زندگی بیدار ہو رہا تھا۔ اب علوم عقلیہ حاصل کرنے کی ایک عوامی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آخر کار انسان کی امنگیں خانقاہوں کے تاریک بام و در چھوڑ کر ایک روشن دنیا اور کھلی فضا میں نکل آئیں اور کہندہ نظام سے ٹکرا گئیں۔

خانقاہی نظام سے اصلاح پسندوں کے تصادم کا کتابوں پر اثر

رومن کیتھولک چرچ کے خلاف اصلاح پسندوں نے 1517ء میں کھلی

لڑائی کا آغاز کیا۔ اگر اصلاح پسندوں کی تحریک کو اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے کہ اس نے نادانستہ طور پر کتب بینی کو طبقہ اعلیٰ کی میراث سے نکال کر ایک جمہوری حق دیا اور عوام کو علم حاصل کرنے کا استحقاق دلادیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تحریک کے اس دور میں نتیجہ کا خیال اور ایسے شاندار ثمرے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا باہمیان تحریک کی ذہنی اور شعوری صلاحیت سے باہر تھا کیونکہ یہ جنگ بھی محض ایک جذباتی اشتعال کا نتیجہ تھی۔ اس طرح یہ وجود میں آئے ہوئے نئے نئے چھاپے خانے، باغیانہ خیالات، عوام کی صفوں میں پھیلانے کے لیے ایک اسلحہ ساز فیکٹری کی طرح کام انجام دے رہے تھے۔ ابتدا میں ان مطبوعوں کو دیکھ کر ان کے متعلق کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ پریس کی اس کارگزاری کی توقع کس کو ہونی ہوگی۔

چھپائی کی ایجاد نے خانقاہی نظام کو ڈھلنے میں حیرت انگیز کردار ادا کیا۔ چھاپے خانوں نے اصلاح پسندوں کی تحریک میں سب سے زیادہ موثر ہتھیار کا کام کیا۔ لوٹھر کے پمفلٹ کی چار ہزار کاپیاں پانچ دن کے اندر چھپ کر انگلستان میں فروخت ہو گئیں جب کہ جرمنی اس جنگ میں صفِ اول کا سپاہی تھا۔ وہاں کتابیں بٹنے اور چھپنے کے اعداد و شمار اس سے کہیں زائد ہیں۔ وہاں لوٹھر کی ترجمہ شدہ بائبل اور دوسرا مواد 22 15 ۶ میں ستمبر سے دسمبر تک ناقابل قیاس تعداد میں شائع ہوا۔ انگلستان میں اس بائبل جدید کے سوا ایڈیشن 15۱9ء سے 1534ء تک شائع ہوئے جس کی بیس ہزار کاپیاں فروخت ہوئیں۔

پریس نے جس فوج کو اس قدر طاقت و بنا دیا تھا۔ اس کے سپاہیوں نے پرانی کتابوں کے ساتھ خصوصاً انکیونابلا کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس کی تفصیل دردناک ہے۔ رومن کیتھولک چرچ کے خلاف لوٹھر اور اس کے حامیوں نے 1517ء کی جنگ میں کیتھولک ذخیرہ کتب سے جذباتی انتقام لیا۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ مذہبی ادب تھا یا کلاسیکی۔ قدیم قلمی نسخے اور انکیونابلا یعنی 1501ء سے قبل کی مطبوعات زبردست تباہی کا شکار ہوئیں۔ پھر 1524ء تا 1534ء میں جرمنی کے کسانوں کی مشتمل تحریک سے خانقاہی کتب خانے بری طرح متاثر ہوئے۔ کافی کتابیں صنایع ہوئیں اور یہی صورت ہو گوناٹ جنگوں میں فرانسیسی خانقاہوں کے ساتھ ہوئی جیسے جیسے تحریک

زور پکڑتی گئی خانقاہوں کے کتب خانوں کی تباہی بڑھتی گئی۔ انگلستان میں کتابوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ جب اصلاحی تحریک کے بعد نامذہبیت فتح یاب ہو کر برسرِ اقتدار آئی اور ایک ہزار سے زیادہ خانقاہوں پر قابض ہوئی تو اس نے بھی کتب خانوں سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

عرض چھاپے خانے اصلاح پسندوں کی تحریک کو تقویت پہنچانے کا نہایت کارگر وسیلہ ثابت ہوئے۔ ان کے ذریعہ تیزی سے سستا ہنگامی لٹریچر شائع ہو کر عوام تک پہنچا اور اصلاح پسندوں کے رہنما لوگوں کے خیالات و مقاصد اکثریت کی روح میں ڈھلتے گئے۔ اگرچہ یہ ادب تھوڑے دن زندہ رہنے والا تھا مگر قلیل مدت میں بے حد طاقتور اور موثر ثابت ہوا۔ اس کے ذریعہ رومن کلیسا اور کیتھولک خانقاہی نظام کے خلاف شعلے بھڑکائے گئے۔ یہاں تک کہ 1517ء میں لوٹھرنے کلیسائے روم کے خلاف باقاعدہ لڑائی شروع کر دی۔ اس طرح بالواسطہ طور پر چھپائی کی ایجاد نے یورپ میں خانقاہی نظام کی بنیاد ڈھا دینے میں اہم تاریخی خدمت ادا کی۔ مگر اس کا افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ قدیم قلمی نسخے اور 1501ء سے پہلے کی بیشتر مطبوعہ کتابوں کی زبردست تباہی اس کے نتیجے میں ہوئی۔ اس کے بعد پریس کی اس مہیب طاقت کا سب کو بخوبی علم ہو گیا اور اس پر بندشیں ہونے لگیں۔

حصہ سوئم

مشینی دور کا آغاز اور کتابی تکنیک کی ارتقائی لہر

سولہویں صدی سے اسیسویں صدی کے اختتام تک

پہلا باب

سولہویں صدیء نبی مطبوعہ کتابیں

سولہویں صدی عیسوی میں طباعت کا فن بہت تیزی کے ساتھ دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ ذیل کی جدول سے طباعت کی روز افزوں وسعت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

مطبع کا قیام :	ترکی میں	۱۵۰۳ء	روس	۱۵۵۳ء
	رومانیہ	۱۵۰۸ء	ہندوستان	۱۵۵۶ء
	یونان	۱۵۱۵ء	فلسطین	۱۵۶۳ء
	میکسیکو	۱۵۳۴ء	پیرو	۱۵۸۴ء
	آئرلینڈ	۱۵۵۰ء	جاپان	۱۵۹۰ء

کتاب کے حسن و زیبائی پر توجہ

یورپ میں سولہویں سے اٹھارہویں صدی کے وسط تک چھپائی کی صنعت میں ترقی کے معنی تھے حروف سازی کے فن میں ترقی، ان کی شکلوں میں تغیر و تبدل اور اس مقصد کے لیے استعمال کی جانے والی دھات کی کیمیاوی ساخت میں تبدیلی۔ حروف سازی میں تبدیلی لانے والوں میں سرفہرست نام 'الڈس مینوٹیس' Aldus Manutius ہے جس نے بولونیا کے باشندہ فرانکو کو کرینوکی امداد سے گونگ حروف کے بجائے رومن حروف ڈھالے اور ان ترچھے حروف کو بھی وجود میں لایا جن کو آج انگریزی (Italics) اٹلیک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ الڈس کا ایک اور تجربہ جو قابل ذکر ہے اس کا پاکٹ سائز یا چھوٹے سائز کی کتابوں کی چھپائی ہے۔

پندرہویں صدی کے حروف سازوں کی کوشش تھی کہ جہاں تک ممکن ہو ڈھلے ہوئے حروف
اُس دور کی خطاطی کے نمونے پر ہوں بلکہ کچھ عرصے تک متن کے اوپر ہاتھ سے سجاوٹ اور حروف لکھنے
کے لیے جگہ چھوڑ دی جاتی تھی جسے فن خطاطی اور تزئین کے ماہر، جنہیں روبری کیٹر Rubricator
یا جلاکار کہا جاتا تھا، اپنی ہنرمندی سے پُر کرتے تھے۔ اطالیہ سے فن حروف سازی فرانس میں آیا
جہاں اس نے سوٹھویں صدی میں اسٹینے (Entinglios) برادران، ساکن ڈمی کولنس
جیو فرے توری اور گریمینڈ کو متاثر کیا۔ اُس زمانے میں اطالیہ کے مشہور اہل فن جن میں اندرے ڈیل
سارنو اور لیونارڈو دینچی بھی شامل ہیں، فرانس آگئے تھے۔ جیو فرے توری نے حروف سازی
کے ساتھ ساتھ موقوفات وغیرہ کی بنا ڈالی۔ اس نے رومن حروف کے رنگوں کو ہلکا کیا۔ اور
کتابوں کی تزئین میں لکڑی کے ٹپھے پر بنی تصاویر استعمال کیں۔ توری نے حروف سازی کے
فن پر ایک کتاب بھی مرتب کی تھی جو 1619ء میں طبع ہوئی تھی۔

سوٹھویں صدی کا دوسرا عظیم فرانسیسی حروف ساز کلاڈ گریمینڈ ہے۔ چھپائی کے
حروف کو خطاطی کے طرز سے مکمل آزادی دلانے میں کلاڈ گریمینڈ کا کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔
گریمینڈ کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ لوگ اب چھپی ہوئی کتابوں کے عادی ہو رہے
تھے اور حروف اپنی ساخت میں لوہے سے اسی طرح متاثر ہو رہے تھے جس طرح اس سے پہلے
وہ کلک کی خصوصیات سے متاثر تھے۔

سوٹھویں صدی کے شروع میں سوٹمز لینڈ میں بھی طباعت کے فن نے ترقی کی چند
منزلیں طے کیں۔ خصوصاً نباتات اور حیوانات کے موضوعات پر مصور کتابیں شائع ہوئیں
جن میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر تصویریں جان اسٹونینس فان کلکارے کی ہیں۔
سوٹھویں صدی میں بلجیم کے شہر اینٹورپ میں مشہور تاجر کتب کرستوف پلینٹن نے
کاروبار کتب شروع کیا۔ پلانٹن کی شہرت ایک کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ حروف
سازی کے نئے تانے کی دھات کے استعمال پر ہے۔ اس نے اسپین کے شاہنشاہ کی
فرمائش پر پانچ زبانوں میں بائبل کا نسخہ شائع کیا۔ جسے پالی گلاٹ بائبل یا مختلف الزبان
بائبل کے نام سے شہرت ملی۔ اسی بائبل کے تیرہ نسخے چمڑے پر چھپے ہوئے تھے۔ پلانٹن کے
خاندان میں طباعت کئی پشت تک چلتی رہی۔ چنانچہ اس کے پوتے نے کئی مصور کتابیں
چھاپیں جس میں مشہور آرٹسٹاروبن نے بھی تصاویر بنائی تھیں۔

سترھویں صدی میں حروف تراشی میں ترقی

فرانسیسی حروف سازوں نے سترھویں صدی کے اوائل میں ڈچ حروف سازوں کو متاثر کرنا شروع کیا۔ چنانچہ سترھویں صدی کے مشہور ڈچ حروف ساز وان ڈائیگ پر فرانسیسی حروف سازوں کا اثر واضح شکل میں ملتا ہے۔ سترھویں صدی میں انگلستان افراتفری اور انقلابات کا شکار رہا۔ حکومت نے طباعت پر پابندیاں عاید کر رکھی تھیں جس کی وجہ سے طباعت کا کام ہالینڈ میں کرایا جاتا تھا۔ ہالینڈ میں اس دور کے مشہور ناشر الزویرس نے جن کے خاندان میں طباعت پلانٹن کے خاندان کی طرح کئی پشتوں تک چلتی رہی۔ الزویرس نے الڈس کی جیسی کتابیں چھاپیں۔ اس فرم کو شہرت سوٹھویں صدی کے ربع ثانی میں ہوئی۔ جب ان کے مطبع میں مشہور حروف ساز وان ڈائیگ نے حروف تراشی شہرت پائی۔ وان ڈائیگ کے بنائے حروف نے ڈچ طباعت کو بین الاقوامی شہرت دے دی چنانچہ اب اگر کوئی کتاب خوبصورت حروف میں چھپی نظر آتی تو کہا جاتا کہ یہ ڈچ حروف میں چھپی ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1667ء میں قائم ہوا۔ اس کے لیے بشپ جان فل نے ڈچ حروف کے سانچے خریدے۔ چھپائی کی کہانی میں سترھویں صدی کی دوسری وین 'اینٹگ' اور پرنٹنگ Entiglio Printing یا پلٹ کے ذریعہ چھپائی ہے۔ پلیٹوں کے ذریعہ چھپائی کی بدولت اخبارات کی چھپائی ممکن ہو سکی۔ چنانچہ جرمنی میں دنیا کا پہلا اخبار جوہان کیروس نے 1609ء میں شائع کیا۔ اسی زمانے میں ہالینڈ میں دنیا کا قدیم ترین اخبار سے اب تک مسلسل شائع ہونے والا اخبار 'کورانٹ فار یورپ' 1656ء میں اشاعت شروع ہوئی۔ یہ اخبار آج بھی نیوہار سمیت کورانٹس کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ انگریزی زبان کا پہلا اخبار بھی ہالینڈ میں چھپا گیا۔ لیکن 1665ء میں ہنری مڈی ہین نے یہ پہلا انگریزی اخبار 'آکسفورڈ گزٹ' کے نام سے آکسفورڈ سے شائع کیا۔ امریکہ میں طباعت کی ابتدا (1638ء) کیمبرج میساچوسٹ میں اسٹیفن ڈے کے پریس سے شروع ہوئی۔ عرصہ دراز تک یہاں انگلستان کے اخبارات فروخت ہوتے رہے۔ سترھویں صدی نے دنیا کے ادب کو بہت اعلیٰ اور ارفع مقام پر پہنچا دیا۔

خصوصاً انگلستان کے عالم گیر شہرت یافتہ مصنفین شیگسپر، ملٹن، بنیان، مولیر، ڈریڈا، وغیرہ اسی صدی کی مشہور ہستیاں ہیں۔ لیکن طباعت کی دنیا میں نجی پریس پریسکاری پریس کو فوقیت رہی۔ سترھویں صدی کے آخری ایام میں لونی تیرہ کے قائم کردہ۔ رائل پرنٹنگ ہاؤس میں ٹائپ کی ایک نئی قسم وجود میں آئی۔ اس کی بنیاد حسابی قاعدوں پر تھی جس میں گراف اور مثلث کی مدد سے حروف وضع کیے گئے تھے۔ اس کے ٹیپے فلپ گرنجین نے کڑھے تھے۔ گرنجین نے حساب دانوں کے مشورے کے ساتھ ساتھ اپنا دماغ بھی لگایا تھا۔ 1702ء میں نئے حروف کے پہلے سیٹ بن کر تیار ہو گئے۔ انھیں روین ڈوروی کا نام دیا گیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حروف سازی میں یہ تبدیلی دھات پر کھدائی کی وجہ سے وجود میں آئی۔ گرنجین کے حروف 1745ء میں جا کر مکمل ہوئے۔ حکومت کی نگرانی میں تیار ہونے کی وجہ سے ان حروف کو استعمال کرنے کی عام اجازت نہ تھی۔

ہذا اس زمانے کے مختلف ناشرین نے معمولی ردوبدل کر کے ان حروف کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا۔ گرنجین کے حروف میں اوپر نیچے باریک خط تھا جسے سیرف (Serif) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان حروف کی طباعت میں بڑی دلگوشی پیدا ہوتی تھی۔

انگلستان میں حروف سازی کے میدان میں سو لھویں اور سترھویں صدی میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو جہاں خطاطی کے دور میں گرنجین حروف کی ترویج میں انگلستان پیش پیش تھا۔ وہاں حروف سازی کی تاریخ میں ملک کی خاموشی کی وجہ ناقابل فہم ہے۔ غالباً اس کی بڑی وجہ ملک میں اندرونی انتشار اور اشاعت سے متعلق قوانین کی سختی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں صورت حال بدلی۔ انگریزی طباعت پر ڈچ اثرات تیزی سے مرتب ہو رہے تھے۔ 1730ء میں مشہور انگریز حروف ساز ولیم کیلان نے اپنے نئے طرز کے حروف ڈھالے جنھیں Old Face (قدیم طرز) کے حروف کا نام دیا گیا کیلان نے ڈچ حروف کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھا تھا۔ دل چسپ بات ہے کہ رومن کے ساتھ ساتھ اس نے عربی حروف کا ایک سٹ بھی سوسائٹی فار پرموٹنگ کرشچین ہالچ کے لیے بنایا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں انگلستان کا دوسرا قابل ذکر حروف ساز جان باسکر وائیل تھا۔ باسکر وائیل 1706ء میں برمنگھم میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے حروف کیسلان سے قدرے مختلف تھے۔ اور حروف سازی کی تاریخ میں عبوری دور کے حروف کہے جاتے ہیں۔

باسکروائیل کا خاص کارنامہ گرم پریس کے ذریعے چھپائی ہے۔ بھیگے ہوئے کاغذ پر چھپائی کر کے وہ انھیں تانبے کی گرم پلیٹوں کے بیچ سے گزار دیتا تھا جس کی وجہ سے چھپے ہوئے کاغذ ریشم کی طرح چمکنے ہو جاتے تھے۔ باسکروائیل نے طباعت کے فن کو حسن و سلیقہ بخشا۔

چھپائی کا عروج

اٹھارھویں صدی میں فرانس میں چھپائی کے مشہور فنکار فورنیر اور ڈیڈو ہیں۔ ان دونوں کا کارنامہ حروف سازی سے زیادہ حروف سازی کے قواعد مرتب کرنے کا ہے۔ فورنیر نے ایک کتاب مرتب کی جس کے مطابق حروف کے سائز یا جسامت کا تعین پوائنٹ میں ہوا۔ اس کا ایک حصہ چھپائی اور حروف سازی میں کام آنے والے اوزاروں سے متعلق تھا۔ دوسرے حصہ میں حروف کی جسامت اور اقسام کا ذکر تھا۔ اس نے اس زمانے کی مشہور حروف ڈھالنے والی کمپنیوں کا ذکر بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ فرانس میں طباعت کا دوسرا فرانسیسی ماہر فرنیکنز ابراہم ڈیڈو ہے۔ جس کے سرکاغذ کی ایک نفیس قسم 'Wove' کے ایجاد کا بھی سہرا ہے۔ لیکن اس کی اصل شہرت کا باعث حروف کی یورپی جسامت کے تعین کا نظام ہے۔ ڈیڈو نے فورنیر کے نظام میں پائی جانے والی خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس نے حروف کی پہچان کے لیے ان کے روایتی نام کی جگہ پوائنٹ کے ذریعہ شناخت کے موجودہ طریقہ کی بنیاد رکھی۔ مشہور امریکن موجد اور لیڈر بنجامن فرینکلن نے اپنے پوتے کو اسی کے پاس فن حروف سازی کی تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

اس دور کا ایک اور مشہور فن طباعت کا ماہر نام بٹا بودونی ہے جو اٹلی میں 1740ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے بھی حروف سازی کی قواعد مرتب کی جسے اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ نے طبع کرایا۔ بودونی نے جدید صورت Modern Face کے رومن حروف وضع کیے جن کی خصوصیت حروف کے آخری حصوں اور دائروں کی باریکی اور باریک شونے تھے۔ بودونی کے زیر اثر وہ موٹے حروف بھی مروج ہوئے جن کا انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں پوسٹروں کی چھپائی میں بڑا چلن تھا۔

گرینجیس کے رومن دوروں سے بودونی تک ماڈرن فیس تک چھپائی نے تکنیکی ترقی

کی کئی منزلیں طے کر لیں۔ حروف کی ڈھلانی اور ان کو فرموں میں کھینے کا کام بہتر ہوا۔ کاغذ کی سطح پہلے سے کہیں زیادہ چکنی ہوئی۔ سیاہی اور پریس کا کام بہتر ہوا۔ دوسرے لفظوں میں دھات پر کندہ کاری کا نمایاں اثر طباعت کے فن پر بحیثیت مجموعی ظاہر ہوا۔ اور اٹھارہویں صدی میں خطاطی کے نمونہ پر بنے حروف بالکل معدوم ہو گئے۔

انیسویں صدی کے بیشتر عرصے میں ماڈرن فیس حروف کا چلن رہا۔ اور نئے حروف ڈھالنے کے بجائے حروف کو سجانے کا کام ہوا۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں حروف سازی کی صنعت میں دوبارہ حروف سازی سے دل چسپی پیدا ہوئی۔ دراصل صنعتی انقلاب نے کتابوں کا جو مشینی مزاج بنا دیا تھا اس کے ردِ عمل کے طور پر نفاست اور تزیین کاری کی جانب توجہ زیادہ ہو گئی۔ اس ضمن میں سب سے نمایاں نام ولیم مورس کا ہے۔ ولیم مورس نے خوبصورت کتابوں کے چھاپنے کے لیے 'کلیم اسکاٹ پریس' قائم کیا۔ دیدہ زیب طباعت کے لیے اسے پندرہویں صدی کی کتابوں سے تحریک ملی۔ اس نے اپنے حروف جنسن کے نمونے پر ڈھالے اس کے کچھ ہی دنوں بعد کاٹن سینڈرسن اور المبری و المکر نے باہمی اشتراک سے ڈو (Dave) پریس قائم کیا۔ کلیم اسکاٹ پریس اور ڈو پریس نے چھپائی کی تاریخ میں صنعتی دور کے بعد نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ڈالی اور دونوں نے مل کر موجودہ دور کی حسین کتابوں کی روایت کی ابتدا کی۔ ان لوگوں نے اپنے حروف کے ڈیزائن خود بنوائے تھے اور ان کے ٹھہر لندن کے حروف ساز ایڈورڈ پرنس نے بنائے تھے۔ موجودہ صدی میں حروف کے ڈیزائن بنانے والوں میں معروف ترین نام ایڈورڈ جانسن کا ہے۔ جانسن میں کئی خوبیوں کا اجتماع ہے۔ وہ خوبصورت حروف بھی بنانا سنا، معلمی بھی کرتا تھا اور مصنف بھی تھا چنانچہ اسکی تصنیف Lettering and Writing and Illuminating اس موضوع پر معروف کتاب ہے۔ 1906ء سے جب کہ یہ کتاب پہلی بار چھپی تھی اب تک تقریباً ساٹھ بار چھپ چکی ہے۔ جانسن نے بغیر شوٹے کے حروف (San serif) وضع کیے جو پہلی بار لندن کی ڈیزائنرز ریل کے لیے بنائے گئے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ حروف سازی کے ایک دور کا خاتمہ ہوا۔ وہ لوگ جو مورس کی تربیت میں اور جانسن کی رہنمائی میں حروف سازی میں حسن کی اہمیت کو سمجھ چکے تھے۔ اب طباعت کے فن میں اسادی کی مسند پر تھے۔ ان میں ایرک میل۔

والرٹائی میں۔ روڈولف کوخ وغیرہ ممتاز نام ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے پہلے مشکل سے تین چار قسم کے ٹائپ حروف دستیاب تھے لیکن جنگ شروع ہونے پر ان کی تعداد پچیس تک پہنچ چکی تھی۔

ٹائپ کے ڈیزائن میں امریکہ کی قابل ذکر مستیوں میں ایڈ ایٹک راجرس اور گاوڈی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ایڈ ایٹک کے کارناموں میں سب سے اہم حروف سازی کی تاریخ پرانے کی جامع تصنیف ہے گاوڈی نے تقریباً سو مختلف حروف ڈیزائن کیے ان میں خاص طور پر قابل ذکر کے زلی، Kenerley اور گاوڈی ماڈرن ہیں۔ راجرس نے جنس نمونے پر سینکڑوں حروف وضع کیے ہیں۔

پوائنٹ سسٹم

حروف کی پیمائش پوائنٹ سے کی جاتی ہے۔ یہ نظام فرانس میں اٹھارہویں صدی میں وجود میں آیا تھا اور سب سے پہلے فورنیر نے حروف کی جسامت کا تعین کیا تھا۔ فورنیر نے روپخ کا ایک پیمانہ بنایا تھا۔ اپنچ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے میں حروف کے چھ پوائنٹ ہونے لگے اس طرح ایک اپنچ میں بہتر پوائنٹ بنتے ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں امریکہ کے حروف سازوں کی ایک انجمن نے حروف کے نظام جسامت کو ترتیب دیا اور ۱۸۹۵ء میں انگلینڈ میں بھی یہ نظام تسلیم کر لیا گیا۔ اس نظام کے اپنائے جانے سے پہلے حروف شناخت کے لیے اکاتے۔ روپی، ڈائی منڈ، کینن، وغیرہ ناموں سے جانے جاتے تھے۔

بارہ پوائنٹ کو 'پکا' (Pica) کہتے ہیں۔ اور چھ پوائنٹ کو 'نان پاریل' (Non Parel) کہتے ہیں۔ چھاپے خانوں میں حروف سے متعلق ایک اور اصطلاح ایم (em) مروج ہے جو پوائنٹ کے ساتھ ملا کر بولی جاتی ہے۔ حروف کو عموماً دو بڑے گروپ میں تقسیم کرتے ہیں۔ شوٹے دار اور غیر شوٹے دار۔ ہر گروپ میں کئی چھوٹے گروپ ہوتے ہیں جیسا کہ درج ذیل جدول سے واضح ہیں۔

شوٹے دار حروف (Serif) غیر شوٹے دار حروف (Sanserif)

اولڈ فیس - گونٹک

ماڈرن فیس - گراٹیک

ونیشین - سانس

کارڈن - اطلس

حروف کو فاؤنڈرس ٹائپ (دستی ڈھلے ہوئے حروف) مونو ٹائپ (مشینی ڈھلے ہوئے حروف) اور سلگ تین گرد ہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ فاؤنڈرس ٹائپ سخت دھات سے ڈھالے جاتے ہیں جو سیسہ، سرمہ اور کبھی کبھی تانبہ ملا کر بنائی جاتی ہے۔ حروف کے ایک پورے سٹ کو جس میں ترچھے اور سیدھے بڑے چھوٹے تمام حروف اور ہر طرح کے موٹو نشتا PUNCTUATIONS شامل ہوتے ہیں فانٹ کہتے ہیں۔

چھاپے خانے کے مخصوص نشانات

چھاپے خانے وجود میں آنے کے بعد ان کے مالکان کو جلد ہی اپنی مطبوعہ کتاب کا ایک امتیازی نشان مقرر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ پہلا چھاپہ خانہ جان گٹن برگ کا ہے۔ مگر اسے حروف تراشی اور دوسرے سخت پیچیدہ تکنیکی مسائل کے مقابلے میں اس طرف خیال کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اس کے حریف اور ہم عصر اسکوفرا نیڈرلینڈسٹ کمپنی پہلے مالک مطبع اور ناشر مطبوعات ہیں جنہوں نے اپنے پریس کا ایک نشان شاخ سے لٹکی ہوئی دو شیلڈ مقرر کر کے اپنی پہلی مطبوعہ 'سالٹر، نغمہ اور (Psalm of David) پر بنایا تھا۔ لیکن پریس کی یہ پہلی خود نمائی شاید کچھ جھجکتے اور شرماتے ہوئے وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ مطبوعہ زبور کی مجموعی تعداد میں سے صرف ایک جلد پر یہ امتیازی نشان پایا گیا۔ وہ آج کل ویانا میں ہے۔ اس کے بعد ان کی شاید دوسری یا تیسری 1462ء میں طباعت کی ہوئی بائبل ہے جس میں ایک شاخ سے لٹکی ہوئی دو شیلڈ ہیں۔ اس وقت اس نشان نے اس قدر اہمیت اور مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ دوسرے ہم عصر چھاپے خانوں میں سے کسی نے دھوکے دھڑی سے اور کسی نے ذرا سی ترمیم کے ساتھ اعلانیہ ڈھٹائی سے اس نشان کو اپنالیا۔ چنانچہ امریکہ کے پرنٹنگ ہاؤس، کرافٹ مین، کا بھی یہی نشان ایک وقت دیکھنے میں آیا۔ قدرے تبدیلی سے ایمرچ ہین۔ جان ویلڈیز اور رینڈ لینڈ کے 'دوین کا مطبع 1475ء میں اپنا ہی نشان دکھارہا تھا۔ انگلستان کے ابتدائی پرنٹر چرڈ پینسن نے ایک شیلڈ کو اولاً 1509ء سے 1526ء تک اپنایا۔ اس کے بعد تین چڑیوں کی علامت وضع کی۔ پھر طرح طرح کے نشانات تمام چھاپے خانے اپنے لیے مقرر کرتے رہے۔ جیسے گل کاؤٹی

نے کچھ چھریاں درمیان میں ایک چھلارا درخت، اردگرد کھولوں کے پودے۔ میکائیل لی نوالڈ نے 1500ء میں ایک حبشی کا سرد و حبشیوں کا سہارا لیے ہوئے۔ 1483ء میں سینٹ البان کے پرنٹ نے ایک بڑی صلیب کے نیچے جرطی ہوئی ایک چھوٹی صلیب ایک ڈائرے پر قائم جس کے اندر ایک شیلڈ پر کر اس بنا ہوا۔ اسی طرح 1521ء میں سائیرج لیمرج نے چار کے رومن ہند سے سے لمبی لکیر وسط میں صلیب بناتی ہوئی کھینچ کر اپنا نشان وضع کیا۔ وٹکن ڈی وورڈے کے مطبع کے بہت سے نشانات میں سے ایک، انگور کی پیچ در پیچ گتھی شاخیں جھولنے خوشوں کے درمیان سے جھانکتا سورج نشان تھا۔ اور 1548ء میں روم کے انیونوبلیڈو کا نشان شمع پروانہ مشرقی عشق و محبت کی پُرسوز داستان بیان کرتا تھا۔ ایڈیٹیس مانوٹیس نے وینس میں جب 1494ء میں اپنا مطبع قائم کیا تو اس کے سنجیدہ ذوق کو 1502ء سے پہلے کوئی ایسا نشان نہ مل سکا جو اس کے مطبع کے ایڈیٹیل معیار کی نمائندگی کرتا۔ مگر جون 1502ء میں جب اس نے سیڈولیس اور دوسرے مسیحی شاعروں کا ایک منتخب مجموعہ شائع کیا تو اس پر بالآخر اس کے مطبع نے اپنا ایک ایسا نقش بنا دیا۔ جس سے آج تک مغربی اعلیٰ کلاسیکی ادب کا مطالعہ کرنے والی آنکھیں بہ خوبی مانوس و آشنا ہیں۔ یہ لنگر سے لپٹی ہوئی ڈالین اپنے اندر کچھ ایسی ہی معنوی ندرت، کشش اور سادگی رکھتی تھی۔ اللہ ابن بریس کا یہی نشان اگست 1502ء میں (Le Lerzerime De Dante) ایک مایہ ناز کلاسیکی کتاب پر نظر آیا اور پھر 1546ء تک ہزاروں کتابوں پر یہ نشان چمکتا رہا۔ ان میں یورپ کے کچھ لاخیرے چھاپے خانوں کی بے چاری وہ کتابیں بھی تھیں جن کے دیدہ و درمالکان مطابع و ناشرین ان کے اچھے دام کھڑے کر لینے کے طالب تھے۔ اس کے بعد ایڈیٹس خاندان لنگر کو مختلف صورتوں میں مطابع کے نشان میں سنبھالتا رہا۔ فلورنس اور وینس کے ناشرین کتب کا ایک نامور خاندان جنٹا 1480ء سے 1598ء تک اپنے تمام نشانات میں طرح طرح سے کنول کو نمایاں کرتا رہا۔ غرض اس وقت سے آج تک چھاپے خانے کے نشانوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان کے سبکوں، ہزاروں نشانات ہیں۔

دوسرا باب مصور کتابوں کی طباعت

کتاب کے متن کے ساتھ تصویروں کی نمائش نہ صرف کتاب کی آراستگی کے مقصد سے ہوتی ہے بلکہ ان کے ذریعہ کتاب کے مواد و موضوع کو واضح اور ذہن نشین کرانا بھی مقصود ہے لیکن مصور کتابوں کا حقیقی مورخ تاریخی طور پر انسان کا جمالیاتی ذوق ہی رہا ہے لہذا کتاب میں تصویریں زیادہ سے زیادہ خوبصورت اصلی و فطری شکل میں پیش کرنے کی کوشش یونانی مخطوطہ ابتدائی کتابوں کے متن کو ٹائپ سے چھاپ کر کچھ برسوں تک تصویروں ہاتھ سے بنائی گئیں، پھر چوپی ٹھپوں سے چھاپ کر پیش کی جانے لگیں۔ مگر یہ مصور کے موقلم کی لطافت و نزاکت اور رنگینیاں پیدا کرنے سے قاصر نظر آئیں۔ تاہم انسان کی قدرتی ایجاد و اختراع شکست ماننے پر تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے 1498ء میں البرج ڈلوار نے نیورمبرگ میں پہلا کامیاب قدم رکھا۔ اس نے گرینک آرٹ کے پندرہ تاریخ ساز نمونے پیش کیے۔ جن میں روشنی اور سایے کا انعکاس نہایت خوبصورت اور واضح ہے جو اگلے فنکاروں کو راستہ بتاتا ہے۔ اس کے گہرے مذہبی جذبات نے مصور طباعت میں بے جان لکڑی سے کسی حد تک زندگی پیدا کر دی۔ کنواری مریم کی جیات و مصائب کا مرقع اس کے فن کا اعلا شاہ کار ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایٹوولٹ امیدمینر بائبل میں نیز ڈانٹے اور بوکیشیو کے مصور ایڈیشن میں لکڑی کے ٹھپوں سے مصوری کے اچھے نمونے پیش کر چکا تھا اور سوٹھویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں ونیشین اور فلورنٹائن چوب تراش تصویریں چھپائی اعلیٰ سطح کو چھو رہی تھی۔ اس کے بعد سوٹھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں گبریل ڈی۔ فرار نے آٹھ سو پچاس مصور کتابیں

برآمد کیں۔ جن میں چوبی ٹپوں سے خوبصورت تصویریں چھاپی گئی تھیں۔ البریج دیوارٹ
چوب تراشی کے فن میں آگے بڑھتا گیا۔ چند برسوں کی محنت میں نہ صرف اطالیہ کا ہمسر
ہو گیا بلکہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے اس نے چوبی تصاویر کے طباعت کے فن پر اچھا خاصا
قابو پایا اور فنی پختگی حاصل کر لی۔ اس کا اعلان جو ہزاروں جرمن کتابوں پر محیط ہے پہلے
صرف اسٹراسبرگ میں قید تھا۔ پھر آکسبرگ میں اور آخر میں سوئٹزر لینڈ جرمن آرٹ
کا مرکز ہو گیا۔ بیبل میں دوسرا سب سے بڑا فن کار چوبی ٹپوں کے ذریعے مصوری میں
'ہینس ہالبین' ہوا ہے۔ جس نے لیسن میں 1538ء میں 'رفض اجل کے خیال کی تصویر کشی
میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ اس خیال کو 1485ء سے پہلے فرانس میں 'سائمن ولیر' نے دھات
کے ٹپے کے ذریعے پیش کیا تھا۔ جو دوسری بار پیرس میں چوبی ٹپوں سے چھپائی گیا ہوا 1485ء
میں شائع ہو کر خوب مقبول ہو چکا تھا۔ اب ہالبین نے اس میں کچھ اور جان ڈال دی۔ اس کا
فن نہایت واضح سادہ خطوط میں تصویریں تخلیق کر کے رومن یا اطالوی ٹائپ سے بڑی سہولت
رکتا تھا۔ تصویر و تحریر میں اس سے ہم آہنگی پیدا ہوتی تھی۔

چوبی ٹپے

چوبی ٹپوں سے چھپی ہوئی پہلی مصور کتاب جو اب تک دریافت ہوئی۔ وہ البریج فسٹر
(Albrecth Phister) کی ہے۔ یہ پہلے ویوں کی تصویریں اور ٹائپ کے
پتے وغیرہ چھاپتا تھا۔ اس لیے چوبی ٹپوں کے فن میں پورا ادراک رکھتا تھا۔ 1461ء میں
اس کی ایک چھوٹی سی مذہبی کہانیوں کی کتاب شائع ہوئی اور کافی مقبول ہوئی۔ یہ جرمنی کی
قدیم ترین مطبوعہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ چوبی ٹپوں پر تراشی ہوئی ابتدائی تصویروں
کے خطوط 'ٹائپ' کے ابتدائی بڑے حروف کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔ اور ان کتابوں
کی آرٹس کا اچھا خاصا سامان یہ تصویریں تھیں۔ کیونکہ دونوں اپنے ابتدائی مقام پر تھیں۔
لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ البریج فسٹر نے دس بیس سال اگلی جرمنی کی چوبی ٹپوں کے ذریعے
مصوری کے ذریعے اعلا طباعت کا بیج بویا۔ جس سے ڈیوار اور ہالبین جیسے نامور آرٹسٹ
پیدا ہوئے اور اطالیہ میں جس کی شاخیں ایک نئی سمت پھیلنے لگیں۔ چوبی ٹپوں سے یہ
چھپائی آگے پل کر تصویریری خاکہ کشی تک محدود نہ رہ سکی۔ بلکہ اس میں (شیدنگ) سایہ لگنی

کے ذریعہ سُرخِی تصویریں بھی نمودار ہونے لگیں۔ اس قسم کی بہت سی تصویریں کولون بائبل میں نورمبرگ کے اٹنے کو برجر نے 1483ء میں استعمال کر کے شائع کیں۔ تو سوٹھویں صدی سے پہلے ہی آنکھوں کو حیرت زدہ کر کے مقبولیت حاصل کر چکی تھیں۔ اسٹیفن ارنڈیس نے بھی چوبی ٹپھوں کی تصویروں میں حیرت انگیز کام کیا جو 1486ء میں 'سلس وگ' میں طبع کیا گیا۔

پلنٹین - جرمنی میں چوبی ٹپھوں کی مصوّر چھپائی

پلنٹین نے چوبی ٹپھوں پر تصویر تراشی کا بہ کثرت کام کیا ہے۔ لکڑی کے ذریعہ ایسی جان دار تصویریں پیش کیں کہ چوبی ٹپھوں کی عمر میں اس کی چھاپی ہوئی تصویروں کی بدولت کافی اضافہ ہو گیا۔ اس کا اثر جرمنی پر بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ سترھویں صدی عیسوی میں جب چوبی ٹپھے دوسرے ملکوں کے چھاپے خانوں میں دم توڑ چکے تھے، اور تانبے کی پلیٹوں نے انہیں اچھی طرح دبایا تھا، اُس وقت بھی جرمنی میں چوبی ٹپھے زندگی کا ثبوت دے رہے تھے اور ان پر پلنٹین کا فن اُبھر رہا تھا۔ چوبی ٹپھوں کے علاوہ اُس نے تانبے کی پلیٹوں پر بھی نقوش سازی کا کافی کام کیا۔

چوبی ٹپھوں سے مصوّر کی کا عروج

اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں تھیوس و یوک ایک انگریز نقاش نے زیادہ دور رس کارنامے کا آغاز کیا۔ پچھلے دو صدیوں سے ڈوبا ہوا لکڑی کے ٹپھوں پر نقاشی اور مصوّر کی کام و یوک کے ہاتھوں اُبھر کر ایک نئی زندگی پا گیا۔ گذشتہ ٹپھوں سے کھدے ہوئے نقوش سیاہ رنگ میں ابھرے تھے۔ ان کے برعکس اب تصویر کے سفید نقوش ابھارنے کی ایک نئی تکنیک پیدا ہوئی۔ یہ سفید نقوش کم اور زیادہ گھنی، سیاہ باریک لکیروں کے دامن پر روشنی اور تاریکی کی پرچھائیاں اور بڑے کمال کی سفید رنگ کے ساتھ سایہ فگنی دکھانے لگے۔ جس سے مصوّر کی کے اعلانوں نے چھاپنے پر مطابح کو پوری قدرت حاصل ہوئی۔ یہ اس قدر کامیاب کوشش تھی کہ پچھلی مطبوعہ کتابوں کی تصویریں اس کے آگے پھینکی پڑ گئیں۔ خاکہ کشی میں و یوک کی صلاحیتیں ایک اعلیٰ مقام پر ہیں۔ خصوصاً

حیوانات کی مصوری میں اس کی انفرادی حیثیت ہے۔ چھوٹے مرقعوں میں اس کا فن انتہائی عروج پر ہے۔ لکڑی کے ٹپوں کا یہ جدید طریقہ انگلستان سے یورپ اور امریکہ تک برطانیہ تیزی سے پھیلا اور جب تک فوٹوگرافی کی اسٹیل پلٹیں وجود میں نہیں آگئیں، تصویروں کی طباعت میں یہی طریقہ مقبول و مروج رہا۔ ویوک خاکہ کشی کے فن میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ اس کی کتابیں چوپایوں اور پرندوں کی نہایت صحیح اعلیٰ مصوری کے نمونے پیش کرتی ہیں۔ لکڑی پر یہ کھدائی بجائے چاقو باریک نوک کے ایک سو جے کی طرح آلے سے کی جاتی تھی کیونکہ اس فن کے لیے بہت باریک خطوط کی نقاشی درکار تھی۔

ویوک اسکول نہ صرف برطانیہ پر زمانہ دراز تک اثر انداز رہا بلکہ امریکہ اور یورپ میں چوبی ٹپہ کاری (زیلوگرافی) کو اس کی بدولت قبولیت عام حاصل رہی۔ فرانس میں جے۔ بی۔ پائیلون نے اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں بہت زیادہ چوبی نقش تراشی کا کام کیا۔ لیکن تا وقتیکہ وہاں انگلش اثرات نہیں پہنچے یہ فن اعلیٰ سطح پر نہ آسکا۔ عظیم فن کار و طنز نگار ہونورے ڈاؤ میٹر، الفرڈ اور ٹونی جو ہنٹاٹ برادران اور پیرس کی شائستہ زندگی کا باکمال مصور پال گادارنی سب ویوک اسکول کے احسان مند ہیں بلکہ اگلی صدی میں گٹاؤ لے ڈورے جس کے کارناموں کی وسعت ریپبلانس سے بائبل تک ڈانٹے سے ایڈگر ایلیسپو تک یکساں طور سے اجتماعی و انفرادی ذہن و شعور کی جزئیات پر حاوی ہے۔ اپنی تخلیقات کو پوری کامیابی سے پیش کرنے کے لیے سب ویوک کے رہین منت ہیں۔ انیسویں صدی میں ڈورے کی لازوال بہار چوبی تراشی پر فرانس میں ختم ہو گئی۔

جرمنی میں چوبی ٹپوں کا زمانہ مدت دراز تک رہا۔ لیکن اٹھارھویں صدی میں مارٹن وان۔ شوٹینڈ کے ہاتھوں ایک نئی جدت اور تازہ فنکاری کے ساتھ ابھرا۔ اس کی اپسراؤں کی مصور کہانیاں بہت مقبول ہوئیں۔ اور لگوگ رچٹر کی عوامی اور پرستانی کہانیاں اس سے کسی طرح کم درجہ پر نہیں ہیں۔ جس سے اعلیٰ طبقے کے مذاق کا حقیقی رشتہ چارڈو کی نے اپنے تانبے کی پلٹوں کے ذریعہ پیدا کیا۔ اسی زمانے میں الفرڈ ریچل کارقص اجل ڈیوار کے طرز میں شہرت گیر ہوا۔ بعد میں فریڈرک اعظم کے جنگی کارناموں کی مصوری میں ایڈولف۔ وان منزل نے بھی کچھ کم شہرت نہیں لوٹی۔

نقشیں پلیٹوں سے مصوری

چوبی ٹپوں کے ساتھ کہیں کہیں دھات کی پلیٹوں پر بھی تصویریں اور ڈیزائن کندہ کیے جاتے تھے۔ 1457ء میں فنسٹ اور اسکوفرنے چرمی پارچوں پر نغمہ داؤد (Psalm of David) شائع کی تو اس میں ٹائپ کے ساتھ حروف آغاز کے خوشنما ڈیزائن اور مصوری کے لیے بجائے لکڑی کے ٹپوں کے دھات کی پلیٹیں استعمال کی گئی تھیں۔ مطبوعہ کتابوں میں دھات کی پلیٹوں کے استعمال کی یہ پہلی مثال تھی۔ آگے چل کر سامن و سٹر، ریڈ و لٹ اور دوسرے کتب سازوں نے دھات کی نقشیں پلیٹوں کی مصوری کے اعلانوں نے پیش کیے۔ خصوصاً کرسٹوفر پلنٹین اور اس کے خاندان کے افراد نے بکثرت تصویروں کی چھپائی اینٹورپ میں نقشیں پلیٹوں سے کی۔

1477ء میں پہلی بار جب فلورنس میں تانے کی پلیٹ پر تصویر پر نقش کھود کر کتاب کی چھپائی کا تجربہ کیا گیا تو چھاپنے والوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ لکڑی کے بلاک سے تانے کی پلیٹ کام کے معاملے میں بالکل مختلف چیز تھی۔ اس بنا پر شروع میں یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن سولہویں صدی عیسوی تک مستقل کوششوں نے بالآخر اس دشوار راستے کو ہموار کر دیا۔ سولہویں صدی کے آخری برسوں میں سواجرمنی کے پورے یورپ میں تانے کی پلیٹوں سے تصویروں کی چھپائی نہ صرف عام طور پر رائج ہو گئی تھی بلکہ ان کے آگے چوبی ٹپوں کو پس پشت ڈال دیا گیا اور فرانس میں تو خاص طور پر تانے کی پلیٹوں سے چھپی تصاویر اعلیٰ طبقے کے مذاق کو تسکین دے رہی تھیں۔ یہ صورت اٹھارہویں صدی کے آخری برسوں تک رہی۔

باروک طرز کی کتاب سازی

کتاب چاہتی ہے کہ اس کا پورا اپیکر حسن و دلکشی میں ڈھلا ہو۔ یہ تقاضا اس کے چہرے یعنی سرورق کے لیے اور زیادہ ہے۔ نہ صرف مصنف بلکہ قاری بھی چاہتا ہے کہ خوبصورت کتاب کا مطالعہ کرے۔ مصنف کا تو یہ بھی جی چاہتا ہے کہ جس کتاب کے مواد کی ذہنی ترسیل کے لیے اس نے اس قدر محنت کی ہے اس کی کچھ جھلک تو سرورق پر نمودار ہو جائے

کتاب کی مشائت یعنی پبلشر اس سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی آرزو رکھتا ہے۔ لہذا سرورق کو بے حد جاذب نظر بنانے کی اسے بھی فکر ہے۔

اس کوشش نے سوٹھویں صدی عیسوی میں پہلی بار ایک نیا مخصوص اور موثر انداز اختیار کیا تھا۔ یہ باروک طرز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ ایک طرف تو کتاب کے مواد و موضوع کی نمائندگی اس کے سرورق سے ہوتی ہے۔ دوسری طرف کتاب کے ثقیل و گراں بار مواد و موضوع کے باوجود سرورق دیکھ کر خریدنے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً ایک سفر نامہ ہے۔ اس کے سرورق پر کچھ اجنبی چہرے، مختلف جانوروں کی شکلیں جن کے پس منظر میں کچھ علامتی نقوش و خطوط، ایک نادیدہ جہان ایک حیرت زا عالم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کتاب کا ایک ایسا نمائندہ ڈیزائن سرورق پر پیش کیا گیا کہ ایک نظر دیکھتے ہی کتاب خریدنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ اس کوشش میں پوری کامیابی کی سوٹھویں صدی میں توقع کرنا فن کی عمومی سطح سے بالا اور تاریخی عہد سے پہلے اس سے مطالبہ کرنا تھا۔ لیکن اس وقت بھی آرٹسٹ عمومی سطح سے بلند ایک تاریخ ساز حیثیت رکھتے تھے۔ جن میں نیدر لینڈ کا ایک فنکار ربن (Ruben) اور اس کے شاگردوں کے نام ناقابل فراموش ہیں۔ جنہوں نے اپنے کشیدہ خطوط میں عجب معنوی لوج اور چمک پیدا کی تھی۔ اور اپنے خاکوں کے ذریعہ تصور کے نئے نئے میدان تخلیق کینے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ربن نے سرورق کے لیے ڈیزائن بنانے کے فن کو ترقی کی ایک نئی راہ پر لگا دیا۔ اُس نے خاندانِ گال کے کچھ افراد کی مدد سے جو تانبے کی پلیٹوں پر نقاشی کے ماہر تھے، پلنٹین مطبع کے 'بال نھام مورٹیس' کی فرمائش پر جو علامتی خاکے پیش کیے، وہ آج کی جدید علامتی مصوری کی ابتدائی سیڑھیاں تو ضرور تھیں مگر ایک سر بلند مینار کی طرف جاتی ہوئی صاف نظر آتی تھیں۔ ان کا رخ جلدوں پر چمک بھرک سے بہت دور ایک نادیدہ جہان مستقبل کی طرف تھا۔

عام طور پر ربن کسی مواد و موضوع کے پیش نظر کچھ سرسری لکیریں کھینچ دیتا تھا۔ جن میں ایک مصوری خاکہ قید ہوتا تھا۔ اسے (Invenit) کہتے ہیں۔ اس پر دوسرا آرٹسٹ تصویر ابھارنے کا کام انجام دیتا تھا، جسے (Delincovit) کہتے ہیں۔ تیسرا شخص تانبے کی پلیٹ پر اس کا نقش کھودتا تھا۔ جسے (Sculpsit)

کہتے ہیں ربن کی بدولت انیسویں پلٹنیں پرپس کی تانبے کی پلیٹ کے ذریعہ مصور کتابوں کی اہمیت اور وقعت اس کے مرنے کے بعد بھی سترھویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ بلجیم اور خصوصاً ہالینڈ کتاب سازی کے فن میں عرصے تک یورپ کی رہنمائی کرتا رہا، جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ نیدرلینڈ نے اپنا سیاسی استحکام صدیوں تک برقرار رکھا، وہاں کی آزاد خیال لبرل حکومت سے فنکاروں کو فنی تخلیق کے لیے ایک آزاد اور پر امن فضا ایک اطمینان بخش ماحول حاصل ہوتا رہا۔ اس وجہ سے وہاں ربن کی ذہنی صلاحیت خاص طور پر باور ہوئی۔

تانبے کی پلیٹوں سے مصوری کا عروج

لوئیس پنجم کے عہد کی باوزن باروک طرز مصوری جو مجموعی فن مصوری اور کتاب سازی کے ہنر پر بیس پچیس برس سے چھانی ہوئی تھی، اٹھارھویں صدی کی پیر آسائش شاہانہ زندگی سے مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ سماجی طاقتیں جو اس صدی کے آخری حصے میں انقلاباً عظیم برپا کرنے والی تھیں۔ ان کی لہریں طوفان سے قبل کے اس سمندر میں ابھی نشین تھیں۔ اور بالائی سطح پر سکون تھی۔ جس پر بادشاہ، امرا اور لوہوں کی خواہناک زمینیاں ایک عام آدمی کی آنکھوں کو قصر شاہی کی راحت و آسائش کا نقشہ دکھا رہی تھیں۔ فن کے رگ ریشے میں عشق و محبت کا جذبہ مستقل ایک نظریہ حیات تھا جو بہت باریک بہت نازک ہو کر اپنا جلوہ دکھا رہا تھا حتیٰ کہ سیاست میں بھی لطیف محبت کے جذبات نے شاہی داستانوں اور محبوباؤں کی مداخلت کو اس قدر گہرائی تک پیوست کر دیا تھا کہ نظم حکومت اور تدبیر سیاست میں ہر جگہ ان کا اثر و نفوذ تھا۔ زندگی کے اس فکری انداز نے فن کے رکو کو طرز میں اظہار تعیش کا ایک پسندیدہ اسلوب پالیا تھا۔ فن کی عظمت اور تجیل کی گراں باری کی جگہ ہلکے پھلکے لفیسو لطیف نقوش اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتابوں کی جگہ کثیر تعداد میں چھوٹی، سبک خوبصورت جلد کی کتابیں نظر آنے لگیں۔ تانبے کی پلیٹوں پر نقاشی، کتابوں کی آرائش میں بڑی کشادگی سے اپنا حق ادا کرنے لگی۔ کتاب کے ہر جزو کا آغاز ایک چھوٹی سی دلکش تصویر سے ہوتا تھا۔ اس قسم کی ہلکی ہلکی

چھوٹے سائز کی تصویریں پوری کتاب میں آزادی کے ساتھ ہر جگہ بکھری نظر آتی ہیں۔ ان تصویروں میں سب سے زیادہ کمیوڈ کی پروانگناں شبید گلاب کی لڑیوں کے حلقے میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ سابق حاشیوں کی قید میں رسمی تکلفات کی یکساں پھولدار بیلوں سے روکو کو، فن نے کتابوں کی زیبائش کو آزاد کر کے، ان کی جگہ چھوٹے صدف سماخاکوں میں پام کی شاخیں قدرتی انداز میں درختوں کے کنج۔ خوشنما پھولوں اور پھلوں کی خمیدہ شاخیں، پہاڑوں کے ڈھال پیچ و خم کھانے ہوئے چشمے۔ سمندر کے مقابل کوئی چٹان، یہ سب کم و بیش غیر رسمی انداز میں نیچر کے قریب لاکر اس زمانے کی کتابوں میں پیش کیے گئے ہیں۔

فرانسیسی فن کاروں اور مصوروں نے اس جدید روکو کو، فن کو کتابوں میں جلد ہی تکمیل و کمال تک پہنچا دیا۔ سلوس، جرمن، انگریز اور دوسرے ملکوں کے فن کار جو پیرس میں کام کر رہے تھے، سب نے مکمل طور پر فرانس کا یہ طرز اختیار کیا۔ اس طرز کی شاندار لائٹوں کی کشید اب تانبے پر کھدائی سے اتنی عمدہ مناسبت رکھتی تھی، کہ ان نقاشوں نے نہایت صحیح قدرتی اندازِ حسن کی تصویریں تخلیق کر کے اس عہد کے مذاق لطیف کا بھرپور اظہار کیا۔ اور تانبے کی پلیٹوں کا کام انتہائی عروج پر پہنچ گیا۔ البتہ اس فن کی لہر نے کہیں کہیں کتابوں میں غیر متوازن تصویریں بہتات بھی دکھائی۔ اکثر موقعوں پر اتنی زیادہ تعداد میں جاذب نظر تصویروں نے کتاب کے اصل موضوع سے توجہ بالکل ہٹا کر اپنی طرف مائل کر لی۔ اور بیشتر تصویریں کتاب کے حقیقی مواد سے واسطہ تعلق ہی نہیں رکھتی ہیں۔ تاہم وہ کتابیں جو تصویریں مواد ہی پر مبنی ہوتی ہیں جیسے تعمیرات کے مصوّرانہ خاکے، علم حیوانات و نباتات پر کتابیں بیرونی ملکوں کے سیاحت نامے وغیرہ بڑی جلد کی کتابوں میں روکو کو، فن پر قابل دید ہیں۔

اس طرز کا سب سے پہلا نمونہ ڈیفنس اینڈ کلو، یونانی مصنف لوگس کی کتاب ہے جو پیرس میں 1718ء میں تانبے کی پلیٹ پر چھپی۔ اس کی مصوری ڈیوک فلپ آف آرلین نے کی تھی۔ یہ فن عروج پر 1734ء میں مولر کے ایڈیشن سے ہوا۔ جس میں مشہور مصوّر باؤچر کی دو تصویریں ہیں۔ 1775ء تک اس طرز کی بہت سی کتابیں نظر آنے لگیں۔

تیسرا باب کتاب کی جلد میں

وسط سوطھویں صدی یعنی ٹائپ حروف کی ایجاد اور چھاپے خانوں کے وجود میں آنے کے سو برس بعد تک جلد سازی کوئی علاحدہ پیشہ نہ تھا۔ بلکہ چھپائی سے لے کر آخری تکمیل تک یہ کتب سازی کا ایک جزو تھا جسے کتاب چھاپنے والے اپنے تربیت یافتہ ملازموں کی مدد سے انجام دیتے تھے۔ خاص کر بڑے مطبع اپنی کتابیں جلد بندی کے بعد بازار میں لاتے تھے۔ جیسے ریٹا ڈولٹ، اکسٹن یا کوبرجر اپنے مطبع میں یا اس سے باہر اپنے مخصوص جلد سازوں سے کام لیتے تھے۔ مگر جب کثرت طباعت کی وجہ سے سستی کتابیں بہ افراط بازار میں آنے لگیں تو جلد سازی نے ایک علاحدہ پیشے کی صورت اختیار کی چونکہ جلد بندی بھی کتاب کی آراستگی کا ایک جزو تھی اس لیے کتاب کی قدر و منزلت کے نقطہ نظر سے اس کام میں پیشہ ورانہ درجہ بندی کی شکل پیدا ہو گئی۔ اس کے ماہرین نے طرح طرح کی ایجاد شروع کیں۔

بلائیٹڈ اسٹیمپنگ

پندرھویں صدی کے آخری برسوں میں ہالینڈ کے کتب سازوں نے دھات کی پلیٹ پر خوشنما ڈیزائن کے ٹھپے بنا کر پورے سرورق پر اسٹیمپنگ کے دباؤ سے چھپائی کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ جسے بلائیٹڈ اسٹیمپنگ کہتے ہیں امباسنگ (Imbossing) طریقے کے جیسے پہلے چھوٹے اسٹامپ پر ڈیزائن کاٹے جاتے تھے اب بڑے ٹھپوں کے اسٹامپ تیار ہونے لگے۔ ان کے ڈیزائن میں ولیوں اور فرشتوں کی شبیہیں طرح طرح

کے پرندے، مافوق الفطرت حیوانات، پھول پتیاں دو یا ایک شیلڈ وغیرہ شامل تھے۔ اگر جلد بڑی ہوتی تو کئی ٹپھوں کی پلیٹوں کے جوڑے، بیوند سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ بڑی پلیٹیں بہ مقابلہ چھوٹے اسٹامپ کے جلد یا سرورق کی چھپائی میں تیز رفتاری سے کام انجام دینے لگیں۔

یہ طرز ہالینڈ اور رہائن لینڈ میں بڑی تیزی سے فروغ پا گیا۔ لیکن بقیہ جرمنی کے حصوں میں بہت برسوں تک عام طور پر راج نہیں تھا۔ وہاں جلد پر وسط میں آرٹھی لکیریں کھینچ کر چھوٹے چھوٹے ٹپھوں سے شکلیں بنانے اور ان کے گرد باریک تحریر کا عرصے تک رواج رہا۔ یہ تحریر خواہ آیات انجیل کی ہو یا چھاپے خانے کی تعریف و تعارف میں سب یکساں کاریگری کے مستحق تھے۔ جلد سازی کا پیشہ پورے یورپ میں نہ صرف راہبوں اور یونیورسٹی کے مقررہ جلد سازوں تک محدود تھا بلکہ آزاد جلد ساز دست کاروں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا تھا۔ پندرہویں صدی میں کچھ مخصوص طور پر کتابیں سجانے والوں میں شہر لیوپک میں ہینرک کو سٹر، اور افرٹ، نے 'جوہان فینوگل' ناموں نے شہرت پائی۔ ہالینڈ سے دھات کی چادروں کی سٹپے کاری، فرانس اور انگلینڈ پہنچی۔ بہت سے چھاپے خانوں کی طرح کتابیں سجانے والے بھی گھوم پھر کر ملکوں ملکوں میں جلد سازی اور کتب آرائی کرتے پھرتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا ملکوں میں یہی سیاح جلد سازی بہنر لے کر گئے۔ ان کے ذریعہ کیمبرج کے مطابع میں بہت جلد تمام ترین پیل اسٹیمپنگ راج ہو گئی۔ اس نے مصوری کے فن میں بھی کچھ نئی ترقی کے راستے نکالے۔

الڈائن کتاب سازی کا تاریخ ساز ادارہ

الڈائن کاروباری ادارے میں جلد بندی کا کام بھی شامل تھا۔ جس کا بیشتر حصہ مراکشی طرز پر تھا۔ اس طرز کی جلد سازی کے لیے اسے شمالی افریقہ سے بکریوں کی کھالیں منگانا پڑتی تھیں۔ الڈائن کی جلد سازی یورپ میں اسلامی انداز کی جلدیں پیش کرنے میں اول تھی۔ اسلامی جلدوں کا معیار حسن و نفاست کے اعتبار سے دنیا میں سب سے بلند رہا۔ لہذا الڈائن کتب کے ذریعہ یورپ کو ایک طرز خاص کی فن کاری کا کام جلدوں پر دکھائی دیا۔ یہ بہنر یورپ میں ایڈائن کے ذریعہ وسعت گیر ہوا۔ یورپ میں کتابوں کی جلدوں

میں لکڑی کا تختہ استعمال کرنے کا عام رواج تھا۔ ایڈٹائن نے عربوں کی تقلید میں جلد میں چمڑے کے نیچے دفعتی رکھنا شروع کیا۔ یہ مشرقی جلد سازی کی خصوصیت تھی۔ اگرچہ یورپ میں عموماً ایڈٹائن کی مشرقی انداز کی سبک جلدوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن فرانس کے بادشاہ، لو اب اور امرا ایڈٹس کے اس سادگی پسند ذوق سے مطمئن نہ تھے۔ وہ کتابوں کی چمک، بھڑک کے قائل تھے۔ جہاں زمانہ دراز سے سونے چاندی کے پتے اور ہیرے جواہرات تک جرطنے کی رسم چلی آرہی تھی۔

اس زمانے میں ایڈٹس کی رسم و راہ گرو لیٹر سے بڑھنے لگی۔ گرو لیٹر کتابوں کا شیدائی تھا اور اس کا مذاق کتب بھی یورپ کی کتابوں کی تاریخ پر نقش ہے۔ اس کی فرمائش پر ایڈٹس کچھ مخصوص کتابیں تیار کرنے لگا، جن کی جلدوں پر زریں کام کر کے انہیں خوب بھڑکدار اور قیمتی بنایا جاتا تھا۔ ان پر سنہا عربی طرز، وسطی حصے کے گرد رواں دھاریاں اور ان کے درمیان کتاب کا نام اور عنوان سنہرے رومن حروف میں نقش ہوتا تھا۔ کتاب کی پشت پر گرو لیٹر کا مخصوص موٹو، یہ کتاب گرو لیٹر اور اس کے دوستوں کی ہے، نظر آتا ہے۔ 1565ء میں گرو لیٹر کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی لائبریری تتر بتر ہو گئی۔ صرف چار سو کتابیں اس کے نام کی جلدوں کی دستیاب ہو سکیں۔

گرو لیٹر کا ہم عصر ماہیو بھی اسی کی طرح جلدوں کی خوبصورتی کا رسیا تھا۔ اس کی جلدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جال دار گندھائی کر کے شیرازہ اور اق سے لپٹا ہوا جلد سازی میں مستعمل ہے۔ اس کی کتابوں پر بھی گرو لیٹر ہی کی طرح مقولہ منقوش ہوتا تھا۔ یہ کتاب ماہیو، اور اس کے دوستوں کے لیے ہے، یہ دونوں صحیح مفہوم میں کتابوں کا عشق رکھتے تھے جس کا احساس ان کے کام سے ہوتا ہے۔ کتابوں کا ایک تیسرا شائق ڈمیٹر یوکنیوری، پوپ کا طبیب خاص تھا۔

ابھرے نقوش کی جلدیں

ابھرے ہوئے نقوش کا جلدوں پر کام بھی کتاب کے حسن و آرائش کا سلسلہ ہے۔ 1469ء سے جرمنی کی جلد سازی میں ایک چیز ایجاد ہوئی تھی۔ یہ ایک پتلا سا گول پہیہ جیسی شکل کا چرنی کی طرح گھومتا ہوا، رولٹ اوزار تھا جو آج بھی کتاب سازی کے کام میں مستعمل ہے۔

پہیے کی چوڑی پٹری سٹاکنگ پر ڈیزائن کھدا ہوتا ہے۔ اس کو جلد کے نم چمڑے پر جب سخت دباؤ کے ساتھ دوڑایا جاتا ہے تو بارڈر یا حاشیہ نما خوبصورت علقہ تیار ہو جاتا ہے۔ جس میں تصویریں اور حروف کے دلکش ڈیزائن جلد کی سطح سے اوپر ابھر آتے ہیں۔ یہ چرخی جس زمانے میں ایجاد ہوئی تھی، اس پر مختصر مذہبی تصویریں، انسانی جذبات و کردار کے چھوٹے علامتی مرقعے، شہزادوں یا عظیم تاریخی ہستیوں کی شبیہیں یا کم سے کم الفاظ میں کچھ حقائق نقش ہوتے تھے۔ یہ بہت کم وقت میں نہایت تیزی سے نمودار ہو جاتے تھے۔

مشرقی کتب سازی کا مغرب پر اثر

پندرھویں صدی کے اختتام پر جب یورپ میں چھپائی کی فنی ترقی ہو رہی تھی اور کتابوں کو زیادہ سے زیادہ سجانے کی تحریک تھی، اسی زمانے میں کچھ جلد ساز ایشیائی ممالک سے اس صنعت میں کچھ نئے اصداف، مختلف تکنیکی پیرائے اور کتاب کی آرٹس کے نئے سمجھاؤ لے کر آئے۔ ایشیائی ملکوں میں اس وقت کتاب کی معنوی تخلیق کے ساتھ اس کی ظاہری شکل پر بھی بہت توجہ صرف کی جا رہی تھی۔ کتاب کی جلد اور اس کی کتابت کو آراستہ پیراستہ کرنے کی فنکارانہ کوششیں ہو رہی تھیں۔ جن کی بدولت کتاب سازی کا فن مشرق میں نہایت اعلیٰ مقام پر تھا۔ اس فن میں عرب، ایران و ترکستان کی جدا جدا خصوصیات تھیں۔ عرب جلد سازی میں سنہرے کام پر کسی حد تک قبلی دور کی کتابوں کے اثرات ہیں۔ لیکن جلدوں میں چمڑے کے نیچے کاغذ کی تہیں یا دفنی کا استعمال خاص عربوں کی ایجاد ہے۔ ایرانی کتابوں میں جلد پر خوبصورت پھول پتیوں کی نازک بلیں نہایت نفاست سے بنائی جاتی تھیں۔ ان میں سنہرا پانی، سنہرے ورق یا سنہرا اور وہلا سفوف استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح کتابت میں بھی بن السطور طلانی اور اق بڑی نفاست سے کھپائے جاتے تھے۔ کتاب سازی اور جلد سازی کی یہ روایت سلجوقی حکمران اور پھر ہندوستان کے مغل فرماں رواؤں کے عہد میں بھی اسی آب و تاب سے جاری رہی۔ بلکہ تیموریہ خاندان کے زمانے میں سرورق کے نقوش کچھ اور نفاست و نزاکت سے پیدا ہو رہے تھے اور زریں کام میں بھی زیادہ سلیقہ مندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کی نمایاں خصوصیت بارہک اور مختصر نقاشی ہے۔ چھوٹے چھوٹے

مصوری کے صف یا بادام نما گلزار، بہت باریک پھول پتیوں کے ترنج، عاشیوں پر نازک بیلین جن میں طرح طرح کے رنگ بھرنے کے علاوہ ان کو مطلقاً بھی کیا جاتا تھا۔ کتاب کی جلد کا جو حصہ پشت کی طرف ہوتا تھا اس کا چمڑا محل کے اسٹر کے ساتھ کتاب کی چوڑائی سے بڑھا کر کتاب کے سامنے کے رخ پر نقاب ڈالتا ہوا جلد کے پیشیں حصے کو مثلث نما شکل میں ڈھک لیتا تھا۔ اس مثلث نقاب پر ایک صدی یا بادام کی شکل کا خوبصورت نقش بنا ہوتا تھا۔ اس نقش کو تعویذ کہتے ہیں۔ اس کو سونے کے ورق یا پانی سے نہایت خوشنما پھول پتیوں اور طفرے سے سجانے میں فنکار بڑی ریاضت کا ثبوت دیتا تھا۔

یورپ میں مشرقی کتاب سازی کا مذکورہ فن سب سے پہلے اطالیہ اور ہنگری پر اثر انداز ہوا۔ اور بلقان میں تو بڑی جلدی رائج ہو گیا۔ کیونکہ وہاں مغربی ایشیا اور ایشیائے کوچک کے اسلامی سلطنت سے کچھ فن کار پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی آکر اس طرز کتاب سازی کو وسعت دینے کا سبب ہوئے تھے۔ ایڈس نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے خاص طور پر مراکش اور مشرقی طرز کی جلدوں کو اپنایا۔ اس کے بعد فرانس، جرمنی اور ہالینڈ اور آگے چل کر انگلستان میں اسے مقبولیت حاصل ہو گئی۔ سوٹھویں صدی کے وسط تک یورپ کے بڑے حصے میں مشرقی اور عربی طرز کی جلدوں نے جگہ حاصل کر لی تھی۔ لیکن اٹھارھویں صدی تک جرمنی اور انگلستان میں لکڑی کی جلدوں کا بھی استعمال ہو رہا تھا۔ مکمل طور پر ان کا خاتمہ اٹھارھویں صدی کے اختتام تک نہ ہو پایا۔

کارچوبی جلدیں

جلدوں پر جب پریس چھپائی کی جگہ مہر، یارولٹ کے ذریعہ چھپائی کو انتہائی مقبولیت فرانس سے بڑھ کر انگلستان میں ہوئی اور رولٹ پر وہاں کے نقاشوں نے طرح طرح کے ڈیزائن کھود کر جلدوں کو عموماً چھاپنا اختیار کیا ہے۔ اسی زمانے میں انگریزی جلدوں میں اور بھی بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ان کی ابتدا وسط سوٹھویں صدی سے ہوئی۔ انگلستان نے جلدوں کے ڈیزائن، جرمنی سے بہت مختلف شکل کے تیار کرنا شروع کیے۔ پھول پتیوں کی شاخوں کے درمیان عجیب و غریب حیوانات کی تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ یا شاندار محفل رقص و طرب کے مناظر نقش ہوتے تھے۔ اس زمانے میں انگلستان

کے بادشاہ اور درباری امرا کتابوں میں زیادہ دل چسپی لینے لگے تھے۔

ملکہ الزبتھ کو نخل اور ریشم کی جلدوں کا بہت شوق تھا۔ اولاً ان پر کار چوبی اور زردوزی کا کام بنوایا گیا۔ ان میں الڈائن اور گمر ولیر کے ہنر کی تقلید بڑی کامیابی سے کی گئی۔ مگر اس قسم کی جلدوں کا سو برس پہلے ہی سے دور دورہ تھا۔ انگلستان کا شاہی مذاق کچھ اس میں طرفگی اور جدت پر مصر تھا۔ لہذا ان پر سنہرے تاروں کی بنائی اور کرٹھائی کر کے جلدوں کی حسن و آرائش کے نئے انداز ایجاد کئے گئے۔ سوٹھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی میں نخل پر تاروں کی اس جال دار کرٹھائی کے بیچ بیچ حلقوں میں موتیوں کا کام بھی کیا جانے لگا۔ اس قسم کی کار چوبی کام کی محلی جلدیں موتیوں کی مرصع کاری کے ساتھ انگلستان میں اس عہد کی تمام شاہی خاندان کی کتابوں پر نظر آتی ہیں۔ یہ محلی اور ریشمی کار چوبی کی جلدیں ڈیزائن کے اعتبار سے ابتدائی چمڑے کی مرصع کار جلدوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اگرچہ ان پر بھی گھنی نگینہ سازی ہوتی تھی۔

جلدوں میں لیس کا استعمال

فرانس میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ایک بار پھر جلدوں کو طرز انداز سے سجانے کا رجحان پیدا ہوا۔ کتاب کے اس نئے حسن کی تخلیق کا بانی ایک جلد ساز ائینٹون میکائیل پڈلوپ تھا۔ لوئیس پانزدہم کے زمانے میں شاہی خاندان کی کتابوں کی جلد سازی کا کام 'پڈلوپ' کے سپرد تھا۔ لوئیس کی ملکہ 'میری لینری سنسکا' اور بادشاہ کی محبوبہ 'میدم پام پیڈرو' کی کتابوں پر میکائیل پڈلوپ کے زیادہ تر دستخط پائے جاتے ہیں۔ جلد کا اس نے ایک نیا نمونہ تیار کیا۔ اس نے چمڑے کی جلد پر موزیک کے مختلف رنگوں کے ٹکڑے چوڑ کرٹھائی قسم کا پڑا قے دار ڈیزائن ایجاد کیا۔ کچھ دنوں بعد ان جلدوں پر لیس لگا کر ان کے حسن کو اور عروج پہنچایا۔ یہ کھڑے کناروں کی آرائشی چوڑی لیس ہر ایک جگہ کی لگروں سے شروع ہو کر کسی قدر وسطی حصے کی طرف بڑھ کر آجاتی ہے جہاں کتاب کے مالک وغیرہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ اس میں کچھ اور تنوع بھی پیدا کیے جاتے رہے۔ مثلاً کبھی لیشی بان کی طرف بھی پھول پتیوں کی آرائش کی جاتی۔ بعض اوقات لاج اور گوشوں

کو کچھ اور طرفگی سے مزین کیا جاتا۔ لیکن ایس کے لوازم خاص طور سے اس
زمانے میں ضروری ہو گئے تھے کیونکہ شاہی خواتین میں اس قسم کی جلدیں
بہت مقبول تھیں۔

چوتھایاب کتاب کے کچھ اہم مسائل

مغرب میں طبع کی گئی
کتابوں کا احتساب

اس احتساب کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ 214 ق۔م میں چین کے شہنشاہ
مشی ہوانگٹی، اور 59 ق۔م میں شہنشاہ آگسٹس نے کتابوں کا احتساب کیا تھا۔ ان
کے مواد و موضوع کو قابل اعتراض ٹھہرا کر بے شمار کتابوں کو ضبط و نشر و اشاعت کیا تھا، جلا
یا پھونکا اور تلف کیا تھا۔ اس احتساب اور آزادی تحریر پر پابندی کا سلسلہ اس وقت
سے چلتا ہوا اور قرون وسطیٰ کو طے کرتا ہوا جب اٹھارھویں صدی تک پہنچا تو انسان کا ذہن
بلوغ و شعور کے عہد میں داخل ہو چکا تھا۔ دنیائے انسانیت نے عموماً اور یورپ کے فرائین
کتب نے خصوصاً احتساب کتب پر سخت احتجاج کیا۔ آزادی رائے اور آزادی تحریر و تقریر
کا حق طلب کیا۔ تصنیف و طباعت کے تحفظ کا مطالبہ کیا۔ جوں جوں اٹھارھویں صدی
کے سال بڑھتے گئے۔ عمومی ذہن کی بیداری اور انسان کی خود اعتمادی بڑھتی گئی۔ کچھ مدت
تک جمہور کی آواز صراحتاً بھرا رہی جس سے عوام میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ اب سلاطین
کچھ چونکے۔ تحریک نے اور زور پکڑا۔ آزادی رائے اور حقوق جمہور کی حفاظت میں
فرانس اور تحفظ تصنیف و طباعت میں جرمنی نے پیش قدمی کر کے مطالبے میں شدت
اختیار کی۔ حالات دگرگوں ہو گئے۔ اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں انقلاب فرانس
نے جو رو استبداد کی آنکھیں کھول دیں 1788ء میں مطلق العنانی کے تخت کو تختہ دار
بنادیا گیا۔ بالآخر یورپ کے ہر ملک میں کافی اصلاحات ہوئیں۔ جرمنی نے اس تحریک
کو چلانے کے لیے 1825ء میں جرمن مرکزی تجارت کتب کا ادارہ قائم کر لیا تھا۔
دس سال میں عوام کی حمایت حاصل کر کے اتنا اثر پیدا کر لیا کہ حکومت کو مطالبے پر غور

کرنا پڑا۔ 1848ء میں کتابوں پر احتساب (سینسر شپ) موقوف کرنا پڑا۔ 1870ء میں تحفظ حق تصنیف و ملکیت مصنف کا قانون پاس ہو گیا۔ جس کی رو سے مصنف کو کتاب لکھنے کا حق حاصل ہو گیا۔ اس کے مرنے کے تیس سال بعد تک اس کی ہر تصنیف کے تحفظ کی ذمہ دار حکومت ہو گئی۔ اس قانون سے تصنیفات کے سرقے کا بھی انسداد ہوا۔ یورپ کے قریب قریب سب ملکوں نے جرمنی کے اس قانون کی پیروی کی جس میں انکمان اور فرانس سب سے آگے تھے۔ اس طرح انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ سے احتساب کی لعنت ختم ہوئی۔ امریکہ پہلے ہی سے آزادی تصنیف کی راہ پر عمل پیرا تھا

حق طباعت و تصنیف کا تحفظ

ایک مصنف کی خواہ کوئی معمولی کوشش ہو یا بڑا کارنامہ، اس کے حق تصنیف کے تحفظ کی زمانہ دراز سے سخت ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ رومن عہد میں جب کہ پجرمی پارچوں پر ہاتھ سے کتابت ہو رہی تھی یا قرون وسطیٰ میں آگے چل کر جب کاغذ پر کتب نویسی کا دور تھا، مصنفوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور ان کی محنت کا سرقہ ناشرین کتب بھی کرتے تھے اور گھٹیا مصنفیں بھی۔ چھاپے خانوں کے وجود میں آجانے کے بعد بھی بہت عرصے تک اس بد عنوانی کا سلسلہ جاری رہا۔

آخر کار جرمنی کے بڑے بڑے ناشرین کتب اور مالکان مطابع کی ایک تنظیم نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور زبردست تحریک تحفظ حق طباعت و تصنیف کا قانون بنانے کی عرض سے شروع کی۔ جس کے نتیجے میں 1825ء میں کسی قدر کامیابی ہوئی اور تحفظ تصنیف و اشاعت کے قانون کی بنیاد پڑ گئی۔ یہ قانون پہلے حکومت جرمنی نے اپنی ریاست کی حدود میں 1870ء میں وضع کر دیے۔ جس کی رو سے ایک مصنف کے کام کی نقل دوسرا پیش کرنے کا مجاز نہیں رہا۔ ساتھ ہی ایک اشاعت شدہ کتاب کو کسی دوسرے مطبع سے چھاپ کر دوسرا ناشر شائع نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ قانون اس لحاظ سے زیادہ سود مند نہ تھا کہ دوسرے ممالک کے مطابع و ناشروں کے سلسلے میں قطعاً غیر موثر تھا۔ یہ کاپی رائٹ کا ملکی قانون غیر ملکوں کے پریس اور پبلشر کی سرقہ بازی میں حارج نہ تھا۔

۱۸۸۶ء میں برن کنونشن ہوا جس میں یورپی ممالک کی اکثریت نے ایک کنونشن کی صورت میں تحفظ تصنیف و اشاعت کے حق میں متفق ہو کر دستخط کیے جس کے تحت تمام تصانیف و فن کارانہ چیزوں کے حق ملکیت کے احترام کا معاہدہ ہو گیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک اس سلسلے میں اور زیادہ تحفظ نہ ہو سکا۔

یورپ کے مختلف ملکوں میں کتاب سازی کا معیار

انگینوں سے مرصع کاری جرمنی میں پھر سے ایک بار سوٹھویں صدی میں لوٹ آئی تھی۔ پروشیا کے ڈیوک البرٹ کا مطبع کتب اس سلسلے میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ ان کتابوں کی جلدیں ممتاز و منفرد ہیں۔ یہ کام کالنبرگ کے ایک سنار کا بنایا ہوا ہے۔ اسی زمانے میں فرانس کی کتب سازی کا معیار عروج پر تھا۔ ہنری دویم نے اپنی اور ملکہ کیتھرین آف میڈلیسی، نیز اپنی داستا ڈیانا پویرٹ، کی اتنی خوبصورت کتابیں بنوائیں کہ دربار کے امر اطبقہ شرفا اور تمام باذوق جامع کتب ان کی نقالی کرنے لگے۔ ان کتابوں میں زیادہ سے زیادہ ہنرمندی اور کمال فن اس عہد کے کتب سازوں نے پیش کر دیا۔ ایسی عمدہ جلدیں آگے فرانس میں نہ پیدا ہو سکیں۔ ان کے طعزے حرف اچ (H) کے ساتھ میچاں 'سی' (C) یا ڈی (D) نہایت خوبصورتی سے نقش کیے جاتے تھے۔ کہیں نصف چاند اور تیر و کمان جو شکار کی دیوی ڈیانا کا نشان ہے ان کتابوں کی ابتداء خود نمائی کرتا نظر آتا ہے۔

فرانس میں اعلیٰ کتب سازی 'چارلس نہم' اور 'ہنری سویم' کے عہد میں بھی جاری رہی۔ ہنری سویم کتابوں کی خوبصورتی کا جذباتی طور پر دل دادہ تھا۔ اس کا شاہی جلد ساز نکولس ایو، پیرس کا بہت بڑا کتب فروش اور ناشر کتب تھا۔ ایو کی جلدوں کا پورا گرد پوش کنول کے پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کا 'فین فیئر' طرز خاص شہرت رکھتا تھا۔ جس میں گرد پوش کا بڑا حصہ پام اور لارل کی شاخوں اور دوسرے قدرتی پھول دار پودوں سے بالکل فطری انداز میں سجایا جاتا تھا۔ اس طرح کی تزئین ظاہر کرتی ہے کہ طلائی کار چوبی کا فن اس وقت کمال کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اطالیہ کی سرزمین پر کیمپو طرز کی نفیس جلد سازی سوٹھویں صدی کی ابتدائی دو

دہائیوں تک 'فلیپو حنبتا' کے ذریعے فلورینس میں نقطہ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اور سوٹھویں صدی کے دوسرے نصف میں گبریل - ڈی - فرایر سے ونیس کی کتب سازی میں تصویروں کا کام اپنی انتہا کو پہنچا۔

ہالینڈ میں ایلزویر میں 1625ء سے 1675ء تک اپنے مطبع کی اعلیٰ روایات قائم کیں جو اٹھارھویں صدی تک قائم رہیں۔ ادھر بلجیم میں پلنٹین اور اس کے وزنا انیٹورپ کے مطبع کے ذریعے انیسویں صدی کا تین چوتھائی حصہ تانبے کی پلیٹوں اور چوبی ٹپوں سے تصویر تراشی کا ایک تاریخ ساز عہد ہے۔ سوئس نقاش 'میٹ ہاؤس' اور اس کی دختر 'سبلا' کا تانبے کی پلیٹوں سے مصوری کا کام بھی ناقابل فراموش ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں انگلستان کا بیوک اسکول یورپ کی مصوّر کتابوں کو اپنے فن سے ایک ارتقائی منزل پر پہنچاتا ہے۔

پانچواں باب

امریکی اور روسی چھاپے خانے

دنیا کی تاریخ میں امریکہ نئی دنیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں کاغذ کی صنعت اور چھپائی کا فن یورپ کے مغربی ملکوں کے بعد آیا لیکن اس نے جتنی تیز رفتار ترقی کتابوں کی تاریخ میں کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

امریکہ میں چھپائی کی ابتدا

امریکہ میں چھپائی کا ہنر ۱۶۳۰ء میں انگریزوں کے ذریعے پہنچا۔ پاسٹر جو س گلور اور اسٹیفن ڈائی، ایک تالا بنانے والا، میاشوسٹس بے میں، چھاپہ خانہ قائم کرنے کے بانی ہیں۔ ۱۶۴۰ء میں انہوں نے پہلی کتاب 'بے سام بک' یعنی بے کا صحیفہ حمد شائع کی۔ ۱۹۴۷ء میں اس تاریخی کتاب کے ایک نسخہ کی آخری نیلامی بولی ایک لاکھ بیچاس ہزار ڈالر تک پہنچ گئی۔ اس پر پیس کی دوسری مشہور کتاب ریڈ انڈین زبان میں 'جان ایلیٹ' کی ترجمہ کی ہوئی بائبل ہے۔ اٹھارہویں صدی میں امریکہ کے بہترین مطابع میں سے ایک 'بنجمن فرنیکلن' کا چھاپہ خانہ ہے۔ جنہوں نے انگلستان میں باقاعدہ اس فن کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر فلاڈلفیا میں اپنا چھاپہ خانہ کھولا۔ جہاں کئی برسوں تک پرنٹر، پبلشر اور اخبار 'ریڈ بان' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ بیسویں صدی میں وہاں چھپائی، کتب سازی اور کتابوں کی تجارت میں بڑی ترقی کی۔ امریکہ نے اس کا روبرو بار میں اپنے طرز کی نئی راہیں نکالیں جو یورپ کے تجارتی طریقوں سے بعض خصوصیات میں مختلف ہیں۔

امریکہ میں کاغذ بنانے کی صنعت 1690ء میں شروع ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ
 'میشیوسٹیس بے' کے اولین مطبع کی کتاب غالباً انگلستان سے کاغذ برآمد کر کے 1640ء
 میں شائع کی گئی۔ سوئمنہم پانارٹرن رومن ٹائپ حروف کی شکلیں جو 'نکولاس جنسن' فریبی
 حروف تراش نے 1458ء میں تیار کی تھی، موجودہ عہد میں بہت دور تک امریکہ میں
 رائج نظر آتی ہیں۔ انگلستان نے باسکروٹے کے کیلن رومن ٹائپ جو 1757ء میں
 وجود میں آئے تھے۔ ان رومن حروف کی موجودہ ترقی یافتہ شکل امریکن ڈیزائنری
 سے تیار کرائی گئی۔

امریکہ میں چھاپے خانوں کا پھیلاؤ

ابتداء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اعلیٰ کتابوں کی چھپائی کے لیے کسی تنظیم
 قائم ہوئی جن کا مقصد محدود ایڈیشن کی نہایت نفیس مطبوعات وجود میں لانا تھا۔ اس
 مقصد کے پیش نظر یونیورسٹی کے مطابع بھی قائم ہوئے اور نجی کاروباری ادارے بھی۔
 اس سلسلے میں ان کو انگلستان کے نقش قدم پر چلنا تھا کیونکہ انھوں نے اس پیشہ کی تربیت
 وہیں پائی تھی لیکن کتب فروشوں کے کاروبار اور انتظامات سے متعلق طریقے امریکہ
 میں جدا نوعیت کے ہیں۔ ان میں سربر آوردہ ڈینیل برکلے ایڈائٹنگ ہے۔ جو نجی چھاپے خانوں
 کی تنظیم میں سرگرم کارکن تھا۔ 1880ء میں وہ ریور سائڈ پریس میں کام کرتا تھا اور
 1893ء میں اس نے 'میری ماونٹ' اپنا ذاتی مطبع قائم کیا۔ طباعت کے کاروبار میں
 اس کی رائے فیصل مانی جاتی تھی۔ وہ ماہر پرنٹر تھا لیکن امریکہ کی جدید حروف تراشی کے
 فن میں عظیم شخصیتیں 'بروس راجرس' اور 'فریڈرک ڈبلو۔ گاؤڈی' کی ہیں۔ یہ ابتداء
 میں حروف ساز تھے۔ انھوں نے نکولاس جنسن کے رومن ٹائپ کے نمونے پر حروف بنانا
 شروع کیے۔ اور آگے چل کر نئے حروف کا سلسلہ وضع کیا۔ سنیگٹور میں گاؤڈی نے نئے
 ٹائپ حروف کی شکلیں ایجاد کیں۔ اس کا بہترین کارنامہ 'لیکٹرن بائبل' ایک یادگاری چیز
 ہے۔ گاؤڈی ایک دیہاتی پریس کا مالک تھا۔ اس نے تقریباً سو طرز کے ٹائپ
 حروف وضع کیے جن میں کنیدل رومن ٹائپ امریکہ کی موجودہ طباعت میں
 بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

کتاب سازی میں قدیم دست کاری کی تجدید

انیسویں صدی کی ابتدائی نصف میں جب برطانیہ کی کتابوں کا فولادی پلیٹوں کا بھاری نقش بیٹھ گیا تھا، اس وقت مشہور شاعر ولیم بلیک، ایک نیا تجربہ کر رہا تھا۔ جس میں چھپائی کے لیے ابھرے نقوش کی تانبے کی پلیٹیں استعمال میں لائی گئیں۔ ہر صفحہ کا متن، شاہ سرخیاں اور عنوان کا خط اور حاشیوں پر نقوش سب کی ہانڈ سے کتابت کر کے نقش کشتی ہوتی تھی۔ اور قدیم جلاکاروں کی طرح ہاتھ سے رنگ بھی بھرے جاتے تھے۔ یہ کام عہد وسطیٰ کی کتابت، تصویر کشتی اور جلاکاری سے مشابہت رکھتا تھا۔ ولیم بلیک نے اپنی تمام تصانیف اسی کاری گری سے شائع کی ہیں۔

شخصی چھاپے خانے

امریکہ میں زیادہ تر کتاب کے ناشر، اشاعت گھر اور مطابع نیویارک میں ہیں۔ تقریباً ستر بڑے بڑے بخارتی ادارے اور کتب فروش علاوہ اور شہروں کے صرف نیویارک میں ہیں۔ ان میں جدید اور خاص اہمیت رکھنے والوں میں سے ایک 'ڈبل ڈی اینڈ کمپنی' ہے۔ جس کے بیسیوں کتابوں کے گودام مختلف شہروں میں ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے شائقین کتب کے لیے کئی کتب خانے کھول رکھے ہیں۔ جن کے بیس لاکھ کے قریب ممبر ہیں۔ یہ ممبر انواع و اقسام کی کتابوں کا انفرادی ذوق و شوق رکھتے ہیں۔ ان ممبران کے لیے ہر موضوع اور مواد پر پاکٹ ایڈیشن جاری کر کے سب کے تقاضے اور ذہنی طلب کو آسودہ کرنا ان شخصی ناشروں کا کام ہے۔ جس طرح بڑے بڑے شہروں میں کیفے، ریسٹوران اور ہوٹل ہرزرائع اور ہمہ اقسام کی غذائیں انسانوں کی اشتہائے معدہ کی تسکین کے لیے بروقت تیار رکھنے کا انتظام کرتے ہیں۔ بالکل اسی انداز میں اسی مستعدی اور سرگرمی سے یہاں ہر انسان کی ذہنی اشتہا کی خاطر تواضع کے لیے ہمہ اقسام کی دماغی غذائیں کتابوں کی شکل میں فراہم کرنے کا بہترین انتظام ہے۔

امریکہ کی یونیورسٹیاں آکسفورڈ اور کیمبرج کے انداز پر اپنے چھاپے خانے علاحدہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے پریس، مطلوبہ مواد و موضوع پر اپنی ضرورت

کے مطابق کتابوں کی فراہمی کا کام بڑی حد تک خود انجام دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ فرمیں بھی یونیورسٹیوں سے منسلک ہیں۔ جو بیرونی ملکوں سے کتب رسانی کر کے ان کی ضرورت پوری کرتی ہیں۔ یہ سارا کاروبار پانی اور غذا کی فراہمی کے جیسے طریقے اختیار کر کے نہایت اعلیٰ پیمانے پر منظم کارکردگی سے چل رہا ہے۔ معاشرے میں جس کی اہمیت جسمانی خوراک کے برابر ہے۔ اس بارے میں حکومت کے پیش نظر ویسی ہی ذمہ داری ہے۔ انگلستان اور فرانس کی طرح یہاں بھی ہر مواد و موضوع کے مطالعے کی پوری آزادی ہے۔ اگر کبھی سیاسی بندشیں آزادی مطالعہ میں خلل انداز ہوتی ہیں تو عمرانی اضطراب و بے اطمینانی حکومت کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور کر دیتی ہے۔

امریکہ میں کتب فروشی کے طریقے

امریکہ کے ناشر کتب ہر سال کتابوں کی ایک بڑی تعداد امریکہ کے گوشے گوشے میں پہنچانے کا بندوبست تو کرتے ہی ہیں اس کے علاوہ دوسرے انگریزی زبان کے ممالک میں بھی کتابیں پہنچانے میں کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ وہاں گماشتوں کے ذریعے گھوم پھر کر کتابوں کا تعارف کرانا اور ہر خواندہ کو ترغیب و تحریص دلانے کا بڑے زور و پرجوش ہے جس طرح انسانی زندگی اور دیگر اشیاء کی زندگی کا بیمہ کرانے والے ایک ایک فرد سے اپنی کمپنی کی تعریف کرتے ہوئے وہاں نظر آتے ہیں اسی طرح اشاعت گھروں کے کارکن بھی دکھائی دیتے ہیں، جو کتب خانوں، علمی ادبی حلقوں اور مصنفوں سے اپنا ربط رکھتے ہیں۔ دوسری طرف عوام کا کتابی ذوق معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق کتابوں کی تصنیف سے لے کر پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں پہنچنے تک سارا کام بڑے اہتمام سے اشاعت گھروں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ یہ گماشتے یا کتابوں کے ذلال امریکہ اور یورپ میں سفر کر کے زیادہ سے زیادہ کتابیں فروخت کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے ذریعے اعلیٰ سطح پر کتابوں کی تجارت ہو رہی ہے۔ اور کتابوں کے تخلیقی اداروں کا اقتصادی نظام اس تجارت سے پائدار و مستحکم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ گماشتے کتابوں کی جسم و جان کی بقا کے متحرک عناصر ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ سے امریکہ میں کتابوں کی زندگی ہے۔ نیویارک کے علاوہ دوسرے بڑے شہر بوسٹن، فلاڈیلفیا وغیرہ میں بھی شخصی ادارے اور فرمیں کتاب

کی اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ دوسرے ملکوں سے امریکہ بتادے کے ذریعے بھی نئی نئی کتابیں منگا کر اپنے ملک کے پڑھنے والوں کو مہیا کرتا ہے۔ سائنس اور انجینئرنگ کی کتابیں خاص طور پر بتادے کے کاروبار میں پیش نظر رہتی ہیں۔

روس کی کتابیں

موجودہ روس کی سرزمین دنیا کی ایک عظیم مملکت ہے۔ اس کی قدیم تاریخ ہے اور اس کے کچھ علاقے بہت قدیم تہذیبی نشانات زمین کی تہوں سے برآمد کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی دریافتوں کا سلسلہ تھوڑے ہی زمانے سے شروع ہوا ہے۔ اور حالیہ برسوں میں بہت سے جدید انکشافات ہوئے ہیں۔ 1918ء سے پہلے اور موجودہ سویت نظام حکومت سے قبل وہاں کے شہنشاہی دور میں اس سرزمین کے قدیم آثار کی تلاش و تحقیق میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر کام ہوا۔

روس کی کتابوں کا تاریخی سراغ

اب دوسرے ملکوں کی طرح روس میں بھی ماہرین آثارِ قدیمہ مختلف حصوں میں کھدائی کر کے جو قدیم تہذیبی آثار تلاش کر رہے ہیں اور برآمد شدہ سامان سے وہاں کی تہذیبی عمر کا پتہ چلانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کے نتیجے میں روس کے اب تک چار قدیم علاقے دریافت ہوئے ہیں۔ (1) کاکیشیا۔ (2) کریمیا (3) سائبیریا (4) روسی وسط ایشیا۔ جہاں عہدِ قدیم میں لوگوں کے آباد ہونے کی اطلاع اور ان کے تہذیبی آثار کچھ ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں۔ کیف اور نووگورود، ماسکو وغیرہ جو کہ روس کے قدیم ترین آباد شہر مانے جاتے رہے۔ یہاں کھدائی سے برآمد شدہ سامان میں کچھ لکھنے پڑھنے کے فن اور کتاب کے وجود کے نشانات بھی شامل ہیں۔ ان کی عمر کا اندازہ دو ہزار سال تک لگایا جاتا ہے۔ یعنی پہلی صدی ق۔ م کا نصف آخر حصہ، تیسری، چوتھی صدی عیسوی میں نووگورود کے راہبوں کی خانقاہوں اور ان میں عیسائی مذہب کی کتابوں کے لکھنے پڑھنے کا تذکرہ حصہ دوم میں راہبوں کی چرمی تختیوں پر تصانیف کے سلسلے میں پہلے صفحات پر آچکا ہے۔ لیکن ان سے کسی صدیاں پہلے بھی وہاں لکھائی کے

نشانات درختوں کی چھال کے بڑے بڑے تختوں پر پائے گئے۔ جو بہت مدت گزرنے کی وجہ سے بھورے اور سیاہ پڑ گئے ہیں۔ چھال کے ان تختوں پر نوکدار لکڑی کے قلم (جن کو اسٹائلس کہا جاتا ہے) سے تحریریں نقش پائی گئیں۔ یہ حروف اتنے دھندلے پڑ گئے تھے کہ صاف دکھائی بھی نہ دیتے تھے۔ لیکن بڑی حکمت سے ان پر جیگر کو صاف کیا گیا اور پڑھنے میں کامیابی حاصل کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ دو ہزار سال پہلے لکھے ہوئے کچھ خطوط، کچھ رسیدیں اور کچھ زمانہ قدیم کے طالب علموں کی تحریری مشقیں یا درسی یادداشتیں ہیں۔

آرمینیا میں دو ہزار پانچ سو برس پہلے پتھر کی لوحوں پر کندہ کیے ہوئے نقوش کچھ بادشاہوں کے فرمان، مختلف فوجی مہمات و فتوحات کی سرگزشت اور گرفتار کیے ہوئے قیدیوں کی تفصیلات ملی ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ قدیم تحریر کا سراغ وسط ایشیا کے علاقے میں پایا گیا۔ یہاں کے ریگستانی علاقے میں ماہرین آثارِ قدیمہ کو اعلیٰ ترقی یافتہ ریاستوں اور ان میں عالی شان شہر آباد ہونے کے نشانات ملے ہیں۔ یہ نشانات اس کی واضح تصدیق کرتے ہیں کہ دو ہزار سال پہلے وہاں دو منزلہ مکانات اور عمارتوں کے شہر بسے ہوئے تھے۔ یہ کھنڈر موجودہ تاجکستان اور ازبکستان کے نواح میں ملے ہیں۔ مدنی ترقی یافتہ نشانات کے علاوہ لکھنے پڑھنے کا سامان اور کتابوں کی موجودگی کے بھی اس علاقے میں نہایت قدیم پختہ ثبوت ملے ہیں۔ لکڑی کی تختیوں اور چرمی پارچوں پر لکھی ہوئی کثیر تعداد میں کتابیں برآمد ہوئیں جن کو روسی ماہرین لسانیات پڑھنے میں کسی قدر کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ اس علاقے میں قدیم زمانے کی مدنیت، مملکتی نظام اور تعلیمی مشغلے کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ عام معاشرت میں استعمال ہونے والا جو سامان دریافت ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کی انسانی زندگی کم از کم ایک ہزار سال کا تہذیبی سفر طے کر کے اس منزل تک پہنچی ہوگی جس کے آثار ابھی تک مل سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ آرمینیا سے ملے ہوئے نشانات سے تقریباً پانچ سو برس پرانے آثار ہیں۔

روس میں قدیم زمانے کی بیشتر کتابیں بچھڑے یا بکری کے چرمی پارچوں پر لکھی ہوئی پائی گئیں۔ اس قسم کی ایک کتاب ایک قدیم خانقاہ کے کتب خانے سے دست یاب ہوئی۔ اس پر ایک شاندار نظم تقریباً آٹھ سو برس پہلے لکھی گئی تھی، اس کا عنوان 'گورمہم کی روداد' ہے جس میں ایک قدیم نژاد نے گیارہ ہستان کے جنگجو قبیلوں سے جاں باز روسی سپاہیوں

کی معرکہ آرائی ایک طویل رزمیہ داستان کے پیرایے میں بیان کی ہے۔ اس نظم سے عہدِ ماضی میں روسی عوام کی دلاوری اور حب الوطنی کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح پانچویں صدی ق۔ م سے بارھویں صدی عیسوی تک ابتدائی روس کی قلمی کتابیں جا بجا مذکور الہدٰ چار علاقوں سے برآمد ہوتی رہیں۔ سب سے زیادہ نووگروڈ اور صوفیا کی خانقاہوں سے عہدِ وسطیٰ کی مذہبی مسیحی کتابیں اور قیمتی قلمی نسخے ملے ہیں۔

روس میں چھاپے خانے کی ابتدا

روس میں چھپائی کی ابتدا 1564ء میں ہوئی، جب آئیون فیڈوروف نے ماسکو میں پہلا چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اور پہلی کتاب چھاپی۔ اسے اپنی پہلی کتاب مکمل کرنے میں پورا ایک سال لگ گیا۔ فیڈوروف نے مینز کے ٹائپ حروف کی ایجاد اور پہلی کتاب کی اشاعت کے ایک سو اٹھائیس سے ایک سو پندرہ سال تک بعد کے زمانے میں طباعت کا پہلا کارنامہ پیش کیا۔ سوٹھویں صدی میں بانوروس لیتھوینیا، یوکرین اور مولڈویا میں بھی پہلی مطبوعہ کتاب وجود میں آگئی اور ان سب جگہوں پر باقاعدہ چھاپے خانے قائم ہو گئے تھے۔ فیڈوروف نے مینز کی ایجاد سے آزاد رہ کر روس کی سرزمین پر اپنے ٹائپ کی ایجاد، چھاپے خانے کا ڈھانچہ اور چھپائی کی تکنیک اپنے طور پر اختیار کی تھی۔ 1918ء کے اشتراکی انقلاب سے پہلے زار کی حکومت میں کلیسائی اور مذہبی تصانیف کے علاوہ لشکن اور ٹالسٹائے جیسے عظیم بین الاقوامی مصنفین پیدا ہوئے اور ان کی کتابیں شائع ہوئیں جنہوں نے عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ دوسرے عظیم مصنفین گورکی، لینن، آسٹراڈوسکی، میخائیلوف وغیرہ بہت سے انقلابی مصنفین کی کتابیں سرخ انقلاب کے بعد ہی دنیا کی نظروں کے سامنے آسکیں۔ اس سے پہلے لینن اور دوسرے مجاہدین کے مضامین اور ان کے انقلابی فلسفے پر تحریریں زیادہ تر لندن اور پیرس میں چھپتی رہیں۔

روس میں کتابوں کی نشر و اشاعت کی موجودہ سرگرمیاں

انقلاب کے بعد روس میں طباعت کی رفتار دس سال کے اندر ہی اس قدر

تیز ہو گئی اور اتنے اعلامیہ کی کتابیں شائع ہونے لگیں کہ دنیا کے سب سے زیادہ کتابیں چھاپنے اور برآمد کرنے والے ملک اطالیہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، بلجیم انگلستان حتیٰ کہ امریکہ بھی کتابوں کی دوڑ میں بالآخر روس سے پیچھے رہ گئے۔ یونسکو کی اطلاع کے مطابق روس آج دنیا میں سب سے زیادہ کتابیں شائع کرنے والا ملک ہے۔ روس میں دوسری زبانوں کے ترجمے کا کام بھی سب سے اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے۔ سوویت روس سو سے اوپر ملکوں کے بہترین مصنفوں کے کارنامے روسی زبانوں میں ترجمہ کر کے اپنے عوام کو مطالعہ کے لیے پیش کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے روسی ایڈیشنوں کی تعداد اصل ملکوں سے جہاں کہ ان کی تخلیق ہوئی تھی کہیں آگے نکل گئی۔ دنیا کے بہترین کلاسیکی ادب سے روسی مطالعہ بخوبی واقف ان کے سچے قدردان اور ناقد و مبصر ہیں۔

حالیہ یونسکو سے حاصل کیے ہوئے اعداد و شمار (جنوری 1977ء تک) حسب ذیل

ہیں۔ جن سے وہاں کی اشاعت کتب کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔
 تین کروڑ جلدیں جیک لندن کی مطبوعات کی۔ ڈھائی کروڑ کروڑ ہیوگو کی تصانیف کی جلدیں۔
 دو کروڑ دس لاکھ مارک ٹوئن کی تصانیف کی۔ دو کروڑ چالیس لاکھ ڈکنس اور بالزاک کی۔
 دو کروڑ زولا۔ ایک کروڑ نوے لاکھ جولیس ورنے۔ ایک کروڑ اسی لاکھ تھیوڈور ڈریز۔
 ایک کروڑ پچاس لاکھ مولپساں کی۔ اور ایک کروڑ تیس لاکھ جان گلاس وردی کی تصانیف
 کے ترجمے روسی زبان میں شائع ہو کر روسی کتب بینوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔ دوسو
 جلدیں بلوٹیکاوس مرلئے لٹریچر (لائبریری آف کی ورلڈ لٹریچر) کی طبع ہو رہی ہیں۔
 جس کی ایک سو پینسٹھ جلدیں روسی مطابع سے اب تک برآمد ہو چکی ہیں (یہ اس کتاب کے
 لکھتے وقت تک کی معلومات ہیں) سوویت روس کی پچیس مستعمل زبانوں میں شکسپیر
 اور اس کے ہم مرتبہ دنیا کے دوسرے کلاسیکی مصنفین کے ترجمے شائع ہو کر بے حد مقبول
 ہوئے ہیں۔

چھٹا باب

کتاب سازی میں مزید ایجادیں

ابتدائی نصف انیسویں صدی میں تانبے کی پلیٹوں کے ساتھ فولادی پلیٹوں پر تصویر نقش کر کے چھاپنے کا فن پھیلنے لگا۔ اس فن کی ابتدا اور فولادی پلیٹوں کی ایجاد کا سہرا ڈبڈین کے سر ہے۔ تھومس فوگنان ڈبڈین پہلے ایک دیہاتی گرجا کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں وہ لارڈ اسپنسر کا لائبریرین ہو گیا۔ التھرپ کیمپبل میں جہاں اسپنسر کا کتب خانہ تھا۔ ڈبڈین نے طباعت کتب کی بڑی خوبصورت یادگاریں چھوڑی ہیں۔

فولاد کی نقشیں پلیٹوں کے ذریعہ چھپائی

فولادی پلیٹیں سخت ہونے کی وجہ سے نقش کندہ کرنے میں مصوری کی نزاکتوں کے تاثر کو نقصان پہنچاتی تھیں۔ اس احساس نے ڈبڈین کو فولاد اور تانبے کی متحد سطح پر نقش پیدا کرنے پر مائل کیا۔ اسی زمانے میں مشہور انگریز شاعر ولیم بلیک بھی تانبے کی مدد سے فولادی پلیٹوں کو تصویر کشی اور نقش گری میں استعمال کرنے کا تجربہ کر رہا تھا۔ نرم دھات ہونے کی وجہ سے تانبے پر کھدائی تو بہت اچھی ہوتی تھی۔ مگر بنے ہوئے نقوش چھپائی میں جلدی گھسن جاتے تھے اور فولادی چادر سخت ہونے کی وجہ سے نقاشی میں تصویر کی نزاکت کو چوٹ پہنچاتی تھی مگر تانبے اور فولاد کے مرکب سے بہترین نتائج برآمد ہوئے۔ تصویر کی نزاکت اور صلابت دونوں محفوظ رہے۔ اس سے تصویر کی طباعت کا معیار بھی بہت اونچا ہو گیا۔ ڈبڈین اور ولیم بلیک دونوں کا نظریہ اور طریق کار یکساں تھا۔ یعنی تانبے پر نقش اور تصویر کشی کو بجلی کی مدد سے فولاد کی سخت سطح پہنچائی

گئی۔ جس سے نہایت حسین تصویریں کاغذ پر ابھرنے لگیں اور چھپائی میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد فولادی پلیٹوں کے ذریعے چھپائی نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ جس طرح اٹھارھویں صدی میں تھومس بیوک نے چوٹی ٹھپوں سے تصویر کی چھپائی کر کے پورے یورپ میں تصویر چھپائی کی ایک نئی لہر پیدا کی تھی وہی صورت کچھ دہائیوں تک انیسویں صدی میں فولادی پلیٹوں کی ہوئی۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں فولادی پلیٹوں کا اگرچہ عام رواج ہو گیا تھا لیکن فولاد کی پلیٹیں اور ان کے ساتھ تانبے اور بجلی کا استعمال کافی گراں قیمت تھا۔ چھاپے خانوں کی کاروباری نگاہ کم سے کم خرچ اور اچھی سے اچھی طباعت کا ذریعہ تلاش کر رہی تھی۔ اسی زمانے میں چوٹی ٹھپوں سے چھپائی میں کچھ تکنیکی تبدیلیاں ہوئیں۔ چوٹی ٹھپوں پر ابھرے یا گہرے نقوش کھودنے کا کام دشوار تھا۔ اس کی جگہ ایک سہل اور اعلیٰ چھپائی کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس کی چکنی سطح پر برش یا باریک قلم سے مصور بہترین تصویر کشی کر کے تصویر پر مخصوص کیمیادی رنگوں کی روشنائی سے دوسرے کاغذ پر چھاپتا تھا۔ یہ چوٹی بلاک کہلانے میں جو فولادی پلیٹ سے بہت سستے تھے اور ان کی چھپائی کا کام نہ صرف کم خرچ بلکہ بہت عمدہ ہونے لگا۔ اور آسان بھی بہت۔ لہذا کچھ مدت تک بہ کثرت جدید چوٹی ٹھپوں کا پھر ایک دور آگیا۔

لیتھوگرافی سے پتھر کے ذریعہ چھپائی

چربے کی چھپائی کے سلسلے میں ایک اہم ایجاد پتھر کے ذریعہ چھپائی تھی جس کا موجد آلونیس سیننی فیلڈر ہے۔ اس نے چھپائی کے مسلسل نئے نئے تجربات کے درمیان اتفاقاً طور پر پتھر کی سلوں سے چھپائی کا طریقہ دریافت کر لیا جس کا نام لیتھوگرافی رکھا گیا۔ اس نے موم، صابن اور چرغ کی کالک سے مرکب روشنائی سے چکنے پتھر پر لکھائی کی پھر اس پتھر پر اور اس پر لکھی تحریر پر تیزاب اور گوند کا محلول پھیر کر سادے پتھر کی سطح کو روشنائی سے غیر موثر بنا دیا۔ چنانچہ جب پتھر پر طباعت کی روشنائی پھیری جاتی ہے تو صرف تحریری یا تصویر نقوش ہی روشنائی اخذ کرتے ہیں۔ بقیہ پتھر پر روشنائی کا کوئی داغ نہیں پڑتا۔ پتھر پر نگہری کھدائی ہوتی ہے نہ ابھری۔ بلکہ ہوا چکنی سطح پر معکوس کثابت یا تصویر کشی ہوتی تھی۔ یہ البتہ کچھ دشوار کام تھا۔ اس کے لیے معکوس کثابت کرنے والے کاتبوں کی تلاش

ہوتی تھی جو کیا بختے۔ بعد میں یہ دستواری بھی اس طرح دور کی گئی کہ پتھر پر چربہ اتارنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چربہ اتارنے کے لیے ایک کاغذ کو انڈے کی سفیدی اور اروٹ سے پوت کر خشک کر لیا جاتا ہے اور اس پر سیدھی کتابت کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس پر وہی مرکب پھیرا جاتا ہے جو معکوس تحریر پر مستعمل تھا۔ اس کے بعد پتھر کو تر کر کے مکتوبہ کاغذ اس پر کتابت کے رخ سے پچھادیا جاتا ہے جس سے پوری تحریر یا تصویر کا معکوس نقش پتھر پر آتا ہے۔ جس جگہ پتھر پر نقش اترنے میں کمی رہ جاتی ہے۔ وہاں پر ایک ہوشیار کاتب دھندلے پائے نقوش کو چمکا دیتا ہے جس کو مطبع کی اصطلاح میں اصلاح سنگی کہتے ہیں۔ سینی فیلڈ راگر چہ جرمنی کا باشندہ تھا لیکن اس نے اپنی اس ایجاد کو 1800ء میں انگلستان سے پیٹنٹ کرایا۔ لیتھوگرافی کی تکنیک اس اصول پر مبنی ہے کہ تیل اور پانی باہم آمیز نہیں ہوتے۔ اس کے لیے جو پتھر استعمال ہوتا ہے۔ وہ قیمتی اور عام پتھروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر بوہریا سے درآمد ہوتا ہے۔ اس پتھر کی بناوٹ میں بانوے سے چھیا نوے فی صد تک کیلشیم کاربونیٹ۔ آٹھ سے چار فی صد تک میگنیشیم کاربونیٹ اور قلیل مقدار میں لوہے کا جز شامل ہوتا ہے۔ پتھر کی سطح گھس کر نہایت چکنی اور ہموار تیار کی جاتی ہے۔ پھر اس پر طباعت کا سارا کام چار منزلوں میں طے ہوتا ہے۔ اول کتابت کے لیے مسطر تیار کرنا۔ مسطر تیار کرنے کے لیے مذکورہ معمولی طریقے کے علاوہ اور طریقے بھی دریافت ہوئے مثلاً پلاسٹرف آف پیرس سوگرام۔ سریش سوگرام۔ میدہ تین کلوگرام پانی میں ڈال کر چوبیس گھنٹے بھگو کر مدھم آتیخ پر لپکا لیا جاتا ہے اور پھر اس محلول سے کاغذ کو پوت کر خشک کر کے مسطر تیار کر لیا جاتا ہے۔ دوسری منزل مسطر پر کتابت یا تصویر کشی ہے جس کے لیے مخصوص روشنائی بازار میں ملتی ہے۔ پتھر میں نیل سے متاثر ہونے کی صلاحیت کو زائل کرنا۔ اس کے لیے کیکر کے گوند کا محلول پتھر پر پھیرا جاتا ہے جو اپنے تیزابی اثرات کی وجہ سے جلد خشک ہو کر کیلشیم آرمینٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تیسرا عمل چربہ اتارنے کا ہے۔ اور چوتھی کڑی اس تکنیک کی پتھر کو راندنے کا عمل ہے۔ یعنی اس پر برادہ چھڑک کر ناک ایسڈ کے گھول سے پتھر کو دھویا جاتا ہے جس سے حروف بخوبی ابھر آتے ہیں پھر تارپین کے تیل سے برادہ صاف کر کے طباعت کی جاتی ہے۔ طباعت کے بعد پتھر کو گھس کر حروف مٹادے جاتے ہیں اور اسے دوبارہ ایک سادہ لوح میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔

بعد میں لیتھوگرافی کے لیے پتھر کی جگہ پر دھات کی خاص طور پر تیار شدہ پلیٹیں

بھی استعمال ہونے لگیں۔ لیتھوگرافی سے کاغذ پر فوٹو بھی چھاپے جاتے ہیں۔ لیکن اس کام میں براہ راست لیتھو سے کاغذ پر طباعت نہیں ہوتی بلکہ انھیں بڑبڑھ سے ہوئے سلنڈر پرفیسٹ کیا جاتا ہے۔ اردو فارسی کے ہندوستانی مطابع میں تقریباً سو برس سے لیتھوگرافی کا رواج ہے۔ بیشتر اسی تکنیک پر ان کے کام کا انحصار ہے۔

مختلف تکنیکی ترقیاں

1450ء سے جس طرح چھپائی کے فن اور کتاب کی آراستگی کے ہنر میں تیز رفتار ترقی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اسی معیار پر مطابع اور کتاب سازوں کی خواہش کاغذ بنانے کی تکنیک اور چھپائی کی مشین کو بھی ترقی دینے کی تھی۔ ان کی ایجاد ہونے کے بعد ہی سے ماہرین طباعت کی کوشش اس سلسلے میں شروع ہو گئی تھی۔ مگر کافی عرصے تک کوئی مناسب ترکیب سامنے نہیں آئی۔ 1800ء میں ارل اسٹین ہو پانے سب سے پہلے ایک بڑا قدم اٹھایا۔ اس نے چھپائی کی مشین کے قدیم سست رفتار ڈھانچے کو ایک آسانی سے چلنے والی مقابلتاً تیز رفتار آہنی مشین کی شکل دے دی۔ اگرچہ یہ بھی ہاتھ سے چلائی جاتی تھی۔ لیکن قدیم چوبی مشین میں کتاب کے ایک یا دو صفحے سے زیادہ ایک بار میں چھاپنا عموماً ممکن نہ تھا۔ اس میں چار صفحات ایک ساتھ چھپ جاتے تھے۔ اب چھپائی کی رفتار کم از کم ڈگنا ہو گئی تھی 29 نومبر 1824ء کو انسان کے عہد جدید نے چھاپے خانے میں بھی ایک عظیم الشان قدم رکھا۔ اسٹیم سے چلنے والی پریس مشین سے لندن ٹائم کا پہلا پرچہ چھپ کر برآمد ہوا۔ فریڈرک کونگ کی یہ ایجاد انسان کے قدیم ذہن کو متحیر اور مرعوب کرنے کے لیے بہت بڑا قدم تھا۔ لہذا ابتدا میں بہت سے مطابع اسٹیم کی مشین استعمال کرنے میں ہچکچائے۔ انھیں ڈر تھا کہ یہ بے قابو اندھا دھند چلنے والی مشین کتاب کو سٹیماناس کر کے رکھ دے گی۔ دستی مشین کی طرح اعلا طباعت یہ وحشی دیو کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن لیزک شہر جرمنی کے ایک پرنٹر نے اس سے کتابیں مسلسل چھاپ کر ان کا وہم دور کر دیا۔ کئی چھاپے خانوں نے اس کی تقلید کی اور اسٹیم پاؤر مطابع کا استعمال عام ہو گیا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک ایسے اور بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں جن سے چھپائی کی رفتار سو گنا بڑھ گئی۔ بیسویں صدی میں فوٹو آفسیٹ کی چھپائی میں ٹائپ حروف کی چھپائی کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

فوٹو گرافی کی انیسویں صدی کی ایجاد نے اب چھاپے خانوں میں اچھی طرح اپنا عمل دکھا کر
چھپائی کی جدید تصویر کھینچ دی۔

کمپوزنگ مشین

چھپائی کے فن میں سب سے پیچیدہ اور سست رفتار کام ٹائپ حروف کی
چھپائی کا لوح پر جمانا تھا۔ چھپائی سے پہلے ایک کے بعد ایک حرف کو ٹائپ کیس سے
اٹھا کر صحیح جگہ پر رکھنا، صفحہ کی لائنوں کے لحاظ سے جمانا اور پھر چھپائی کے بعد ہر ایک واپس اس
کے خانے میں رکھنا، جس میں ذرا بھی بھول چوک نہ ہو۔ کتاب کی چھپائی میں یہ کام بہت کٹھن تھا۔
صدیوں تک انسان یہ شدید محنت اور دماغ سوزی بڑے صبر و سکون سے کرتا رہا۔
کتاب کی خاطر اس غیر دل چسپ مشغلے سے اپنا پیچھا نہیں چھوڑا سکتا تھا اور کوئی آسان طریقہ
سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ گٹن برگ کے وقت سے اس کام کو آسان اور تیز رفتار بنانے کی کوششیں
جاری تھیں۔ کچھ مشینیں ایجاد ہوئیں لیکن اتنا ہی کر سکیں کہ حروف کو ہاتھ سے جمانے کی جگہ
وہ زیادہ تیز رفتاری سے جمادیتی تھیں۔ لیکن ایک ایک حرف کو کیس سے نکالنا اور صحیح
طور سے ان کے خانے میں واپس رکھنا کسی مشین کے بس کا روگ نظر نہیں آتا تھا۔
لیکن ایک دن بالکل اچانک طور پر یہ معمہ بھی حل ہو گیا۔ 1886ء میں جرمنی کے
ایک مسٹر برگن شمالی جہنوں نے امریکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی لائوٹائپ ایجاد
کر لیا جو تمام حروف کو دھات سے ڈھالنے کے بعد صحیح طور پر کمپوزنگ کا کام از خود
انجام دیتا تھا۔ حروف کو دھرنے اٹھانے کا سوال ہی نہ تھا۔ بس ایک آدمی ٹائپ رائٹر
کی طرح انگلیاں چلاتا رہے۔ حروف تازہ بتازہ ڈھل کر آتے ہیں۔ صحیح مقام پر جم
جاتے ہیں۔ چھپائی ہوتی ہے، اس کے بعد حروف گل جاتے ہیں۔ کام تو بڑا آسان
ہو گیا لیکن حسن تحریر کا حلیہ بگڑ گیا۔ سب حروف ایک قدر وقامت میں چھپ کر جب
کتاب پر آئے تو آنکھوں کو تحریر کی بد صورت، کزخت ہیئت دیکھ کر سخت ناگواری ہوئی۔
اس کے ذریعہ کتابیں چھاپنے سے پریس گھرانے لگے اور انفرادی طور پر ڈھلے ہوئے حروف
ٹائپ کو انھوں نے ترجیح دی۔ لیکن تین ہی سال بعد 1889ء میں ایک اور امریکن
ڈٹالبرٹ لینٹن نے مونوٹائپ ایجاد کیا۔ جو اب سب طرح لائوٹائپ ہی جیسی مشین

تھی، صرف فرق یہ تھا کہ یہ سارے حروف ایک ہی لائن کے نہیں تھے۔ اس لیے وہ نقص جاتا رہا۔ چھپائی خوشنما ہونے لگی۔ پھر ایک تیسری قسم انٹروٹائپ بنائی گئی۔ اس میں اور مائوٹائپ میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ ان تینوں کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ آدمی سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے کمپوزنگ کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ فوراً تازہ بہ تازہ حروف ڈھل کر ان سے چھپائی ہوتی ہے۔ کوئی پرانا اور گھسا ہوا حرف نہیں ہوتا۔

ساتواں باب

پرنٹنگ پریس کی ساخت میں مزید تبدیلیاں

پریس کی ساخت میں تبدیلی کی رفتار حروف سازی میں تبدیلی کی رفتار کے مقابلہ میں سست رہی چنانچہ چوٹی پریس کارواج پندرہویں سوٹھویں اور سترہویں صدی کے ابتدا تک رہا۔ سترہویں صدی میں ایمسٹرڈم کے باشندے ولیم بلاوے نے چوٹی پریس میں پختے اور اوپری پیچ کے درمیان قایم رشتے کو ایک اسپرنگ کی مدد سے مزید موثر بنا دیا۔ سترہویں صدی میں جوزف موکسن نے پریس پر ایک کتاب مرتبہ کی تھی جس میں چکے کی مدد سے چلنے والے پریس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ سوا تین سو برس کی بنیادی ساخت گٹن برگ کے چوٹی پریس کی طرز پر قایم رہی۔ 1772ء میں باسل کے باشندے ولیم ہاس نے ایک ایسا پریس بنایا جس میں کچھ حصے لوہے کے تھے۔

کوننگ کا سلنڈر پریس اور لپٹے ہوئے کاغذ کے بندل بنانے کا فن تقریباً ساٹھ ساٹھ ایجاد ہوئے۔ تعجب ہے کہ بھاپ کی طاقت سے چلنے والا پریس آسانی سے مقبولیت نہیں حاصل کر سکا۔ غالباً اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پرانے طرز کے پریس میں کافی سرمایہ لگا ہوا تھا جسے آسانی کے ساتھ نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ 1830ء میں پریس میں کام کرنے والے ملازمین نے پریس کا باہر سے آیا ہوا بہت سا سامان بردار کر دیا۔ لیکن ہاتھ سے چلائے جانے والے پریس میں ایک گھنٹے میں صرف دو سو پچاس صفحے چھپ سکتے تھے جب کہ کوننگ کے پریس میں رفتار اس سے چوگنی تھی۔ 1828ء میں لندن ٹائٹس کے لیے ایسی چھپائی کی مشین تیار ہوئی جو گھنٹے میں چار ہزار صفحات چھاپ سکتی تھی۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں روٹیری مشین کا استعمال عام

ہو چکا تھا اور اب ایسی مشینیں ہیں جو چالیس ہزار صفحات فی گھنٹہ چھاپ لیتی ہیں۔
 اسٹین ہوپ کے ارل مسٹر چارلس نے ایک ہاتھ سے چلنے والا پریس بنایا جو سارا
 لوہے کا بنا ہوا تھا۔ بعد کے برسوں میں اس میں اور ترمیمات ہوئیں چنانچہ پیسج کی جگہ دھری
 نے لے لی۔ اس کی وجہ سے اس پر کام کرنا آسان ہو گیا۔ سیاہی پوتنے والے گولے کی جگہ
 بیلن لگایا گیا۔ چارلس نے پلاسٹر کی مدد سے دھات کی پلیٹیں بنانی شروع کی تھیں،
 لیکن یہ طریقہ کچھ بہت مقبول نہیں ہو سکا، چنانچہ جب 1830ء میں کلاڈ گے ناکس
 (Genanex) نے پیپر ہاشی کی مدد سے پلیٹیں ڈھالیں تو یہ طریقہ جلد ہی مقبول ہوا۔
 چند سال بعد ہرمن جیکومی نے جست کی پالش کی ہوئی لوہے کی چادر پر چھپائی کی
 سختی بنائی۔

لوگو ٹائپ (LOGO TYPE)

حروف سازی کے ذریعہ چھپائی میں ایک نئی ایجاد لوگو ٹائپ تھی جس میں دو
 حروف ایک ساتھ ڈھل کر نکلتے تھے۔ دراصل مشین کے ذریعہ کمپوزنگ کی کوشش
 اٹھارہویں صدی سے کی جا رہی تھی لیکن کامیابی انیسویں صدی میں ہنری جانسن کو
 ہوئی جس نے مونو ٹائپ ایجاد کیا۔ شروع میں حروف مشین کے ذریعہ اٹھائے جاتے تھے
 اس کا قابل عمل نمونہ چارلس کیسٹن بن (Charles Kasten Bein) نے بنایا
 اور اس پر 1872ء میں لندن ٹائپس چھاپا گیا۔

لائنو ٹائپ (LINO TYPE)

اگرچہ کیسٹن بن مشین 1908ء میں عام ہو چکی تھی لیکن اس کے ذریعہ کام میں
 دشواری یہ تھی کہ حروف ساپنجوں میں پھنس جاتے تھے۔ مزید برآں انھیں علاحدہ کر کے
 خانوں میں رکھنے کا بھی سوال تھا۔ اس کے بعد مرگن ہٹا کی ایجاد جس کا اوپر ذکر ہوا ہے سامنے
 آئی۔ یہ لائنو ٹائپ مشین 1886ء میں پہلی بار قابل استعمال شکل میں چھپائی کی صنعت
 میں داخل ہوئی مگر پوری کامیابی نہ حاصل کر سکی لیکن اسی اصول پر مبنی ٹا برٹ
 لینسٹن کی مونو ٹائپ مشین 1889ء سے اب تک نہایت کامیابی کے ساتھ بڑے بڑے

مطالع میں شان دار کارگزاری انجام دے رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں نو کمپیوٹر کی مدد سے عکس کمپوزنگ ہو جاتی ہے اور تضاد ویرتانبے کی پلیٹ کے سلنڈر پر الیکٹرانک اسکیٹنگ کے طریقے سے منعکس ہو کر چھپائی کی جدید ترین ترقی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

برقی پریس کا طریقہ کار

سادے کاغذ کے تختوں پر کتاب کی چھپائی کا کام بھی آگے چل کر بہت میکانیکل ہو گیا۔ سب سے پہلے مونو ٹائپ کمپوزنگ مشین کا طریق کار دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس پر کام کرنے والا کمپوزٹر کہلاتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کام کرتا ہے، جس طرح ٹائپ رائٹر پر ٹائپ ہوتا ہے۔ البتہ اس میں تین سو سو سوچ دبانے کے بٹن ہوتے ہیں۔ جب کہ ٹائپ رائٹر میں صرف پادون ہوتے ہیں۔ کمپوزنگ میں مستعمل حروف، تہجی کی متعدد طرز کی تحریریں پنچویش اور تمام عددی اشکال وغیرہ، ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس مشین کی کارکردگی بظاہر زیادہ پے چیدہ نہیں ہے۔ اس پر بہت تیزی سے کمپوزنگ ہوتی ہے۔ مشین ہر ایک حرف سے گھرنے والی جگہ کی پیمائش اور تمام الفاظ کے درمیانی فاصلوں کا شمار کرتی جاتی ہے۔ جب کارکن کسی سطر کے اختتام پر پہنچتا ہے تو ایک گھنٹی بجتی ہے اور تمام درمیانی فاصلوں کی مجموعی پیمائش کو ان کی تعداد سے تقسیم کر کے ڈرم پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ الفاظ کا درمیانی فاصلہ کتنا اور بڑھا دیا جائے جس سے سطر کا آخری لفظ صفحہ کی داہنی حد معینہ پر پورا اترے۔ کمپوزنگ مشین کے اس عمل کو نشستِ الفاظ کی درستی (Justification) کہتے ہیں۔ 'کی بورڈ' (Key Board) چھپی ہوئی تحریر برآمد نہیں کرتا، بلکہ سوراخوں کے ذریعہ ایک لمبی پٹی پر حروف، علامات و وقف لازم اور فاصلوں کی خالی جگہوں کی کاغذ پر اپنے اپنے مقام سے نشان دہی کرتا ہے۔

اس کے بعد یہ کاغذ کی پٹی دوسری مشین پر رکھی جاتی ہے جو ٹائپ بناتا ہے۔ اس کا طریق کار کافی پے چیدہ ہے۔ ہوا داؤ کے ساتھ کاغذ پر بنے ہوئے سوراخوں سے گذرتی ہے اور ایک حرکت پذیر بکس کو جس میں حروف، تہجی کے تمام ساپنے ہیں ایک ایک حرف ٹھیک اپنے ساپنے کے صحیح مقام پر لایا جاتا ہے۔ پگھلی ہوئی دھات پمپ ہو کر ساپنے میں پہنچتی جاتی ہے۔ ایک ایک حرف کا ٹائپ ڈھل کر ٹھنڈے پانی کی مسلسل

دھار سے سرد منجمد ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح بکس حرکت کرتا ہوا دوسرے حرف پر اس کے سانچے کو لاتا ہے اور حسب سابق اسے بھی ڈھالتا ہے۔ جب کہ پچھلا تیار شدہ ٹائپ ایک فولادی کشتی میں جسے گیلی کہتے ہیں، پہنچ کر ایک لائن میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح یہ گیلی یکے بعد دیگرے تمام کمپوزیکے حروف ٹائپ سے مقام، سطر اور صفحہ وار تسلسل کے ساتھ مکمل ہو کر صفحات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

اب یہ گیلی کمپوزیٹر کو بھیجی جاتی ہے۔ وہ پڑھ کر اطمینان کرتا ہے کہ سب حروف صحیح طور پر جھے ہیں۔ اگر کہیں غلطی پاتا ہے وہیں ہاتھ سے رد و بدل کر کے درست کر دیتا ہے۔ گیلی میں حروف معکوس شکل میں ہوتے ہیں۔ اسے معکوس حروف پڑھنے کا محاورہ اور مشق ہے۔ بہ آسانی پڑھ لیتا ہے، ورنہ آئینے کی مدد سے پڑھنے میں تو کوئی دقت ہی نہیں۔ اس کے بعد ایک آزمائشی نقل چھاپ لی جاتی ہے جسے پروف کہتے ہیں۔ یہ گیلی پروف پبلشر اور مصنف کو بھیج دیا جاتا ہے تاکہ جو ضروری تصحیح کرنا ہو تو لوح کے صفحات میں تقسیم ہونے سے پہلے ہی کر لی جائے۔ اگر اس کے متن کے ساتھ تصویریں بھی چھاپنا ہیں تو تصحیح کے بعد تصویروں کے بلاک ان کے متعین مقام پر جمادیے جاتے ہیں اور اب ٹائپ کو صفحات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ صفحہ نمبر وغیرہ بالائی سرے پر دے دیے جاتے ہیں۔ کمپوزیٹر ہر صفحہ کو اولاد ڈوری سے کس کر باندھ دیتا ہے تاکہ وقتی طور پر وہ انھیں گرفت میں رکھے۔ صفحات کی تعداد عام طور پر بتیس یا چونتیس ہوتی ہے جو ایک ساتھ چھپتے ہیں۔ اب وہ ایک ہموار چکنی میز پر ان صفحات کو ترتیب سے لگاتا ہے اور ان کے درمیان فاصلے قائم رکھنے کے لیے ایک دھات کا ٹکڑا رکھتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان مرتب صفحات کے ٹائپ ایک فریم میں جمادیے جاتے ہیں۔ اس طرح ٹائپ کے جمائے ہوئے فریم کو چھاپے خانوں کی اصطلاح میں فورم کہتے ہیں۔ جس سے مرتب صفحات کا ایک پروف چھاپ کر پرنٹر پروف ریڈر پبلشر، کبھی کبھی مصنف کو بھی بھیجتا ہے۔ وہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں پھر تصحیح کرتے ہیں۔ حلال کہ اب فورم میں تصحیح کرنا بڑی دقت و طوالت کا کام ہے کیونکہ وہ صفحات میں تقسیم ہو چکا ہے۔ بہر حال اسے تصحیح کر کے جکرہ دیا جاتا ہے۔ جسے لاک کرنا کہتے ہیں۔ اس کے بعد مشین اور ٹائپ کو چھپائی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ درحقیقت چھپائی کی ہنرمندی اور سلیقے کا یہی موقع ہوتا ہے۔ جہاں ایک تجربہ کار و نا تجربہ کار پرنٹر

میں بہ خوبی امتیاز ہوتا ہے۔ اگر ٹائپ حروف چھپائی کے تختے پر سلیف سے نہیں رکھے گئے تو وہ چھپائی میں یکساں روشن نہیں ہوں گے۔ کچھ حروف تو خوب چمک دار اور کچھ دھندلے ہوں گے۔ ایک بار چھاپنے کی برقی مشین چل پڑی تو نہایت تیزی کے ساتھ ایک ایک تختہ مطبوعہ کاغذ برآمد ہونے لگتا ہے۔ ٹائپ کا فورم آگے پیچھے حرکت کرتا جاتا ہے۔ پہلے ایک رولر کے نیچے آتا ہے جو روشنائی کی تختی سے روشنائی لے کر ٹائپ پر یکساں روشنی سے لگاتا ہے۔ پھر فورم ایک سلنڈر کے نیچے آتا ہے جس پر کاغذ لپٹا ہوا ہے۔ یہ سلنڈر ایک مخصوص دباؤ ڈالتا ہے اور کاغذ چھپ کر ایک جگہ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر بار روشنائی پھیری جاتی ہے۔ سادے کاغذ کا ایک تختہ پھسلتا ہوا سلنڈر پر آتا ہے پلک جھپکنے میں چھپ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ یہ کاغذ کے صرف ایک طرف چھپائی ہو رہی ہے۔ جب سب کاغذ چھپ جاتے ہیں تو دوسری طرف اسی طرح چھپائی ہوتی ہے۔ ایک ایسی بھی مشین ہے جو دونوں طرف ایک ساتھ چھپائی کرتی ہے۔ اس میں دو فرمے مسلسل حرکت کرتے ہیں۔ یہ پہلی مشین سے زیادہ پیچیدہ مشین ہے۔ ایسی بھی مشینیں ہیں جو چار رنگوں میں ایک ساتھ چھپائی کرتی ہیں۔ صرف کچھ دباؤ بڑھانا پڑتا ہے۔ ڈھلے ہوئے ٹائپ کی اسٹیریو پلیٹ بھی بن کر نکل سکتی ہے۔ اس کے لیے نہ صرف پگھلی ہوئی دھات بلکہ پلاسٹک، ربر، یا نائیلون کے علاوہ کچھ اور سامان کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اسٹیریو کے استعمال سے اصلی ٹائپ حروف چھپائی میں گھستے نہیں ہیں۔ ٹائپ صفحے پر فلونگ چڑھا دینے سے ہر ایک ٹائپ صفحے کا مثنی تیار ہو جاتا ہے۔ اسٹیریو پلیٹ کو اگر خم دار بنا لیا جائے تو روٹری پریس مشین سے بھی چھپائی ہو سکتی ہے۔ جس کی رفتار اس مشین سے بہت زیادہ ہے۔

چھپائی ختم ہونے کے بعد یہ تختے جو بتیس، چونتیس یا اس سے بھی زیادہ صفحات میں ہیں، ایک فوٹونگ مشین کے ذریعے ایک کے بعد ایک کئی رولر کے درمیان جا کر مقررہ سائز کی کتابی شکل میں آجاتے ہیں۔ ان کا ہر موڑ سگنچر کہلاتا ہے۔ یعنی ہر تختے کے دو یا چار سگنچر ہوتے ہیں۔ صفحات میں مرط کرنے کے بعد یہ کولیشننگ مشین Collating Machine میں جاتے ہیں۔ یہاں ترتیب وار جڑ بندی ہوتی ہے۔ سلائی مشین ہر جڑ کی سلائی کر کے سب کو ایک دوسرے سے منسلک

کر دیتی ہے۔ کچھ کتابوں کی سلائی ٹیپ پر ہوتی ہے مگر بیشتر سادی سلائی ہوتی ہے۔ اب بھاری دباؤ کے نیچے کتاب آتی ہے جسے پٹنگ کہتے ہیں۔ اور پھر گلوٹین میں جاتی ہے یعنی کتاب شکنجے میں کسی جاتی ہے۔ یہاں تین تیز چھریوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو سامنے، اوپر اور نیچے کتاب کے تین پہلے تراش کر ہموار اور چکنا کر دیتی ہے۔ پھر اونڈنگ اور بیکنگ مشین میں کتاب کے پچھلے پہلو کو محذب اور سامنے کے رُخ کو مجوسف کر دیتی ہیں۔ واضح ہو کہ کتاب کے چار رُخ ہوتے ہیں۔ سامنے کا رُخ جہاں سے کتاب کے ورق کھلتے ہیں۔ پشت جس پر جڑ بندی اور سلائی ہوتی ہے، چہرہ جہاں سے کتاب شروع ہوتی ہے اور اس پر ٹائٹل بھی ہوتا ہے اور نچلا حصہ جس پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

پیر پیک (کاغذی پشتی بان)

آج کل بہت سی کتابیں خصوصیت سے پیر پیک میں نکل رہی ہیں جس میں سلائی نہیں کی جاتی بلکہ پشتی بان کے کناروں کو بھی بغیر جڑ بندی کے تراش دیا جاتا ہے۔ جس کے کتاب علاحدہ علاحدہ اوراق کا ایک مجموعہ ہوتی ہے۔ ایسی کتابوں کے پشت کے کنارے پر پلاسٹک سلیوشن لیس دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلی ہوئی کتاب کی طرح تمام اوراق کو باہم جڑا ہوا رکھتی ہے۔ بمقابلہ روایتی جلد بندی کے یہ طریقہ بہت آسان ہے۔ البتہ کاغذ کی بعض اقسام میں یہ تکنیک استعمال نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ جلد ٹوٹ جانے پر دوبارہ پوست کرنا دشوار ہے۔

جڑ بندی اور سلائی یا سلیوشن سے جوڑنے کے بعد کتاب ایک ایسی مشین میں پہنچتی ہے جہاں اس پر جلد سازی ہوتی ہے۔ دو موٹے سخت کاغذ یا کپڑے کا کتاب کی سائز کا تر شا ہوا بالائی حصے کا کور تیار رہتا ہے کتاب کے نیچے اور اوپر دو دفتوں کے کور کو کسی لیس دار چیز سے چپکا ہوا کتاب کی پشت کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور نہایت پائداری کے ساتھ اس سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ تیار شدہ جلد ٹھپہ چھپائی کی مشین میں آتی ہے جہاں پتیل کے کٹے حروف کے گرم ٹھپے سے جلد کی پشت والے حصے پر کتاب اور مصنف کا نام چھاپ دیا جاتا ہے۔ اگر بغیر کسی روشنائی کے حروف نقش کیے جاتے ہیں تو اسے کورا ٹھپہ (Blind Blocking) کہتے ہیں۔ ورنہ رنگین

کاغذ کے فینے یا رو پہلے سہرے سفوف سے حروف ابھارے جاتے ہیں۔ مشین کی جلد سازی میں پشتی بان پر بہت سا گوند یا لیس پوت کر ایک قسم کا موٹا کپڑا خوب دباؤ کے ساتھ چپکایا جاتا ہے۔ جسے شیرازہ بندی یا (Mull) کہتے ہیں۔ اور آخر میں کتاب اور اس کی جلد کو ایک مشین میں لے جا کر باہم چسپاں کیا جاتا ہے۔ یہاں کتاب کا پہلا اور آخری ورق جلد کے اندر دنی حصے سے چپکا کر مشین میں اسے نہایت سخت دباؤ کے نیچے سے گزارا جاتا ہے کہ وہ بالکل سبج ہو جاتی ہے۔ اگر کتاب پر غباری ورق Dust Cover بھی چڑھانا مقصود ہے تو ہاتھ سے چڑھایا جاتا ہے۔ مشین نے اپنا سارا کام ختم کر دیا۔ کتاب بالکل مکمل ہو گئی۔

تصاویر کی چھپائی میں جدید تکنیکی ترقیاں

کتاب میں تصویریں چھاپنے کے کئی طریقے ہیں اور کچھ بہت پے چیدہ ہیں۔ ٹائپ حروف کے ساتھ تصویریں تین طرح چھاپی جاتی ہیں۔ (1) ہاف ٹون (2) چوٹی ٹھپہ (3) لائن بلاک۔ موخر الذکر دونوں طریقے کم خرچ و بالانشیں ہیں۔ ان کے طریق کار کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

لائن بلاک :-

جستے یا میگنیشیم کی تختی کو کیمیاوی مرکب سے موثر بنا کر اس پر نیگیٹو فوٹو ایکسپوز کیا جاتا ہے۔ یعنی عکس منفی اُتارا جاتا ہے۔ پھر اس نقش کو محفوظ کر کے تختی کو تیزاب میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ اس سے تختی کے غیر محفوظ حصے کی بالائی سطح کو تیزاب کھا جاتا ہے اور تصویری نقش جو تیزاب کے اثر سے محفوظ رکھا گیا ہے ابھرتا ہے۔ ٹائپ طباعت کے ساتھ یہ تیار شدہ بلاک مستعمل ہے۔ اس سے سیاہ سفید نقش کی تصویریں چھپتی ہیں۔ لیکن اس طریقہ سے درمیانی عکس کا بھورا رنگ نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ جب کہ فوٹو گراف اور لیتھو گراف سے ہلکی درمیانی سایہ فگنی Shading بھی دوسرے طریقے سے پیدا کی جاسکتی ہے۔

ہاف ٹون :- اس کے ذریعہ عام طور پر فوٹو گراف چھاپے جاتے ہیں۔ بلاک۔

بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاف ٹون اسکرین کو کیمرے میں فوٹو گرافک پلیٹ کے سامنے رکھ کر اصل فوٹو کو دوبارہ کھینچا جاتا ہے۔ ہاف ٹون اسکرین شیشے کی ہوتی ہے۔ اور اس پر کھڑے اور پڑے خطوط متوازی کھینچے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے شیشے پر دندانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تصویر کو بے شمار بار ایک نقطوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اخباری تصاویر میں یہ نقطے واضح نظر آتے ہیں، کیونکہ اس کی اسکرین معمولی ہوتی ہے۔ اس اسکرین پر ایک انچ میں پینسٹھ لکیریں ہوتی ہیں جب کہ کتاب کی تصویروں کے لیے بہت عمدہ اسکرین استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دندانے اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ اعلا خوردبین ہی کی مدد سے تصویریں نقطوں کو دیکھنا ممکن ہے۔ اس اسکرین کے ذریعہ تانبے کی پلیٹ پر نیگیٹو فوٹو گرافی کر کے ہاف ٹون بلاک کے لیے تیزاب میں ڈال کر اسی طرح سطح تراشی (Etching) کی جاتی ہے جیسے کہ لائن بلاک میں ہوتی ہے۔ ہاف ٹون بلاک سے رنگین تصاویر چھپ سکتی ہیں۔ لیکن جتنے رنگوں کی چھپائی ہوگی اتنی ہی پلیٹیں استعمال کرنا پڑیں گی۔ عموماً نیلی، پیلی، لال اور سیاہ چار رنگوں سے بہت زیادہ رنگ پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ ان چار رنگ کی ہاف ٹون اسکرین کی پلیٹیں بنا کے لیے کیمرے میں کلر فلٹر بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور کاغذ پر چار بار چھپائی ہوتی ہے۔ ہاف ٹون بلاک حروف کی چھپائی کے ساتھ استعمال کرنے میں یہ ضروری ہے کہ کاغذ نہایت چکنی اور چمکدار سطح کا ہو۔ جسے عرف عام میں آرٹ پیپر کہتے ہیں۔ اس کے لیے تصویروں یا تو متن سے الگ چھاپی جائیں یا پوری کتاب آرٹ پیپر پر چھپے۔

فوٹو گراہ کی ہونی پلیٹ (PHOTO GRAVIERE PLATE)

اس سے معمولی میٹ کاغذ پر چھپائی ہو سکتی ہے مگر بہت مہنگی پڑتی ہے تاوقتیکہ بڑی تعداد میں کتاب کی کاپیاں نہ نکالی جائیں۔ یہ تکنیک ہی ایسی ہے چیدہ ہے کہ جس میں فوٹو گراہ کے عمل سے ایک بار پھر نقطوں کے ایک تسلسل میں فوٹو کی ماہیت کو توڑنا پڑتا ہے۔ کیمرے میں دوسری بار جو اسکرین استعمال کی جاتی ہے۔ وہ بجائے بھرے لفظوں کے گہرے لفظوں کی ہوتی ہے۔ پرنٹنگ پلیٹ کی سطح پر ان باریک نقطوں کی گہرائی کہیں کم کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ گہرے نقطوں میں زیادہ روشنائی بھرتی ہے اور اٹھلے لفظوں میں کم، اس اعتبار سے رنگ کہیں گہرا کہیں ہلکا پیدا ہو کر بہترین عکاسی

اور سایہ فگنی کا حق ادا کرتا ہے۔ چار رنگ کی اسکرینیں اور کلر فلٹر کیمبرہ استعمال کر کے اس سے رنگین تصاویر بھی چھاپی جاسکتی ہیں۔ دراصل کلر فوٹو گریور محض رنگوں میں گہرائی اور چمک پیدا کرنے کی ایک قسم ہے جو کلر ہاف ٹون سے نہیں حاصل کی جاسکتی۔

آفسیٹ کی چھپائی

ایک سطح پر بنی ہوئی تصویر، تحریر یا جملے ہوائے ٹاپ حروف پر روشنائی لگا کر پہلے ایک سلنڈر کی ربڑ پلیٹ پر منتقل کرنا اور پھر اس ربڑ پلیٹ سے دوسرے سلنڈر پر لپٹے ہوئے کاغذ پر چھپائی کرنا اس تکنیکی طریقہ کو آفسیٹ کہتے ہیں، جس کا فائدہ یہ ہے کہ نہایت صاف، باریک نوک پلک کی طباعت اس طریقہ سے ہوتی ہے۔ آفسیٹ میں بالترتیب چار سلنڈر کام کرتے ہیں۔ پہلا پلیٹ سلنڈر جس پر روشنائی اور پانی پھیرنے والے رولر گھومتے اور اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ دوسرا آفسیٹ ربڑ بلیٹ سلنڈر جو پہلے سلنڈر سے ملا ہوا گھومتا ہے، اور پہلے سلنڈر کا معکوس نقش اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ تیسرا کاغذ چڑھا ہوا سلنڈر جو دوسرے سلنڈر سے وابستہ ہو کر گردش کرتا ہے۔ یہ ربڑ سے کاغذ پر نقش منتقل کر کے صحیح صورت میں چھپائی کرتا ہے۔ چوتھا ڈیلیوری سلنڈر جو چھپے ہوئے کاغذ کے تختوں کو تیسرے سلنڈر سے لے کر ایک جگہ جمع کرتا جاتا ہے۔

چھاپے خانوں کی روشنائی

اس کی تیاری میں دو خاص اجزا مستعمل ہیں (1) دارنش جو السی کے تیل کو چھرا لاکھ کے ساتھ پکا کر تیار کی جاتی ہے (2) رنگ، سینا ہی کے لیے گٹن برگ اور اسکو فرچر اع کی کالک استعمال کرتے تھے۔ ان دونوں ابتدائی چھاپنے والوں کی بنائی ہوئی روشنائی کچھ کم درجہ کی نہیں تھی۔ باسکر وٹے نے وسط اٹھارھویں صدی میں اس سے بہتر روشنائی بنانے کی کوشش کی لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ سوٹھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں طباعت کی روشنائی کے بڑے بڑے کاروباری فرانس اور انیٹورپ میں تھے۔ پلنٹین بھی روشنائی کی صنعت میں ایک ممتاز کاروباری ہے۔ انیسویں صدی عیسوی تک بڑے بڑے چھاپے خانے اپنے لیے روشنائی خود تیار کرتے تھے۔

آٹھواں باب کتب خانے

کتابوں کی قدر و قیمت کا احساس انسان کو بہت زماںہ دراز سے بلکہ کتاب وجود میں آتے ہی ہو گیا تھا۔ کچھ تو اس لیے کہ ان میں تحریر کیا ہوا علم کسی غیبی طاقت کا کرشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے بھی کہ بڑی محنت سے پیدا کیے ہوئے ایک ہزار ایک فن کا ثمرہ ہے جو ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور سب سے زیادہ یہ احساس کہ کتابوں میں بڑے کام کی باتیں ہیں جو اڑے وقت پر انسان کی مدد کرتی ہیں۔ لہذا ان کی حفاظت کی فکر اسے شروع سے ہی ہے۔ ناموافق موسمی اثرات اور آگ لگنے کا اندیشہ، جاہل اور متعصب لوگوں کے ہاتھوں ضائع ہونے کا خدشہ، حملہ آوروں کی یورش اور ناگہانی آفات میں کتابوں کے تلف ہو جانے کا خوف انسان کو طرح طرح کی حفاظتی تدبیریں سمجھاتا رہا۔ بسا اوقات اس نے جان و مال سے زیادہ کتابوں کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی۔ چنانچہ شاہ طہرت کو جب بنجومیوں نے خردی کہ اس کی حکومت کے دو سو اکتیس برس اور تین سو دن بعد طوفان نوح آنے والا ہے جس میں مشرق کے آخری سرے تک سب کچھ غرق ہو جائے گا، تو اس نے جان و مال کی حفاظت کے لیے کیا تدبیر کی اس کا تاریخ میں کچھ پتہ نہیں چلتا البتہ کتابوں کو محفوظ کرنے کی ایسی کامیاب کوشش کی کہ طوفان نوح گزرنے کے ہزاروں سال بعد اصفہان کے ایک موضع ابع کے نواح میں کوہان دیزٹیلے سے جو کہ دراصل سدویہ نام کی زمین دوز عمارت تھی۔ بہت بڑی تعداد میں طہرت کے زمانے کی کتابیں اور بنجومیوں کی پیش گوئی وغیرہ کی تفصیل گیارہویں صدی عیسوی میں برآمد کر کے مامون الرشید کے کتب خانے میں لائی گئیں اور مورخ ابن ندیم نے بچشم خود ان کا مشاہدہ کیا۔

اسی طرح کا ایک بڑا موثر واقعہ گذشتہ جنگ عظیم کے زمانے میں معلوم ہوا۔ فلسطینی کڈریوں کے لڑکے کھلتے ہوئے ایک دور افتادہ غارتگاہ پہنچ گئے اور شہادتاً اس کے دہانے میں پتھر پھینکے جس سے گونجتی ہوئی آواز پیدا ہوئی۔ لڑکے ڈر کر بھاگے اور اپنے گھروالوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ ان لوگوں نے غار میں گھس کر تجسس کیا تو بھاری بھاری پتھروں کے نیچے پوشیدہ دھات کے ٹکے میں چرئی تختوں پر لکھی ہوئی کچھ کتابیں ملیں۔ ایک واقف کار نے چند سکوٹوں میں ان کو خرید کر بہت بڑی قیمت پر امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ پہلی صدی عیسوی میں رومن لشکر کے سپاہی کچھ یہودی علما کا پیچھا کر رہے تھے اور وہ ان کتابوں کو سینے سے لٹائے چھپتے پھر رہے تھے۔ بالآخر جب اپنی جان سے بالکل مایوس ہو گئے تو قتل ہونے سے پہلے وہ ان کتابوں کو جن میں بائبل کا اصلی غیر تحریف شدہ نسخہ بھی ہے چھپا کر محفوظ کر دینے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی روئداد بھی لکھ کر چھوڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ انھوں نے جانیں دے دیں لیکن کتابیں ان تباہ کار ہاتھوں تک نہیں پہنچنے دیں۔ یہ کتابیں اب نیویارک کے کتب خانے میں ہیں۔

کتب خانوں کی بنیاد میں انسان کا یہ سب سے ابتدائی جذبہ کام کرتا ہے کہ جو کتابیں وجود میں آئی ہیں ان کی حفاظت کی جائے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان کو مطالعہ کے لیے آسانی سے کتابیں دستیاب ہوں اس سلسلے میں کتابیں رکھنے کا ایک مخصوص طریق کار اور ان کی ترتیب و تنظیم ایجاد ہوئی۔ جس کا مطالعہ کرنے کے لیے کتب خانوں کی تاریخ کو تاریخ کتاب کی طرح تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عہد قدیم کے کتب خانے۔ عہد وسطیٰ کے کتب خانے اور حالیہ صدیوں کے کتب خانے۔ آخری دور کے کتب خانے بھی دو قسم کے ہیں۔ بیسویں صدی کے ربع اول کے بعد ایک بالکل ہی نئے قسم کے کتب خانے وجود میں آئے جن کا پہلے زمانوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح کتب خانے چار اقسام کے ہیں۔

عہد قدیم کے کتب خانے بابل اور نینوا

کتاب کی تاریخ میں سب سے پہلا کتب خانہ بابل اور نینوا کا ہے جس کی

بنیاد سمیر یوں نے رکھی تھی۔ آثار قدیمہ کے محققین کو اس سرزمین میں دفن شدہ سرکاری انتظامیہ کے دفاتر بھی ملے اور بہت بڑے بڑے کتب خانے بھی۔ ایک کمرے میں سرکاری اور سیاسی امور کی دستاویزیں تھیں، دوسرے کمروں میں علوم و حکمت کی کتابیں بچا تھیں۔ بڑے بڑے مستطیل کمرے جن میں ہر چہار جانب مٹی کے اوراق کی کتا ہیں بڑے سلیقے سے لگی پائی گئیں۔ ان کمروں میں چاروں طرف تقریباً تین فٹ چوڑی ایک چبوترے نما روش تھی جو درمیانی فرش سے کچھ اونچی تھی۔ دروازوں سے آمد و رفت کے راستے کو چھوڑ کر پورے چبوترے پر گردا گرد دیوار سے لگی مٹی کی تختیوں پر لکھی کتابیں الگ الگ موضوعات میں تقسیم کی ہوئی تھیں۔ ہر تختی کے اوپری حصے میں ایک سوراخ ہے جس میں اسی پر و کر ایک کتاب سے متعلق سب تختیوں کی شیرازہ بندی کی گئی ہے۔ سب سے اوپر کی تختی پر کتاب کا موضوع اور مالک یا جس کی فرمائش پر کتاب تیار کی گئی اس کا نام لکھا ہے۔ اکثر مالکان کتب کی تصویریں بھی اوپری تختی پر بنی ہیں۔ یہ پتہ چلانا ممکن نہیں کہ ان کتابوں کے مصنف کون کون اشخاص ہیں۔ اور نہ کتابوں کا نام کہیں لکھا پایا گیا۔ ہر جزو بند کتاب سے ایک چھوٹی سی پتلی جو کور تختی بھی بندھی ہوئی ملی یہ بھی مٹی کی ہے اور اس پر ایک مخصوص نشان بنا ہے۔ یہ نشان کتاب کی اوپری تختی پر بھی بنا ہے۔ جس کو سرورق کہنا چاہیے۔ ایک جگہ کچھ مٹی کی تختیاں ایک رسی میں پروئی علاحدہ رکھی ہوئی ملیں جن پر نسل کے ساتھ وہ مخصوص نشانات بنے ہوئے تھے جو مٹی کے مختلف لیبل پر تھے۔

ان چیزوں کو دیکھ کر آج کے نظم کتب خانہ کے ماہرین سخت حیرت میں ہیں۔

خصوصاً اس وجہ سے کہ آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے جن لوگوں نے کتب خانے کی اس طور پر تنظیم کی تھی ان کے سامنے کسی کتب خانے کی مثال نہ تھی جس نے ان کی رہبری کی ہو۔ اس کے باوجود وہ اس قدر مکمل تنظیم کتب خانہ کا طریق کار تھا کہ اس وقت تک اسی پر تمام کتب خانے کا انتظام کار بند ہے۔ چار، پانچ ہزار سال پہلے جب السانی تہذیب کی ابتدائی راع بیل ڈال رہا تھا۔ اس وقت کتابوں کی ترتیب و تنظیم کے سلسلے میں مربوط فہرست سازی اور کتابوں کی زمرہ بندی (Integral Cataloging) نشان دہی کے کارڈ (Indicator Card) اور حوالہ کتب

کے اشاراتی نشان اور شمارہ (Referencing Coadex) وغیرہ تک ان لوگوں کا ذہن بالکل صحیح طور پر پہنچ گیا تھا۔ کتب خانوں کی اس پے چیدہ تکنیک اور کتابوں کی نشان دہی کے دشوار مسئلے کے صحیح حل تک ان کے ذہن کی رسائی کس طرح ہوئی اس پر مسٹر باربرا ایوان جو موجودہ جدید ترین کتب خانوں کی خود کار مکینکی طریقے کے ماہر ہیں انہوں نے بھی بہت تعجب کیا ہے۔ میسو پوٹامیہ کے کھنڈروں سے برآمد شدہ حقائق کے ذریعہ یہ انکشاف ہوا کہ موجودہ لائبریریوں کی جدید تنظیم کتب ماقبل تاریخ اور قدیم ترین ذہن سے کس قدر مربوط و متوسل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان قدیم ترین کتابوں پر رسی سے بندھے ہوئے مٹی کے لیبل انڈکس کارڈ اور مٹی کی تختیوں کی الگ رکھی ہوئی ڈھیری جس پر علامتی حروف اکٹھا کیے ہوئے تھے۔ اس کتب خانے کا کیٹلاگ تھا جن کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانے کی کتابوں کے مکینکی زمرہ بندی، سلسلہ نمائی اور نشان دہی کے کمپیوٹر چار پانچ ہزار سال قدیم نظم کتب خانہ کا ایک سلسلہ خیال اور قدیم انسان کی کوششوں کا ایک کامیاب نتیجہ ہیں۔

قدیم مصری کتب خانے

دوسرا قدیم ترین کتب خانہ مصر کا ہے جہاں تنظیمی امور سے زیادہ حفاظتی بندوبست کی ضرورت تھی کیونکہ وہاں میسو پوٹامیہ کی طرح مٹی کی تختیوں والی کتابیں نہ تھیں جن کے سڑنے گلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ مصر میں پیرس پر لکھی کتابیں موسمی اثرات اور دیمک وغیرہ کیڑوں سے تباہ و برباد ہو سکتی تھیں۔ یہ فراغیہ کے اولین دور سے خاص توجہ تھی وہاں کتابوں کے تحفظ کی جو تدبیریں کی گئیں وہ بہت قابل تعریف ہیں۔ پتھر اور اینٹوں کے بڑے بڑے زمین دوزتہ خانے اور ان پر بلند ٹکونی تعمیرات جن کو اہرام کہتے ہیں۔ ان کے اندر دھاتا پتھر اور مٹی کے پختہ بڑے بڑے خم اور مرتبانوں میں مسالحو اور طرح طرح کی ادویات چھڑک کر پیرس کے مکھوفے محفوظ کر دیے گئے تھے جو بالکل صحیح سالم حالت میں ملے ہیں۔ کتب خانوں کا سارا انتظام فراغیہ کے سرکاری کارکنوں کے سپرد تھا اور مطلوبہ کتابیں وہ مکھوفوں

کے بہت بڑے ذخیروں میں بروقت ڈھونڈ نکالنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرتے ہوں گے جس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

فراعنہ کے بعد قبطی دور میں ان کتب خانوں میں بڑی وسعت ہو گئی تھی۔ بطلموس دویم کے ذوق و شوق کا مرکز کتابیں تھیں اور یونانی علماء اور حکما کا اسکندریہ میں مجمع تھا لہذا لاکھوں کی تعداد میں کتابیں دارالکتب اسکندریہ میں اکٹھا ہو گئی تھیں۔ اس شہر کو مہذب دنیا کی ایک اعلیٰ درجہ کا گاہ اور علم و ادب کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی جہاں دور دور ممالک کے طلباء تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ یونانی، لاطینی، مصری اور ہندی کتابوں کے بہترین قلمی ایڈیشن تیار کرنے کا کام مسلسل جاری تھا۔ نینوا میں آشر بانی پال کے عظیم کتب خانے سے چل کر سواحل روم کے علاقے میں سکندریہ اس زمانے کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا جس میں چھ لاکھ پیپرس چٹائیوں کی طرح لپیٹی ہوئی کتابوں کا ذخیرہ مبالغہ نہیں ہے۔ یہ کتب خانہ 148 ق م تک اسی طرح کتابوں سے مالا مال رہا۔ لیکن اسی سال جولیس سیزر نے مصری جہازی بڑے کو آگ لگائی اور اس کے شعلوں میں اسکندریہ کا یہ عظیم الشان کتب خانہ بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔

پرگیمیم کا کتب خانہ

مصر کی سرزمین سے قریب ہی ایشیائے کوچک ہے جہاں پہلی صدی ق م میں اس کے دارالسلطنت پرگیمیم (Pergaimim) میں لاکھوں کی تعداد میں کتابوں کا اس زمانے میں دوسرا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ ایشیائے کوچک کے بادشاہ ایومینس کو کتابوں کا ذوق و شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ جس کی بدولت کتابیں لکھنے کی ایک نئی چیز ایجاد ہوئی، چرمی پارچے نہایت صاف چکنے والا پیمانے پر تیار کرنے کی ایک صنعت وجود میں آئی جو صدیوں چلتی رہی۔ فرماں روا نے مصر بطلموس سے شاہ ایومینس کی مخالفت تھی جس کی وجہ سے پیپرس کی ایشیائے کوچک میں درآمد پر بندش تھی۔ اس بندش نے لکھنے کے لیے ایسی عمدہ نفیس چیز پیدا کر دی تھی۔ پرگیمیم کے بادشاہ نے کتابوں کے لیے نہ صرف چرمی پارچے تیار کرائے بلکہ

بہترین کاتب بھی جگہ جگہ سے تلاش کر کے بلوائے حتیٰ کہ شاہ بطلیموس کے مہتمم کتب خانہ کو درغلا کر کتابوں کے نایاب نسخے بھی حاصل کر لیے تھے اس طرح نہ صرف چرمی پارچوں پر بلکہ پیپرس پر لکھی کتابیں کافی تعداد میں اس نے اکٹھا کی تھیں۔ یہ لاکھوں کتابوں کا قیمتی سرمایہ مارک لظونی نے 47 ق م میں لوٹ کر اس کی دو لاکھ کتابیں قلوپترا کو تحفے میں دیں جو دوبارہ اسکندریہ کے کتب خانے میں رونق پیدا کرنے کا سبب ہوئیں اور بقیہ روم پہنچا دی گئیں۔ مگر پھر ایک بار 40-39 ق م میں جب رومن شہنشاہ تھیوڈوسیوس نے اسکندریہ کے شہر علم و ادب کو آگ لگا کر اس کے کتب خانے کو پھونکا تو پرگیم کی رہی سہی کتابیں بھی نیست نابود ہو گئیں۔ اس کے بعد مصری کتب خانوں کی شاندار روایات یورپ کو منتقل ہو گئیں۔

قدیم ایرانی کتب خانے

فراعنہ مصر کے دوسرے ہی دور میں وسط ایشیا میں شاندار کتب خانوں کی سرزمین ایران کے بارے میں تاریخی حوالوں اور مستند ثبوت سے قدیم کتابی ذخیروں کا بڑی تفصیل کے ساتھ ابن ندیم نے الفہرست میں تذکرہ کیا ہے۔ ایران قدیم کے مختلف تاریخی ادوار میں متعدد بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوئے۔ مثلاً سہل ابن نوہختی ایرانی کی تصنیف 'مستن فی معرفت الطابع الانسان' کے حوالے سے الفہرست میں صنحاک کے ایک شہر علم و دانش کا تذکرہ ہے جس میں بارہ محل بارہ برج شمسی کی نسبت سے علمی ذخیروں سے معمور تھے۔ یہ شہر تعلیم و تعلم اور تحقیق و تدوین کی سرگرمیوں کے لیے بسایا گیا تھا۔ صنحاک نے اس شہر میں سائنسی کتابوں کا بہت بڑا خزانہ جمع کیا تھا، اور عالموں حکیموں وغیرہ کے لیے مکانات بنوائے تھے۔ اسی طرح ابو معشر اور حمزہ اصفہانی کی تحریروں کے علاوہ اور کسی مستحکم ثبوت کے ساتھ اکامینین عہد تک بلکہ اس سے بھی آگے ایران میں بڑے بڑے کتب خانوں کے وجود کی نشان دہی کی ہے۔ مثال کے طور پر قراپادنا کے کھنڈر سے کچھ مٹی کی تختیاں برآمد ہوئیں جن پر اکامینین کتب خانوں کے نشانات ہیں۔ اسی طرح کچھ اور ناقابل تردید ثبوت 'شش یا سوسا' میں دارا کی قایم کی ہوئی ایک یونیورسٹی اور اس سے ملحق بہت بڑے کتب خانے کا پتہ دیتے

ہیں۔ مصر کی مذہبیات والہیات سے متعلق کتاب اوزا ہائیس نیٹی کی نقل جو فرعون کا مہبس نے دارا کو بھیجی تھی یہاں سے برآمد ہوئی۔

ساسانی کتب خانے

بعد کے زمانے میں ایک بہت بڑے کتب خانے کا تذکرہ ہے جو نوشیرواں عادل (خسرو اول) نے گندی شاپور میں قائم کیا۔ یہاں دور دراز ملکوں کی کتابوں کے پہلوی اور سنسکرت میں ترجمے اکٹھا کیے گئے تھے جیسے پنج تنتر (کلیہ دمنہ) اور الف لیلا وغیرہ۔ شاپور اول نے ایک اور کتب خانہ بغداد میں قائم کیا تھا جو اردشہر بالکاں کے کتب خانے کے علاوہ تھا۔ اور شہر بالکاں نے بھی ہندوستان اور چین سے قدیم ایرانی کتابوں کے نسخے منگا کر پھر سے ایران میں اکٹھا کیے تھے۔ یہ نسخے دینی پیشوا زور و ستر اور حکیم جاماسپ کے مشورے سے شاہان ایران نے سکندری حملہ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے بیرون ملک بھیج دیے تھے۔ یہ دونوں کتب خانے بعد میں عرب سلاطین کے ہاتھ آئے اور شاہان سلجوق کے زمانے تک انکی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

ساسانی دور کا تیسرا شاندار کتب خانہ حکیم قیاسیاس نے 389 تا 401ء میں قائم کیا تھا جو اردشہر دویم کا طیب خاص تھا۔ اس کی ایک تصنیف پر سنیاء Persia چرمی وصلیوں پر لکھ کر شاہی کتب خانے میں داخل کی گئی تھی۔ یہ ناپوردا اور صفحہ 81 تا 110 میں اس کا حوالہ ہے۔ فردوسی نے جن قدیم ایرانی کتابوں سے شاہنامے کو ترتیب دیا وہ (1) رستاخنام، اسفندرات (رستم و اسفندیار) (2) نہراسپ جس کا عرب منہتی اللغات میں حوالہ ہے (3) پیکار (جو معرب ہو کر البیکار ہو گیا) مسعودی نے البتقاش سے اخذ کر کے اپنی مورج الذہب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مسعودی نے ایک اور کتاب شکسیران کا تذکرہ کیا ہے جو اصل پہلوی سگسیران کا معرب ہے جس کا مطلب ساگا قبیلے کے سرداران سے ہے۔ یہ ساگنان میں ممکن تھے جو رستم کا وطن سیستان ہے۔ ساسانی کتب خانے فلسفہ، روحانی علوم، شاعری موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ پر مشتمل تھے۔

قدیم ہندوستانی اور قدیم چینی کتب خانوں کی تفصیلی معلومات نہیں

فراہم ہو سکیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عہد قدیم میں ان کے بہت بڑے بڑے کتب خانے ہوں گے جن کے حفاظتی انتظامات کچھ اس قسم کے تھے کہ یا تو ان کو بہت بڑی تعداد میں تلف ہونے سے نہ بچا سکے یا اتنا زیادہ محفوظ کر گئے کہ محققین آثار قدیمہ ان کے بیشتر حصے کا اب تک سراغ نہ پاسکے۔ تلاش میں کچھ ہندوستانی کتابیں بھوج پترا اور تامبتر پر ملی ہیں یا تاڑ کے پنوں پر کچھ کتابوں کا پتہ چلا ہے۔ اسی طرح چین کی کچھ کتابیں ریشم اور کاغذ پر ملیں جو 213 ق م سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔

قدیم یونانی کتب خانے

پانچ سو ق م میں فرعون کامبراجر نے اور یونان کی علمی سرزمین پھولنے پھلنے لگی تھی تین سو اکتیس ق م سے بہت پہلے یونان کی تصنیفی سرگرمیوں کے دو الگ الگ حلقے تھے جن کے مرکز اٹھنز اور اسپارٹا کے دو مختلف النوع سیاسی نظام تھے ایک جگہ جمہوریت کی نشوونما ہو رہی تھی دوسری جگہ ملوکیت روز افزوں طاقت پکڑ رہی تھی دونوں بہت بڑے علمی مرکز تھے اور دونوں جگہ اتنی کثیر تعداد میں اور اس قدر بلند پایہ علما اور حکما پیدا ہوئے کہ آج تک ان کے نام سے ہر شعبہ علم کی ابتدا ہوتی ہے خواہ وہ ما بعد الطبیعیاتی علوم روحانیت، تصوف اور اخلاقیات سے متعلق ہو یا طبیعیاتی ریاضی، منطق کی بات ہو۔ اٹھنز کے علما اور حکما کے سرگروہ سقراط، افلاطون اور جالینوس ہیں اور اسپارٹا کے ارسطو، گیلن اور ہائی پاکریٹ ہیں۔ اسپارٹا کے علما اور مصنفین کی مجلس کا مرکز تین سو اکتیس ق م کے بعد اسکندریہ منتقل ہو گیا لیکن اٹھنز اپنی جگہ پر تھا۔ ظاہر ہے کہ سقراط، افلاطون، جالینوس جیسے جلیل القدر عالم و دانشور اور ان کے تمام گروہ حکما اور مصنفین نے مل کر کس قدر کتابیں لکھی ہوں گی کس قدر کتابیں دنیا بھر کے علما کی مطالعے کے لیے اکٹھا کی ہوں گی جن سے کتنا بڑا کتب خانہ ایک نہیں متعدد وجود میں آئے ہوں گے۔ لیکن ان کتب خانوں کے متعلق کوئی تفصیل درکنار ان کی کسی کتاب کے کسی لفظ کا بھی علم ہم کو نہ ہو سکتا اگر عربوں نے مہر کی سرزمین سے ان کے کچھ نسخے نہ ڈھونڈ نکالے ہوتے۔ اس لیے کہ یونان کی سرزمین پر ایک ہولناک زلزلہ آیا اور اس کے بعد آتش فشاں کے لاوے نے کتب خانوں کی وہ

دینا اور سب کتابیں لگا ہوں سے چھپادیں۔ لہذا ان کتب خانوں کا تصور کیا جاسکتا ہے۔
لیکن ان کی حقیقی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی۔

قدیم رومن کتب خانے؛ عہد وسطیٰ کا آغاز

پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر میں تصنیفات، کتب نویسی اور کتاب سازی کے کاروبار نے چونکہ ایک نئے عہد میں قدم رکھا تھا اور اس کاروبار کا مرکز اسکندریہ سے روم منتقل ہو گیا تھا لہذا کتب خانوں کی روایات بدلنے لگیں۔ ایک طرف کتابوں کی تعدادی وسعت میں روم کے کتب خانے اسکندریہ پر سبقت لے گئے۔ دوسری طرف کتب خانوں کے مقصد اور غایت میں بھی بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ کتب خانے اب صرف ملوک و سلاطین کی جاگیر نہیں رہ گئے تھے جن پر ان کے منتخب ملازم علما اور حکما کے علاوہ سب پر دروازے بند رہا کرتے ہوں۔ یونان میں علما اور حکما کے انفرادی کتب خانے تھے جن سے ان کے شاگرد مستفید ہوتے تھے اور صرف فلسفہ، آئینس اور سیاست یا لغات گرامر اور علم کلام یا الہیات، تصوف اور اخلاق پر لکھی کتابیں ان کتب خانوں میں جگہ پاسکتی تھیں اگر شعر و ادب پر کتاب ہوتی تو ادب عالیہ سے کم درجے کی نہیں اگر فنون لطیفہ کا گزرتھا تو بہت اونچے درجے کے کلاسیکی جو عام ذہن کی رسائی سے باہر تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام کتب خانوں سے دور دور رہا کرتے تھے۔ لیکن رومن عہد میں کتب خانے میں عوام کے مذاق کی کافی گنجائش تھی اور اس کے دروازے پورے طور پر عوام کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ اس طرح کتب خانے کے مقصد میں وسعت پیدا ہو گئی تھی اب وہ مقام صرف ذہنی کاوش ہی کا نہیں تفسیر طبع کا بھی تھا۔

ارباب علم سے زیادہ سطحی استعداد کے لوگ کتب خانوں سے دل چسپی رکھنے لگے۔ اور کتابیں بھی بکثرت ان کی سطح کی پیدا ہونے لگیں۔ پہلی صدی عیسوی کے آخری برسوں میں روم میں پہلا عوامی کتب خانہ قائم ہوا جس کا بانی آسیونیو پولیو ہے۔ یہ اپنی امتیازی خصوصیات میں عہد وسطیٰ کا پہلا نمائندہ کتب خانہ ہے۔ اس کے بعد شاہنشاہ آگسٹس نے اسی طرز کے کئی کتب خانوں کا افتتاح کیا۔ دوسری

صدی عیسوی تک بیس تیس شاندار عوامی کتب خانے صرف عروس البلاد روم میں تھے اور بہت سے سلطنت روم کے دوسرے شہروں اتھنز وغیرہ میں تھے۔

زندہ جان کتابیں

اس سے پہلے کہ عہد وسطیٰ کے دوسرے کتب خانے بیان کیے جائیں ہم یونان اور روم کی کتابوں کی ایک نہایت دل چسپ قسم اور عجیب و غریب لائبریری کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتابیں بالکل انسانوں کی طرح چلتی پھرتی اور کھاتی پیتی بولتی تھیں۔ یونان و روم کے آخری دور میں کچھ امیر و کبیر علماء اس قسم کے بہت سے غلام رکھنے لگے جنہیں فرداً فرداً کچھ مشہور زمانہ بڑی بڑی اور ادبی کتابیں زبانی یاد کرا دی جاتی تھیں جب وہ امر کسی سے علمی گفتگو یا بحث کرتے تھے تو حوالے کے لیے اس سے متعلق کتاب کا نام با آواز بلند لیتے تھے اور ایک کمرے سے جہاں وہ علمی غلام ایسے مواقع پر طلبی کے منتظر رہتے تھے مطلوبہ کتاب کا حافظ برآمد ہوتا تھا جو کتاب کے مخصوص زیر بحث حصے کو نہایت روانی سے پڑھ کر سناتا تھا۔ اس طرح کی بولتی کتابیں یونان و روم کے ایک عہد میں اکثر پائی جاتی تھیں۔ ان زندہ کتابوں اور دیگر کتابوں میں یہ فرق ضرور تھا کہ ایک عمر طبیعی کو پہنچ کر وہ فوت ہو جاتی تھیں اور مرنے سے پہلے کسی اور کے سینے میں وہ کتاب محفوظ کرانا ان کے لیے ضروری تھا جب کہ دوسری کتابیں اگر احتیاط سے رکھی جائیں تو کبھی نہیں مریں گی۔

بازنطینی کتب خانے

روم کا ادب اور شان دار کتب خانے، وہاں کی ولوہ خیر تصنیفی مجلسیں اور کتابوں کی اشاعتی تجارتی سرگرمیاں رومن شاہنشاہیت کے ساتھ غروب ہو گئیں 330ء میں اس عظیم شاہنشاہیت کا دارالسلطنت بھی روم سے قسطنطنیہ مراجعت کر گیا۔ اس طرح قدیم یونانی ادب اور تہذیب کی اکھڑی سانسوں نے پھر ایک بار نوزائید باز نطینی سلطنت کے دامن میں سنبھال لے لیا اور آٹھ نو صدیوں تک زندگی کے بے پناہ گاہ ڈھونڈتی جس طرح قدیم مہری ادب نے یونانی تہذیب و

زبان کے زیر سایہ شاہ بطلمیوس کی حکومت اسکندریہ میں پناہ لی تھی۔ شاہنشاہ (کاسٹنٹائن) قسطنطین نے باز لٹینم (قسطنطینیہ) کو دارالسلطنت بنا کر مشرقی رومن سلطنت کے لیے جو جگہ تلاش کی تھی وہ جلد ہی یونانی قوم کا ایک بڑا تہذیبی مرکز بن گئی۔ صرف دو نسلوں پہلے عیسائیوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ بھونک دیا تھا۔ قسطنطین نے یونانی علماء کی مدد سے از سر نو ایک بڑے کتب خانے کی بنیاد رکھی جس میں عیسائی مذہبی کتابوں کے علاوہ دوسرے مذاہب اور تہذیب کی کتابیں تلاش کر کے اکٹھا کیں "جولین - دی - اپاسٹیٹ" کی نگرانی میں غیر مسیحی ادب کا ایک علاحدہ ذخیرہ قائم کیا گیا۔ 475ء میں قسطنطین کا یہ کتب خانہ بھی جلادیا گیا اور پھر سے قائم کیا گیا۔ اس کی قسمت کا آخری فیصلہ 1204ء کی صلیبی جنگوں کی تباہی و بربادی کے ہاتھوں ہوا جب عیسائی مجاہدوں نے قسطنطینیہ پر قبضہ کیا۔ 1453ء میں سلطان صلاح الدین کی قیادت میں ترکوں نے جب دوبارہ قسطنطینیہ کو فتح کیا تو جس قدر کتابیں تباہ ہونے سے بچ رہیں انھیں استنبول کے ترک کتب خانے میں منتقل کر دیا۔

باز لٹینم کے کتب خانے سے ایک ایک آدمی وابستہ تھی جس نے یونانی ادب کا مطالعہ اور نقلیں تیار کرنے کا کام شروع کیا اور وہ علمی سنجیدگی جو بابل، نینوا، فراعذہ مصر اور قدیم یونان کے کتب خانوں میں نظر آتی تھی اور رومن دور میں رخصت ہو گئی تھی پھر واپس آگئی۔ اس کتب خانے سے یونانی ادب و فلسفے کے گہرے مطالعے اور اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور اس تعلیمی سلسلے کی لہریں عہد نو کی سرحدوں سے نصف صدی تک ٹکراتی رہیں۔ ان درسگاہوں اور ان کے الحاق میں جو کتب خانے تھے ان میں سب سے مشہور و معروف خانقاہ تھیوڈور ہے جس نے کتب خانہ اور نقل نویسی سے متعلق کچھ قوانین وضع کیے تھے جن پر اس سلسلے کی تمام خانقاہیں عرصہ دراز تک کار بند رہیں۔ کرایجین کے پہاڑ ایتھیس میں اسی سلسلے کی تقریباً بیس خانقاہیں تھیں جن کے کتب خانوں کی خدمات کے عروج کا زمانہ دسویں اور پندرھویں صدی کے درمیان ہے۔ شاید اب بھی وہاں تقریباً گیارہ ہزار قلمی نسخے موجود ہیں جن میں کچھ فن موسیقی پر بھی ہیں۔ کوہ سینا کی خانقاہ سینٹ کیتھرین اپنے پیش بہا قلمی نسخوں کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ قلمی بائبل کا شہرہ آفاق نسخہ کوڈیکس

سینائے ٹیکس وہیں سے روس پہنچا اور اب برطانوی میوزیم میں ہے۔ باز نطینی خانقاہوں کے کتب خانے درحقیقت نہایت قیمتی محفوظ کتابی کابینے اس وقت ثابت ہوئیں جب پندرہویں صدی کے بعد علم چیا شروع ہوا اور نشاۃ ثانیہ کی بے تاب لہریں نیاں۔ نسخوں کی تلاش میں ہر طرف دوڑنے لگیں۔ ان کلیساؤں کا ناقابل فراموش تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ مملکتوں کے درمیان ہمہ گیر جنگیں، سیاسی مہمات اور زبردست جذبائی پھل پھل کے دوران کلاسیکی ادب اور علمی سرمائے کو انھوں نے اپنی پر عافیت چہار دیواری کی پناہ گاہ میں چرائے چھپائے رکھا اور یہاں سے طرح طرح کی کتابیں مختلف علوم و فنون کی دولت برآمد ہو کر عہد جدید کی لائبریریوں کو مالا مال کرتی رہی ہے۔ اس پورے عہد وسطیٰ میں مسلسل وحشیانہ حملے صرف غیر ملکوں کے بلکہ مسیحی فرقہ وارانہ جماعتوں کے بھی ہوتے رہے۔ اس کے باوجود انھوں نے خانقاہی کتب خانوں میں علم و ادب کے قدیم قیمتی خزانوں کی انتہائی حفاظت کی باز نطینی تحفظ تہذیب کی روایت کا سلسلہ یونانی کیتھولک گرجاؤں اور خانقاہوں نے بھی قائم رکھا، جو کیف، نووگوروف بلفان، اور روس میں تھیں۔ صحت کے ساتھ حرف بہ حرف کلاسیکی کتابوں کی نقل نویسی کا اصول جو ایتھیس نے بنایا تھا اس پر وہ بھی قائم رہے۔ شائقین علم میں جن کے نام آج تک زندہ ہیں ایک شخص فوٹیس بھی ہے۔ یہ نویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس نے اپنی ہزست کتب بیلوگرانی ”میرنوی بیون“ کے ذریعہ قدیم علم و ادب کے متعلق ہم کو ایک گہری سوجھ بوجھ دی ہے۔ اس بیلوگرانی میں اس نے اپنی جمع کی ہوئی دوسو سی کتابوں کا مواد و خلاصہ درج کیا ہے جو اس کے گہرے مطالعے پر دلالت کرتا ہے اور کافی روشنی ڈالتا ہے۔

عربوں کے کتب خانے

عربوں میں کتابیں لکھنے اور ان کو بچھا کرنے کا رجحان ساتویں صدی کے اواخر اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہو گیا تھا۔ اولاد مشرق اور کوفہ میں اسلامی ذہنیات کی کتابیں جمع ہونا شروع ہوئیں اور فتاویٰ اکٹھا کیے جانے لگے لیکن کتابوں کا صحیح ذوق و شوق اور اس کی پر زور تحریک مصر فتح ہونے کے بعد اس وقت ہوئی جب وہاں

یونانی اور قدیم مصری کتابیں عربوں کے ہاتھ لگیں۔ انھوں نے باحتیاط دمشق بھیجنا شروع کیں اور انھیں ان کے ترجمے کی فکر لاحق ہوئی۔ غیر زبانوں سے ترجمے کا ابتدائی کام آٹھویں صدی کے وسط میں ہونے لگا تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں ایک طرف اسلام کی دنیائی کتابیں اور دوسری طرف پارسی، ہندی، مصری اور یونانی علما کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ دمشق، قاہرہ، کوفہ اور بغداد میں جمع ہو گیا تھا کہ چاروں اقلیم کے حکمرانوں کو اعلاہ پیمانے پر کتب خانوں کے صیغے اور ان کے انصرام و انتظام کے لیے بہت بڑا عملہ مقرر کرنا پڑا۔ اور بڑے بڑے منصب دیے جانے لگے۔ جس کے لیے اعلاہ صلاحیت اور قابلیت کے لوگوں کی تلاش ہوئی۔ مہتمم کتب خانہ اور ماتحت عملے کے لیے مسلم و غیر مسلم کی قید ہٹا دینے کی وجہ سے عربوں کو بکثرت نصرانی یہودی علما اور مجوسی دہندی پنڈتوں کی خدمات حاصل ہوئیں۔ ان کتب خانوں کا سلسلہ عرب اسلامی مملکتوں میں بخارا سے بغداد، بصرہ اور کوفہ تک ایک طرف اور دمشق، یمن، قاہرہ، اندلس تک دوسرا سلسلہ پھیلا تھا۔ گیارھویں صدی میں ان میں سے ہر مرکز پر لاکھوں کی تعداد میں کتابیں نہایت انصرام و اہتمام کے ساتھ کتب خانوں میں جمع ہو گئی تھیں۔ کتابوں کا ذوق و شوق اور ان کی بڑھتی ہوئی مانگ نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی ہی میں نہ صرف خطاطی اور کتابت کو ایک اعلاہ اور مقبول عام ذی عزت پیشہ بنا دیا تھا بلکہ کتب خانوں سے ملحق اوراق کی جلاکاری اور جلد سازی ایک بہت بڑی صنعت کچھ امتیازی خصوصیات کے ساتھ عربی طرز کی وجود میں آئی اور کاغذ سازی کا شعبہ بھی صیغہ کتب خانہ سے متعلق تھا۔

مغربی مورخین کے ذریعہ ہسپانیہ کی سرزمین پر شہر قرطبہ (کارڈووا) کے عظیم الشان کتب خانہ المجدس، قاہرہ کے فاطمی اور یمن کے کتب خانے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ تاریخی حالات معلوم ہوئے۔ ہسپانیہ میں بڑے بڑے عرب مصنفین کے نام بھی انھوں نے ذکر کیے مثلاً علم ہنیت، جغرافیہ اور کیمسٹری میں یورپی مورخین ابن الرشید کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں جسے وہ 'اووی روز' لکھتے ہیں۔ یا ابوالقاسم ابن الزبیر کا ذکر کرتے ہیں، جسے 'ابو کیسیس' تحریر کرتے ہیں۔ نامور سرجن اور عالم نباتات ابن بیطار کا حوالہ دیتے ہیں اسی طرح بہت سے دوسرے عرب دانشور اور حکما کا تذکرہ ان کی کتابوں کی تواریخ میں جا بجا ملتا ہے۔ ایک فاضل مصنف سوڈان Svindahl

المجدس کے بارے میں لکھتا ہے "المجدس" کی لائبریری خاص طور پر قابل ذکر ہے جو اسپین کے شہر کارڈو (قرطبہ) میں تھی۔ سلطان الحکم ثانی نے دسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے ہر حصے سے کتابیں جمع کر کے اور تمام علوم پر منتخب کتابیں تلاش کر کے یہ کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اس کے محل میں بے شمار مترجم، مرتب، مولف، کاتب اور جلد ساز کتابوں کی تدوین و تخلیق میں مصروف رہتے تھے۔ ۱۰۳۱ء میں اسپین میں اسلامی سلطنت کے خاتمے پر عیسائیوں نے اس عظیم الشان کتب خانے کو جلا کر علم و ادب کی دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچایا جس نے اپنے عہد عروج میں خصوصیت سے یونانی ادب عالیہ (کلاسیکل لٹریچر) کو عربی میں منتقل کیا تھا۔ ان ادبی ترجموں کے علاوہ کثرت سے دوسرے علوم کے ترجمے بھی۔ ان میں سے زیادہ تر عربی سے لاطینی میں ہو کر ارسطو، ہائی پاکریٹ اور گیلن کے کارنامے عربوں کے توسط سے یورپی علماء تک قرون وسطیٰ میں پہنچے۔ آگے لکھتا ہے "المجدس کی تباہی کے بعد یہ ترجموں کا کام ٹوریڈو میں جاری کرنا بہت آسان ہو گیا۔"

عربوں کے کتب خانوں میں کتابوں کی تنظیم کار کے متعلق انگریز محقق بتاتا ہے کہ کتابوں کو بہت بڑے بڑے اونچی چھتوں کے ہال کمروں میں دیواروں سے لگی ہوئی الماریوں میں ایک مخصوص ترتیب سے لگایا جاتا تھا۔ ان کتابوں کی موضوع کے اعتبار سے جدا جدا فرسٹیں تیار کی جاتی تھیں جو ایک موٹے رجبڑ میں درج کی جاتی تھیں۔ ہر ایک کتاب کے نام کے ساتھ سلسلہ ابجد کا ایک علامتی حرف اور سلسلہ وار نمبر شمار بھی لکھا جاتا تھا۔ یہ علامتی حرف اور نمبر شمار کتاب پر بھی تحریر ہوتا تھا۔ الماریاں بالخصوص موضوعات اور حروف علامت ایک سلسلہ سے دیوار کے ساتھ تلے اوپر کئی لگی ہوتی تھیں۔ ہر الماری کے سامنے سے ایک چوبی غلام گردش چھجہ نما گذرتی تھی جس سے جا بجا فرش تک سیرتھیاں ہوتی تھیں اس طرح مطلوبہ کتاب کیلئے کسی الماری اور اس کے اس مخصوص خانے تک پہنچنا آسانی سے ممکن تھا اور کتاب کے جائے وقوع کو رجبڑ کی مدد سے تلاش کرنا دشوار نہ تھا۔ سوئڈ ہال لکھتا ہے کہ عربوں کا اس طرز کا کتب خانہ پندرہویں صدی کے اواخر اور سولہویں صدی کی ابتدا تک یورپ کے لیے سواہسپانیہ کے بالکل نئی چیز تھی۔ عہد وسطیٰ کی اس ہسپانوی عرب لائبریری کے طرز پر سب سے پہلے اسپین میں اواخر پندرہویں صدی میں اسکوریل لائبریری وجود میں آئی،

پھر اسی نمونے پر یورپ کے دوسرے ممالک کے شہروں ویانا، پیرس، لندن وغیرہ میں کتب خانوں کی عمارتیں اور ان میں کتابوں کو رکھنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

عہدِ وسطیٰ کے یورپی کتب خانے

یورپ میں عہدِ وسطیٰ میں اولاً پراٹوٹ کتب خانوں کی ابتدا ہوئی۔ ان کتب خانوں کی بنیاد یہودی علماء اور مسیحی راہبوں نے اپنی خانقاہوں میں رکھی۔ مسیحی خانقاہوں کی پہلی کڑی سرزمین مصر اور وادی نیل میں ملتی ہے۔ وہیں سے مسیحی خانقاہوں کا سلسلہ شروع ہو کر مغربی ایشیا، شام، فلسطین، لبنان وغیرہ اور جنوبی یورپ میں یونان، روم، ہسپانیہ ہوتا ہوا آئر لینڈ اور پھر پورے یورپ میں پھیل گیا۔ یہ خانقاہی نظام جو دوسری صدی عیسوی کے ربع اول سے شروع ہوا اور چودھویں پندرھویں صدی میں زوال پذیر ہو کر سوٹھویں صدی کے آغاز میں ختم ہو گیا، اس کی سب سے بڑی خصوصیت کتب خانوں کی اعلا اور مستحکم تنظیم تھی۔

قرونِ وسطیٰ میں کتابیں جمع کرنے کے شائق

قرونِ وسطیٰ کے ابتدائی دور میں پانچویں صدی عیسوی تک کانسٹنٹائن، جولین ڈی اپاسٹیس، پادری اور بیجین، اور ان کے شاگرد پامفیلس، یا اور آخر پانچویں صدی اور ابتدائی چھٹی صدی میں کیسیوڈورس اور اس کے بعد ایسیڈورس، پولینارس، ٹونٹیس، قیرولیس کا تذکرہ یونانی کلاسیکی ادب کی کتابوں کے ذوق و شوق اور انہیں اکٹھا کرنے کے سلسلے میں تفصیل سے دوسرے حصے میں آچکا ہے۔ اس کے بعد آسٹوڈور، تھیوڈور، فوٹیس کا ذکر بھی چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے نویں صدی تک کتابیں جمع کرنے کی سرگرمی میں آچکا ہے۔ خصوصاً چھٹی صدی میں بند کٹ کی علوم و ادب کو جمع کرنے کی ایک تحریک، پادری کو لمبس اور گلیس آئرستانی راہبوں کے حلقہ اثر میں فرانس، اطالیہ اور سوئٹزر لینڈ نیز انگلستان و جرمنی میں کتابوں کے ذخیرہ کرنے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، ان کی اس عہد

کی ناقابل فراموش تاریخی ہستیاں 'بوکیشیو' اور انگریز ہنر پر چمڑے ڈی۔ ڈی۔ بری کی بھی ہیں۔ ان جمع کی ہوئی کتابوں میں بہ کثرت عیسائیوں کا مذہبی مواد اور بڑی تعداد میں یونانی و لاطینی کلاسیکی کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔

کتابوں کے شاہی ذخیرے

یورپ میں تیرھویں صدی سے پندرھویں صدی تک تمام بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے یا تو خانقاہوں کی لائبریریوں سے متعلق تھے یا بادشاہوں اور نوابوں کی ملکیت تھے۔ اُس زمانے میں ان ذخیروں کو بیلوفائیٹل کہتے تھے جو بعد میں بھی مجسمہ کتب کے لیے مستعمل ہوتا رہا۔ اُس زمانے میں مشہور ذخیرہ کتب 'اٹوٹسویم' اور 'فریڈرک دویم' شاہ بولیمیا و نیسیلاس سب کے بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ان بادشاہوں کو پورے عہد وسطی میں کتابوں کی اوپری شان و شوکت، ان کی آرٹس اور جلاکاری کا انتہائی شوق دامن گیر تھا۔ ایسی کتابوں سے بھی برگنڈی کے نوابوں کو عشق تھا بلکہ فرانس کے کسی بادشاہ تو ان سے بھی کہیں آگے تھے۔ چارلس۔ ڈی بالڈ، لوئیس نہم (سینٹ لوئس) اور فرانس کے شاہی کتب خانے کی بنیاد، اس شوق کی ابتدا و انتہا تو اصل میں دانشور چارلس پنجم ہی سے ہے۔ اب اس کتاب خانے کو بیلو تھیک نیشنل کہا جاتا ہے۔ 1373ء کے گٹیلگ کے مطابق اس میں ایک ہزار کتابیں تھیں۔ یہ سب قصر لاورے میں آراستہ تھیں۔ اس سے کم شاندار کتب خانہ اس کے بھائی جان آف بیری کا نہ تھا۔ اب مصوری اور مرقع نگاری کا فن خانقاہوں کی حدود میں قید نہیں تھا۔ بادشاہوں کے ذوق و شوق کی تسکین کے لیے جلاکاروں کا ایک طبقہ وجود میں آچکا تھا۔ مصوری اور مرقع نگاری کے بھی بڑے باکمال فن کار پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی ہنرمندی کے کچھ نمونے بہ مشکل کسی کے ہاتھ لگ پاتے تھے۔ ورنہ بیشتر حصہ بادشاہوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا۔ قلمی نسخوں کی بڑی تعداد تزیین و آرٹس کے بعد بادشاہوں کے کتب خانوں کے لیے وقف ہو جاتی تھی۔ یہ سب عموماً دعا اور عبادت کی کتابیں ہوتی تھیں۔ ان میں سے کچھ مسیح کی زندگی کے ساتھ ساتھ قدرتی مناظر یا جنگ اور شکار کے مناظر، نہواروں کے جشن، شہری اور دیہاتی زندگی کے کچھ ایسے کچھ حادثات

کی تصویروں پر بھی مشتمل ہوتی تھیں۔ جن کا کتاب کے موضوع سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔
 'جین پوسل' جیسے فن کاروں کی جودتِ فن ابھر کر اپنا کسی نہ کسی طرح وجود پیش کرنا چاہتی
 تھیں جس کا اظہار دعا اور عبادت کی کتابوں میں اگرچہ کوئی موقع نہ تھا مگر وہ بے چارے
 کیا کرتے۔ بادشاہوں کے یہاں وظائف اور چند عاؤں کے سوا اس وقت کوئی مواد
 درکار نہ تھا۔ چنانچہ ان میں موقع بے موقع انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں، پھول
 پتیاں اور پودوں کی پنچرل تصویریں، خوبصورت پینٹنگ کارنگ دکھائی ہوئی خداوند
 کی عبادت میں خلل انداز ہوتی رہتی تھیں۔ فرینچ فیلمس، عہد کے بعد عصری کتابوں کا
 ایک سلسلہ شروع ہوا۔ پندرہویں صدی کے نصف میں 'جین فادسکٹ آف
 ٹورس' نے فن میں ایک نئی روح پھونکی۔ اس کے فن کی رہن منت عصری کتابوں میں
 سے ایک سب سے خوبصورت کتاب مانی جاتی ہے جو 'اٹنٹے شو بیئر' ایک مشہور
 سربراوردہ کتب ساز نے اسی زمانے میں تیار کرائی تھی۔

کتب خانوں کے عمارتی ڈھانچے

سولہویں صدی کے اختتام تک ڈیسک پر کتابیں رکھنے کا دستور عہدِ وسطیٰ
 کی تقلید میں جاری رہا۔ اس کے بعد بندریج برٹے برٹے کمرے اور ہال تعمیر ہونے
 لگے۔ جن میں دیواروں سے لگے تختے یا الماری نما خانے چھت تک کتابوں سے سجے ہوئے
 نظر آنے لگے۔ ان تختوں کے آگے چھجے نما چوبی غلام گردش کتابوں تک رسائی کے
 لیے ضروری تھی۔ یہ کتب خانوں کی قرینہ وسط سولہویں صدی میں اندلس کے عرب
 کتب خانوں کو دیکھ کر میڈرڈ کی شاندار اسکوریل لائبریری سے سیکھا گیا تھا۔
 بلا کسی رد و بدل کے کتب خانوں کا یہ اسٹائل نہایت تیزی کے ساتھ پورے یورپ
 میں مقبول ہو گیا۔ اور انیسویں صدی تک ہر لائبریری کا یہی ڈھانچہ قائم رہا۔ اگرچہ
 اوپر سے گنبد، محرابیں اور ستون، یا اندرونی چھت یا کمرہ کی وضع ان کی آرائش و
 زیبائش میں معمار و فرآش اپنا اپنا فن بقدر صلاحیت دکھاتے تھے۔ ان عمارتوں
 کی شان و شوکت میں کتابوں کا وجود کچھ دبا دبا گھٹا گھٹا سا نظر آتا تھا۔
 لیکن انیسویں صدی کے جدید علامتی باروک دور میں یہ نقطہ نظر پیدا ہوا

کہ کتب خانوں کی تعمیر عجائب گھر یا میوزیم کے انداز پر ہونا چاہیے۔ لہذا اُس وقت سے کرہ ارض کا گلوب، نظام شمسی کے بڑے بڑے نقشے کتب خانے کے وسطی ایوان میں جگہ پا گئے۔ یہیں تک نہیں بلکہ بقول ایک مصنف انیسویں صدی میں فرانس کے وزیر پیر لسیگوئر نے اپنے محل کے کتب خانے میں بیس ہزار کتابیں جمع کی تھیں، لیکن کتابوں سے زیادہ مٹھینی کی 'مخروف سازی کا فن اپنی نمائش کرتا نظر آتا تھا۔ اسی طرح مختلف مصوروں کا فن، بت گرمی کے حیرت انگیز نمونے اور طرح طرح کے نوادرات کتب خانوں میں بہ کثرت اکٹھا کیے جانے لگے۔ اٹھارہویں صدی میں ویانا کے درباری کتب خانے کا گنبد سماں عظیم الشان تھا۔ سترہویں صدی میں کتابوں کی جلدوں کی آرٹسٹری میں بھی بڑا انتظام و اہتمام کیا جاتا تھا۔ جس کا ذکر جلدوں کی مرصع کاری اور دیگر آرٹسٹری کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ یہ قیمتی جلدیں بھی کتب خانوں کی شان و شوکت کا ایک جزو خاص تھیں۔ اُس سے نصف صدی قبل سادگی پسند جلدوں کا رواج ہو چکا تھا۔ سترہویں صدی کے نصف سے نواب، امرا اور بڑے بڑے جامع کتب کو قومی احساسِ عظمت کے تحت قومی کتب خانوں کا خیال پیدا ہوا اور انھیں کی حد تک نہ رہ گیا۔ بلکہ متوسط طبقے کے عوام میں ایک جذبہ تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ چنانچہ یورپ میں جا بجا قومی کتب خانے اور اٹھارہویں صدی اور پوری انیسویں صدی میں قائم ہوتے رہے۔

یورپ میں قومی کتب خانوں کی ابتدا

یہ قومی کتب خانے کثیر تعداد میں مصنفوں سے کتابیں لکھنے کا اور مطابع و اشاعت گھروں سے چھاپنے اور شائع کرنے کا مسلسل تقاضا کر رہے تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں سپرس پاڈوا، بلوینا اور بعد میں آکسفورڈ، کیمبرج، لیڈن وغیرہ یورپ کی یونیورسٹیوں سے متعلق کئی کتب خانے قائم ہو چکے تھے۔ 1753ء میں انگلستان کے دارالعلوم نے قومی کتب خانہ قائم کرنے کے لیے کثیر تعداد میں کتابیں خریدنے کی منظوری دی اور موجودہ برٹش میوزیم کی بنیاد پڑی۔ 1788ء میں فرانس کے قصر شاہی 'لاورے' کے عظیم الشان شاہی کتب خانے سے انقلابی حکومت نے بلوٹیک میٹینیل

کی طرح ڈالی۔ قومی کتب خانوں کا خیال اس سے بہت پہلے سترھویں صدی کے نصف میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ 1659ء کی جنگ کے زمانے میں 'الکٹر پالائین'، فریڈرک ولیم نے دائی برگ کے فوجی کیمپ میں ایک دستاویز پر دستخط کیے، جس کی مدد سے محل کے کتب خانے کو عوام کے استعمال کے لیے عام کر دیا۔ سترھویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ڈیوک آگسٹ برانشوئزگ، لیو برگ جرمنی میں قومی نقطہ نظر سے یورپ کی سب سے بڑی لائبریری کے قیام کے لیے کتابیں فراہم کرنا شروع کر دی تھیں۔

انگلستان میں کتابیں جمع کرنے کے شائق

اُسی زمانے میں کتابیں جمع کرنے کا ذوق و شوق یورپ کے اور ملکوں میں بھی بہت تھا۔ اگرچہ کتابوں کے حسن و آرائش میں ان کا مذاق اس قدر تعیشانہ حد تک نہ پہنچا ہو۔ جیسے کہ انگلستان میں صرف دو تین بادشاہ بالخصوص ملکہ ایلزبتھ وہاں کے مذاق کتب کی مرصع جلدوں کے شوق میں تجاوز کر گئی تھیں۔ ورنہ عام طور پر انگریزوں کو کتاب کا شوق علم و فن کی قدر و منزلت ہی تک بہت رہا۔ لیکن جارج اول کے مصاحبین و درباریوں پر فرانسیسی کتابیں جمع کرنے کے فیشن کا خاص اثر تھا۔ انگلستان کے نوابین اور دوسرے انفرادی شائقین کتب سے وہاں کی پبلک لائبریریاں تاریخی طور پر اثر پذیر رہیں۔

برطانیہ کی قومی لائبریری 1753ء میں وجود میں آئی۔ جب کہ برطانوی پارلیمنٹ نے 'ہنس سلون' کے نژ کے بیس چھوڑی ہوئی کتابیں خریدنے کا فیصلہ کیا۔ 'بروز کاٹن' اور ایڈورڈ ہارے کے قلمی نسخوں کی خریداری بھی اس فیصلے میں شامل تھی۔ پارلیمنٹ کے اس فیصلے نے دنیا کے مشہور ترین برٹش میوزیم کی بنیاد رکھی۔ چند سال بعد جارج دویم نے قصر شاہی کا میوزیم اور کتب خانہ برٹش میوزیم کو نذر کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی منظوری دے دی کہ چھاپے خانوں سے وصول کی ہوئی تمام مطبوعات کی کاپیاں بھی اسی میوزیم میں جمع کی جائیں۔ ہارے کے مجموعہ کتب میں سات ہزار چھ سو قلمی نسخے، چالیس ہزار خطوط اور دستاویزات، پچاس ہزار مطبوعہ کتابیں چار لاکھ پمفلٹ کتابچوں کے علاوہ تھیں۔ اس میں ولیم کاکسٹن کے

زمانے کی انکیونابلا بھی کافی تعداد میں شامل تھے۔ جان میور کی کتابیں 1715ء میں جارج اول نے خرید کر کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری کو دی تھی۔ جنہوں نے ابتدائی سیاہ گہرے حروف کی انگریزی کتابوں کی طرف قوم کو توجہ دلائی اور اٹھارہویں صدی کے آخر تک انکیونابلا جمع کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس میدان میں موجودہ زمانے کا انگلستان صفِ اول میں اپنا مقام حاصل کر چکا ہے۔

جرمنی کی کتابیں اکٹھا کرنے والے

اگرچہ شمالی نمونہ فرانس کے جامع کتب خانے مگر انگلستان و جرمنی ان کی لیکر کے فقیر نہ تھے۔ یہ درست ہے کہ والیٹر کا دوست فریڈرک اعظم، فرانسیسی ادب و فلسفہ کا پرستار تھا لیکن وہ خود بھی نہ صرف اپنے طرزِ خاص کا ایک پرجوش مطالعہ نگار بلکہ ایک اعلامصنف کی شخصیت رکھتا تھا۔ پچیس جلدوں پر مشتمل اس کا شان دار تصنیفی کارنامہ ہے 1789-1787ء میں شائع ہوا۔ یہ اٹھارہویں صدی کی اعلا طباعت کا نمونہ ہے۔ فریڈرک اعظم کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ جیسی چھوٹے سائز کی کتابوں کو پسند کرتا تھا۔ بڑے سائز کی کو اور نو اور نو لیونظر انداز کر دیتا تھا۔ مراکشی طرز کی جلدوں میں وہ پورے طور پر فرانسیسیوں کا ہم مذاق تھا۔ شمالی جرمنی پر توجہ کے خلاف فرانسیسی ادب کا گہرا اثر تھا اور اس کا وسیلہ کسی حد تک انگریز تھے کیونکہ انگلستان کے قارئین کتب شمالی جرمنی سے جن کتابوں کی فرمائش کرتے تھے وہ بیشتر فرانس کے اعلا ادبی ذوق کی حامل تھیں۔ یہ اثرات سیکسینی پر بھی محسوس کیے جاتے ہیں جن کا فرانسیسی طرز سے رشتہ الیکٹرک آگسٹ کے عہد سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اٹھارہویں صدی میں ڈریسڈن بہت سے ذاتی کتب خانوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اور کتابیں جمع کرنے کا فیشن وہاں بھی عام تھا۔ کاؤنٹ ہنرچ ہاسٹ نے باسٹھ ہزار کتابیں جمع کیں جو بعد میں سیکسینی دربار کی لائبریری میں آگئیں۔ گائٹنگن یونیورسٹی کی لائبریری شروع ہی سے ایک شمالی کتب خانہ ہے جو ہمیشہ شائقین علوم کے لیے کشادہ دامن رہا۔ کرسٹائن گائٹنگن کے زیر ہدایت جدید انداز فکر کا وہ ایک تحقیقاتی دارالمطالعہ یورپ میں سب سے اولین سمجھا

جاتا ہے۔ 1769ء میں اس کتب خانے کو جوہان فریڈرچ وان اوفن میچ کا قیمتی ذخیرہ ب
 حاصل ہوا جو اس ذخیرہ میں ایک کثیر اصناف کا باعث ہوا۔ موصوف نے اپنے بھائی چارلس
 کونارڈ کے ساتھ خریداری کتب کے سلسلے میں دور دراز سفر کیے اور کونارڈ کو تو کتابوں
 کا عاشق صادق کہنا چاہیے۔ ہالینڈ سے اسفوں نے انگریزی، جرمن اور اسکینڈینیویا
 تصانیف کا بڑا قیمتی سرمایہ اکٹھا کیا۔ جرمنی میں سب سے زیادہ مطالعے کا ذوق عوام
 میں پیدا ہوتا گیا۔ گائٹنگن کو جرمنی کی ضیائے دانش کا سرچشمہ اس لیے بھی کہنا چاہیے کہ سائنسی
 تحقیقات کی پہلی اکاڈمی یورپ میں اسپین کے بعد یہیں قائم ہوئی تھی جو دنیا کے تمام
 ممالک میں موجودہ سائنسی تحقیقات کی تحریک کا پس منظر ہے۔

فرانس کے جامع کتب

فرانس میں کتابیں جمع کرنے کا شوق کچھ لوگوں کو تو قدیم رومن شہنشاہوں
 تک جاتا ہے میردین نے طالبان علم کے لیے چھ گھنٹے یومیہ اپنا کتب خانہ کھلا رکھنے کا حکم دیا تھا۔
 دوسرا کتب خانہ میردین نے 1691ء میں عوام ہی کے لیے کھولا تھا۔ آج کل یہ ایک
 اہم ترین کتب خانہ ہے۔ سینٹ وکٹر لائبریری آگسٹائن کے طرز کی وسط سترھویں صدی
 عیسوی میں اس نے پبلک ہی کے لیے قائم کی تھی جو کچھ مقررہ گھنٹوں کے لیے روزانہ کھلتی
 تھی۔

شاہ فرانسس اول پہلا شخص ہے جس نے اپنے ملک کے چھاپے خانوں سے
 ہر مطبوعہ کتاب کا ایک نسخہ لازمی طور پر شاہی کتب خانے میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ اس
 کی کتابوں میں کچھ سیاہ چرمی جلدوں پر گرویلیر انداز کی آرائش ہمیشہ نظر آتی ہے۔
 گروپوش کے مرکزی حصے پر فرانسیسی شیلڈ اور بادشاہ کی مہر شعلوں میں سمندر
 (آگ کا کیڑا) اس کی کتابوں پر نقش ہوتے تھے۔ اس کا زمانہ وسط سوٹھویں صدی
 سے ایک دہائی قبل سے ہے۔ دوسرا نشان کنول تیرا خوش نما قطاریں، اس کے نام کے
 پہلے حروف (F) کی تکرار کے ساتھ یہ فرانسیسی کتب پر سب سے زیادہ
 مقبول نشان ہے کیونکہ فرانس کا شاہی نشان بھی کنول ہے۔

فرانس کا مذاق کتب: فرانس کا شوق کتب قلمی کتابوں ہی سے زمانے

سے عروج پر رہا۔ اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ سوٹھویں صدی کی ابتدائی دہائی میں جب مطبوعہ کتابیں تیزی سے ترقی کے راستے پر بڑھ رہی تھیں اس وقت گرو لیٹر کے مذاقِ حسن میں ڈھل کر الڈائن کتابوں نے فرانسیسی شوق کو برطی تعداد میں پورا کیا۔ اس زمانے میں ستھامس ماہیو، دمیٹر لوکینوری، کادمیل، انسپڈرو فرینس شائقینِ کتب کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اور وہاں کے امر کی طرح تھا۔ یہ بھی زیادہ سے زیادہ کتابیں جمع کر کے اپنی شانِ ریاست سے مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ بعض باتوں میں ان سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کی بھڑکدار کتابوں نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جہاں جھاڑ فالوس یا پلائی نقرئی ظروف کی منزل کا تصور ہوتا ہے۔ اس شوق میں شان و شوکت کے مقابلے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے پاس سب سے زیادہ قیمتی جلدوں کی کتابیں ہوں۔ وہ سب سے بڑا رئیس خیال کیا جاتا تھا۔ یہ رجحان لوئیس چہاردہم پانژدہم اور شانژدہم کے عہد حکومت میں خاص طور سے ترقی کر گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ رومن شہنشاہیت کے عہد میں بہت سے کتابوں کے صاحبِ ذوق اور ادبِ عالیہ کے دیدہ ور بھی تھے، فرانس میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ادب کے سچے پرستار کم نہیں تھے۔ مثلاً نکولاس فلاڈے۔ ڈی پیرس جس کا خاص مذاق کوٹیک عہد کے قلمی نسخے تھے۔ یا وہ مطبوعات جن پر سابق فاضل قارئین کے حواشی لکھے ہوئے ہوں۔ سچا ذوق کتبِ رشلیو۔ میز رین اور کولبرٹ میں بھی تھا۔ لاورے میں شاہی پریس کا قیام رشلیو کی علم و ادب میں انتہائی دل چسپی کا ثبوت ہے۔ اس طباعت کے ادارے کا فرانس کی ٹائیپوگرافی پر بڑا اثر تھا۔ کولبرٹ نے لوئیس چہارم کے کتب خانے میں چالیس ہزار کتابیں اور دس ہزار قلمی نسخے جمع کیے تھے۔ میز رین کا کتابوں میں ذوق شوق ابتدائے جوانی سے تھا۔ اس کے ہتتم کتب خانہ گبریل ناڈے نے پورے یورپ کے کتب فروشوں کا پتہ لگا کر پینتالیس ہزار کتابیں جمع کی تھیں اور 1627ء میں اس نے ایک کتاب شائع کی جو سب سے پہلی کتب خانے کی تنظیمی امور کی رہبر کتاب مانی۔ یہ مذاق آگے چل کر روکو کو طرزِ فن کے دور میں خوب سرسبز ہوا۔ اعلیٰ طبقوں میں کتابیں جمع کرنا ایک فیشن تو پہلے بھی تھا لیکن لوئیس پانژدہم اور شانژدہم کے عہد میں کتاب سے شہدائیت کا ثبوت دیا۔ دولت مند فرانسیسیوں نے پچھلی

صدی کے یادگاری فن اور مصوٰر ان فطرت کے تاریخی کارنامے کے لیے اپنی کتب اندوزی اور قدردانی کا دل کھول کر ثبوت دیا۔ کلاسیکی ادب کا ایک سلسلے وار مجموعہ جو چونسٹھ جلدوں پر مشتمل تھا۔ خاص طور پر ڈھونڈا جانے لگا۔ جس میں ڈاؤ فن کے کچھ قابل اعتراض حصے کو لوئیس چہار دہم نے حذف کر دیا تھا۔ تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا ذخیرہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں 'ڈیوک لوئیس لاوی۔ لا۔ وہلیئر' کا ہے جو 1738ء سے جمع ہونا شروع ہوا تھا اور 1784ء میں ڈیوک کے انتقال پر جب فروخت ہونے لگا تو یورپ کے ہر گوشے سے کتابوں کے شیدائی آکر پیرس میں جمع ہو گئے۔ ایک سو اکیاسی دن تک نیلام جاری رہا۔ مجموعی قیمت چار لاکھ پینسٹھ ہزار فرانک حاصل ہوئی۔ اس کی کتابوں کا ایک حصہ علاحدہ 'مارکوئیس آف پالمی' نے خریدا جو بعد میں چارلس دہم کے ہاتھ فروخت ہوا۔ یہ کتابیں آخر میں پیرس کے جمہوری کتب خانہ آرسنیل کا جز ہو گئیں۔ لاولیئر کی کتابیں فرانس کے شاہی کتب خانہ ڈیورونے نے بھی خریدی تھیں اور یہ دنیا میں تانبے کی نقشیں پلیٹوں کی کتابیں اور سکوں کی وجہ سے سب سے قیمتی ذخیرہ مانا گیا ہے کیونکہ پیرس کی یہ لائبریری سب سے بڑی تھی۔ اس لیے پورے یورپ کے عالم و فاضل تحقیقاتی کاموں میں اس سے رجوع کرتے رہے۔

امریکہ کے قومی کتب خانے

انیسویں صدی کے وسط میں امریکہ میں پبلک کتب خانوں کے لیے قدم اٹھایا گیا۔ جب کہ حکومتی یونیٹوں کے عوام پر کتب خانوں کے قیام کی عزت سے ایک لازمی ٹیکس لگانے کا استحقاق حاصل ہوا۔ اس کی ابتدا ابوسٹن سے ہوئی۔ امریکہ میں آزاد عوامی کتب خانے انگلستان سے زیادہ اہم اور موثر ثابت ہوئے کیونکہ ان میں عوام کا محرک جذبہ اور خواہش شروع ہی سے شامل تھی۔ 'اینڈویو کارنگی' جو کہ اس عوامی تحریک میں شروع سے پیش پیش تھا۔ ان کتب خانوں کا سرپرست بنایا گیا۔ اس نے دو ہزار کتب خانے قائم کرنے کے لیے فنڈ اکٹھا کر لیا۔ کتب خانوں کی ہمت افزائی کے سلسلے میں ایک سو ساٹھ

کی تنظیم شروع ہی سے وجود میں آگئی تھی۔ جس کے لیے کتب خانوں کے دوست کی اصطلاح بھی زبان زد تھی۔ یہ ان کے واسطے مالی امداد فراہم کرتی تھی۔ وہاں بڑے بڑے جامع کتب میں سے ایک جون پیئر پانٹ مارگن ہوئے ہیں جن کا تقابل 'ملازینس کے میڈیسی' سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے انتقال پر 1913ء میں ان کے مجموعہ کتب کی قیمت دس ملین ڈالر کا اندازہ لگایا ہے۔ بیس ہزار تو مطبوعہ کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار تیس سو قلمی نسخے اور زیادہ تر مجلات خطاطی کے اعلیٰ نمونے تھے۔ مارگن نے قدیم قبلی عہد کے قلمی نسخے کچھ عربوں سے حاصل کیے تھے۔ یہ قیمتی سرمایہ 1910ء میں خانقاہ 'فیضیوم' کے منہدم آثار سے برآمد ہوا تھا۔ وہ مارگن کی لائبریری اب نیویارک کی ایک شاندار سنگ مرمر کی عمارت میں امریکہ کا عوامی کتب خانہ ہے۔ اس سے بھی بڑا ذخیرہ کتب 'ہنری۔ ای۔ ہنٹنگٹن' کا ہے جس کی بہت بڑی عمارت اس کی ریاست مارنیو میں متصل لاس اینجلس ہے اور اب وہ ریاست کیلینجورنیا کی سرکاری ملکیت ہے۔ ہنٹنگٹن کی کتابی معلومات بہت اچھی تھی۔ اس نے اکثر پورے پورے کتب خانے خریدے۔ جن میں سے قابل قدر کتابیں انتخاب کر کے جمع کرتا تھا۔ اس کی بے تحاشہ خریداریوں نے کیا کتابوں کی قیمت بہت اونچی چڑھادی تھی۔ اچھی کتابوں کے سامنے وہ ڈالر کی کوئی حیثیت نہیں گردانتا تھا۔ بیس ساں پہلے اس کے مجموعے میں ڈھائی لاکھ کتابیں تھیں جن میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس ذخیرہ میں پانچ ہزار انکیولا بلا بھی ہیں۔ مزید برآں ہزاروں نقشے اور مصنفوں کے خطوط کی اصل کاپیاں ہیں۔ اس نے 12 — 1911ء میں مشہور بینکر 'ہنری ہیٹھ' کا کتب خانہ خریدنے کے لیے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ ہنٹنگٹن نے مشہور و معروف بیلو فائیل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ مارگن کی طرح وہ بھی تاریخی نسخوں میں گہری دل چسپی رکھتا تھا۔

امریکہ کے جامع کتب

امریکہ کے جامع کتب میں اور بھی بہت سے نام آتے ہیں۔ مثلاً 'جوان مرگ ہیری الکنس'۔ 'وڈیز' اس کے ذخیرہ کتب میں اور ادبی مواد کے علاوہ وکنس اور سٹوٹیس پر بہت قیمتی مکمل مواد ہے۔ اس کا کتب خانہ اب ہاورڈیونیورسٹی کے

پاس ہے۔ یہ کتب خانہ 1840ء میں نیویارک میں قائم ہوا تھا۔ پروفیسر ڈی۔ ڈیلور فسکی کے مجموعہ کتب میں ڈانٹے اور پٹرارچ کے علاوہ آئسن لینڈ پر مکمل مواد ہے۔ یہ مجموعہ اب کارنل یونیورسٹی کے کتب خانے کا ایک حصہ ہے۔ ہنری کلمے فونلگر کا کتب خانہ جس میں شیکسپیر پر خصوصیت کے ساتھ پورا مواد اکٹھا کیا گیا تھا، یہ امرسٹ کالج کے پاس ہے۔ قدیم جامع کتب میں جیمس لی ناکس، کاشان دار کتب خانہ اب نیویارک لائبریری کا ایک حصہ ہے اور جان کارٹر براؤن بھی قدیم کتب کا جامع ہے جس میں خاص طور پر دہوڈے آئیلینڈ پر اہم مواد اکٹھا کیا۔ یہ کتب خانہ براؤن یونیورسٹی کے اثاثہ کتب میں شامل ہے۔ ایڈورڈ۔ ای۔ آئر کے ذخیرہ کتب میں میکسیکو پر بہت لٹریچر ہے۔ اب یہ نیو بری لائبریری کی ملکیت ہے۔

روسی لائبریریاں

دنیا کے دوسرے عظیم ملکوں میں جیسی بڑی بڑی لائبریریاں ہیں، روس کے بڑے شہروں ماسکو، لینن گراڈ، کیف اور ازبکستان کے قدیم شہر تاشقند وغیرہ میں ویسی ہی شان دار لائبریریاں تو ہونا ہی چاہیے تھیں۔ جن سے ہمہ وقت ملکی اور غیر ملکی طالب علموں، محققوں اور عوامی قارئین کو ہر مطلوبہ موضوع پر نہ صرف کتابیں مہیا ہوتی ہیں بلکہ ٹیلیفون کے ذریعے علمی، ادبی اور فنی دریافت طلب ضروری حوالے (References) متعلق کتابوں سے تراش کر کے بہم پہنچانے، کتابوں اور مصنفوں کے بارے میں یا موضوعات سے متعلق ضروری اطلاعات فراہم کرنے کے لیے انتہائی مستعد کاران نظامات ہیں۔ لیکن ان سے بالاتر روس کی سفیری لائبریریوں کو دنیا میں ایک خصوصیت اور فوقیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان مخصوص قسم کی سفیری لائبریریوں کو دیکھ کر کچھ ملکوں نے روس کے نقش قدم پر ابتدائی کوششیں کی ہیں۔ لیکن جہاں تک معلومات حاصل ہو چکی ہیں، ابھی اتنے اعلا پیمانے پر سفیری لائبریریوں کا انتظام کہیں نہیں ہے۔ روس میں لائبریریاں ریلوے لائنوں پر دوڑ کر روڈ ویز پر ہاگ کر، روسی سمندروں اور دریاؤں میں تیر کر یا روسی فضا میں اڑ کر ان تمام مقامات پر روس کے عریض وسیع ملک کے گوشے گوشے میں نوبہ نو کتابیں پہنچاتی ہیں۔ جہاں روسی عوام کا رخاؤں، جہازوں، کانوں اور فارمول

یا صحراؤں، برف تالوں، دلہلوں اور ریگستانوں میں کام کر رہے ہیں۔ اشتراکی محنت کش اپنے کاموں کے دوران آرام کے وقفے میں جس طرح اشتہائے شکم محسوس کرتے ہیں ویسے ہی ذہن کی لطیف غذائی بھوک بھی بڑی شدت سے انہیں لاحق ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ سفری لائبریریاں اشتراکی معاشرے کا نہایت اہم فریضہ ادا کرتی ہیں۔ روسی عوام جہاں بھی کام کر رہے ہوں ایک طرف انہیں بہترین غذا، جسمانی طاقت اور نشوونما کے لیے پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہے اور دوسری طرف اعلیٰ ترین ادب ان کی دماغی نشوونما اور صحتِ افکار کے لیے فراہم کرنے کی پورے طور پر ذمہ دار اور جواب دہ اشتراکی حکومت ہے۔ اس کے لیے وہاں کوئی پرائیویٹ پرنٹریا پبلشروں کا ادارہ نہیں ہے۔ یہ کام عوامی مصنفین اور مطالعہ نگاروں کی انجمنیں بہ حسن و خوبی انجام دیتی ہیں جس کے لیے مالی امداد اور ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانا ملکی تحفظ وغیرہ کے مساوی حکومت کے اہم ترین فریضے سمجھے جاتے ہیں۔

عوامی تنظیموں کا سب سے زیادہ قابلِ قدر عوامی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام غیر اشتراکی (سرمایہ دار) ملکوں کے مقابلے میں روسی عوام کے مطالعہ کا ذوق کہیں زیادہ بلند کر دیا۔ وہاں گھٹیا ادب، جرائم اور جنسی مواد پر تخلیق کیے ہوئے ادب کا کوئی خواستگار نہیں ہے۔ عوام میں سائنسی اور فنی تصانیف کے ہم پلہ کلاسیکی ادب اور آرٹ کے ذوق و شوق کی وجہ سے دو شان دار نتیجے برآمد ہوئے۔ ایک تو یہ کہ سوویت روس کے معاشرے میں سرمایہ دارانہ ملکوں کے مقابلے میں اخلاقی پستی اور جرائم کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ روس کے عوام کردار و اخلاق کے لحاظ سے کہیں اعلیٰ سطح پر ہیں۔ ان کی زندگی بڑی حد تک فزاریت اور غیر ذمہ دارانہ اقدامات سے دور ہے۔ دوسرا اس سے بھی عظیم الشان حاصل کلاسیکی ادب کے مطالعے کا یہ ہے کہ باوجودیکہ عوام کی زندگی زیادہ تر سائنسی اور معاشی مسائل میں انتہائی مصروف ہے، یا جنگی تحفظ کے سامان کی تیاری خلائی مہمات، کل اور مشینیں ایجاد کرنے میں منہمک ہے پھر بھی یہ جبرِ ثقیل افکار و مشاغل ان لوگوں کو مشینی انسان نہ بنا سکے۔

اشتراکی نظام میں انسان ابھی تک کلاسیکی ادب کے گہرے شوق و شغف کی وجہ سے آدم و حوا کی نسل کے اس آراضی انسان سے وقتاً فوقتاً ملتا رہتا ہے اور اس

سے متاثر ہوتا رہتا ہے جو سانپ کے بہکانے سے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیتا ہے اور اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو توڑ کر اپنی معصوم لغزشوں سے ارضی حیات کا تجربہ کر رہا ہے۔ یا شیواجی کو انقلاب کے کام سے ہٹا کر ان سے زندگی کی ایک نہایت مزیدار رومانی کہانی بیان کرنے لگتا ہے تاکہ پارہتی بے چارے نندی کو برف کے کھلونے توڑنے پر سرب دینا بھول جائیں۔ اشتراکی عوام باوجود تمام عقل و دانش کے اس بھولے بھالے انسان سے محبت کرنے لگتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے بے عرض محبت کرتا ہے اور بلا کسی فائدہ نقصان کا حساب لگائے دوسروں کے لیے ایثار و قربانی کر ڈالتا ہے۔ یہ کلاسیکی ادب اشتراکی انسان کے ذہن کو اس حسن و رعنائی اور احساس لطافت تک اس شرم و حیا اور پاکیزگی تک پہنچاتا ہے جو حوا کی سرشت ہے۔ اس شجاعت، فیاضی، عدل، حمیت و غیرت اور شرافتِ نفس تک پہنچاتا ہے جو آدم کا شیوہ ہے۔ جبکہ وہاں کے انسان کا دل بھی سرمایہ دارانہ نظام میں پلنے والے انسان کی طرح کبھی کبھی حیوانی جذبات، شہواتی لذتیت، وحشیانہ سفاکی، جہلی خون، حرص اور انتقام کے مواد پر مبنی ادب پڑھنے کی خواہش کرتا ہوگا۔ تاکہ کچھ اپنی حیوانیت کا بھی مزالے سکے۔ لیکن اعلا کلاسیکی ادب کی گھنی پیداوار نے اشتراکی سرزمین پر کسی غیر انسانی ادب کی نشوونما کا بہت کم امکان رکھا ہے، جس کے لیے وہاں کے ادب کی تخلیقی تنظیمیں اور تصنیف و مطالعہ کی انجمنیں قابل ستائش ہیں۔

حصہ چہارم

جدید ہندوستان اور صنعتِ کتاب کی عالمی تنظیم
بیسویں صدی

حصہ چہارم

پہلا باب

اردو زبان

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، اس کے بڑے بڑے علاقے ایک دوسرے سے دُور دراز فاصلوں پر واقع ہیں۔ مختلف آب و ہواؤں اور مختلف رہن سہن نے جگہ جگہ کثیر تعداد میں یہاں کے رہنے والوں کی مختلف بولیوں کو جنم دیا۔ ان چھوٹی چھوٹی مقامی بولیوں میں سے بعض اپنے اندر لسانی ارتقا کی بڑی صلاحیت رکھتی تھیں چنانچہ کچھ مدت میں ترقی کر کے باقاعدہ تحریری زبانیں بن گئیں۔

پراکرتی

جس طرح چار سوق م میں سنسکرت سے علاحدہ ایک پالی زبان وجود میں آئی تھی۔ اور اس میں علوم و فنون اور ادب نے جگہ پائی تھی اسی طرح ساتویں صدی عیسوی سے نویں صدی تک متعدد زبانیں ہندوستان میں پیدا ہوئیں جو پہلے معمولی مقامی بولیاں تھیں مگر بعد میں اپنے مخصوص طرز کے حروف میں ان کی لپی بھی تیار ہو گئی۔ مثلاً بنگالی، مرہٹی، گجراتی، راجستھانی، پنجابی وغیرہ انھیں میں سے ایک برج بھاشا بھی تھی جو اودھ اور پوربی سے مل کر چودھویں پندرھویں صدی عیسوی تک اپنا ایک مقام حاصل کر رہی تھی جو ہندی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کا رسم خط دیوناگری تھا جس کے معنی ہیں دیوتاؤں کی تحریر یا شہری مہذب تحریر، اور اسی کے ہمدوش ایک زبان بعد میں اردو کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔

اردو زبان اور اس کا رسم خط

ساتویں صدی میں سمندری راستے سے عربوں نے پہلے گجرات میں کھمبات کی سرزمین پر قدم رکھا پھر سندھ میں سکھر کے مقام پر اس سے چند سال پہلے وہ سیلون اور ملابار کے ساحلوں پر مہالے اور خوشبوئیات کی تجارت کے سلسلے میں پہنچ چکے تھے۔ مگر گجرات اور سندھ میں علاوہ دیگر اشیائے تجارت کے الفاظ معانی کا لین دین بھی شروع کیا، جس کی ابتدا سندھ ہی کی طرف سے تخریک الفت کی شکل میں ہوئی۔ ہزاروں سال کی پچھڑی ہوئی دو قومیں اچانک ایک دوسرے سے اس طرح ملیں کہ اجنبیت جاتی رہی۔ ربط و اتحاد مختصر عرصے میں اس قدر بڑھ گیا کہ عربی زبان کے حروف سندھیوں کے دل پر نقش ہو گئے۔ سندھی طرز تحریر کی جگہ عربی حروف کی بہت سی علامتیں سندھی تحریر میں جا بجا ابھرنے لگیں۔ ذوق یکسانیت کی اس ابتدا نے میل ملاپ کی ایسی پر لطف داستان چھپڑ دی کہ ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے عربوں کے قدم جم گئے۔

یہاں عربی رسم خط کی ایک اہم خصوصیت کو واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ اس خط کی کشید میں اس قدر وسعت ہے کہ دنیا کی ہر تحریر اس کے دامن میں اپنا مقام پاسکتی ہے۔ بقول پروفیسر ہارون احمد شیروانی ”پی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لچک ہو اور لست و کشادگی کی گنجائش ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر اس زبان کا رسم خط بن جائے جو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ عربی میں اس کی گنجائش تھی لہذا کشش میں ستھور ابہت فرق اور حروفوں کے اصناف سے ایران میں ایرانی، ملایا میں ملائی، مراکو میں مغربی، اور ہندوستان میں اردو بن گئی۔ بنگالی نسخ اور عرب تامل بھی اس سے بن گیا“ دراصل عربی رسم خط کی یہ خصوصیت اس وقت ظاہر ہوئی جب اس کا حسن پنہاں نمایاں کیا گیا اور اسے خطِ نبطی (حیری) سے ترقی دے کر پرکشش صورت میں لایا گیا۔ اس خط کو ظہورِ اسلام نے نکھارنا شروع کیا تھا۔ تحریری کام کی کثرت نے بے شمار کاتب اور خطاط پیدا کر دیے تھے۔ ہر صاحب فن خطاط کے ہاتھوں سے اس کی تراش و خراش ہوتی گئی اور اس کی دیدہ زیبی اور دلکشی ابھرتی گئی۔ 295ھ تقریباً نویں صدی عیسوی کے

اختتام تک ابو علی محمد بن علی معروف بہ ابن مقلہ نے ان حروف سے کچھ نہایت خوبصورت خط نکالے۔ خط ریحان، بدیع، محقق، رقاہ وغیرہ۔ پھر ابن ہلال معروف بہ ابن بواب متوفی 429ھ معتمد باللہ کے دور میں یا اس کا خاص درباری خوشنویس یعقوب بن عبداللہ رومی متوفی 568ھ نے طرح طرح کے فنی اصناف کیے۔ موخر الذکر کے خط کی خوشنمائی کا یہ عالم تھا کہ اس کا ایک ایک کتبہ سونے کے ہم وزن قیمت پر فروخت ہوتا تھا وہی عربی خط ایران ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ایران میں اس نے اور بھی حسن و نزاکت پائی۔

عربی خط ایران میں

عربی خط کے مختلف حروف کی دروبست اور کشش و دائرہ کو جس شخص نے سائنسی انداز سے پہلی بار متعین کیا وہ ابن مقلہ ہے۔ ابن مقلہ نے پہلی مرتبہ خط کی چھ اقسام کا تعین کیا ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ابن بواب کے کارناموں نے اور تیرہویں صدی عیسوی یعقوب المصنعصی کی صلاحیتوں نے ابن مقلہ کی شہرت کو قدرے ماند کر دیا۔ یہی دور تھا جب عربی خط کو ایوبی نسخ کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ یعقوب عباسی دور کا آخری مشہور اور عظیم خطاط تھا۔ اس کے بعد اقلام ستہ یا چھ مشہور طرز خط کے مراکز بغداد سے سمٹ کر ہرات، مشہد اور تبریز میں منتشر ہو گئے۔

ابن ندیم کے مطابق ایرانیوں نے شروع میں قرآن مجید کو کراموز یا پیراموز خط میں لکھا لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ بدری عطابی نے اپنی کتاب 'فہرست قرآن ہائے خطی کتاب خانہ سلطنتی، تہران مطبوعہ 1972ء میں پیراموز طرز پر لکھے گئے قرآن مجید کے ایک صفحہ کا عکس دیا ہے۔ ایران میں کوفی، محقق، ریحان، ثلث اور نسخ خط میں مزید تبدیلیاں کی گئیں۔ نسخ طرز کو دور تیموریہ میں احیاناً نصیب ہوا لیکن بعد میں پھر خطاطی پر ہوا۔ کوفی خط دراصل ثلث ہی کی ایک قسم ہے جسے ایران میں کتاب کے آخری صفحات لکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس میں حروف کو زیادہ تر دائرہ نما بنا دیتے ہیں۔ اور اذر زٹرل و کوان کے بعد آنے والے حروف سے پیوست کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح رقعہ چھوٹے انداز میں لکھے ہوئے طوقی کو کہتے ہیں۔ ترک عمال اس خط

کو خط الاعداد کے نام سے پہچانتے تھے۔ اسے بھی عام طور پر قرآن مجید یا مذہبی کتابوں کے اختتامیہ لکھنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ایران میں ہر بڑے خط کو جلی خط کا نام دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کا زیادہ استعمال خط ثلث لکھنے میں ہوتا ہے۔ خط ثلث میں جلی انداز سلجوقیوں کے عہد سے نمایاں ہونا شروع ہوا۔ لیکن بام عروج پر تیموری دور خصوصاً صفوی عہد میں پہنچا۔ ایرانی دور کے دوسرے خطوط میں عیار، مسلسل، سیاق، تعلیق، شکست زیادہ مشہور ہوئے۔ نستعلیق جو نسخ اور تعلیق کے امتزاج سے وجود میں آیا اس کا موجد اول میر علی تبریزی کہا جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو اس سے اتفاق نہیں کیونکہ نستعلیق کے نمونے تیرھویں صدی عیسوی میں بھی ملتے ہیں۔ ایران میں نستعلیق کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک وہ انداز تھا جس کے مؤسس مرزا جعفر تبریزی اور انظر تبریزی تھے اور جو خراسان میں پروان چڑھا۔ دوسرا انداز وہ تھا جو مغربی ایران میں مروج ہوا۔ یہ دوسرا انداز تو جلد ہی فراموش کر دیا گیا۔ لیکن پہلا انداز تو بعد میں انداز خراسانی کہلایا بہت مقبول ہوا اور اپنے حسن کی معراج کو سترھویں صدی عیسوی میں عماد حسن سیفی کے ہاتھوں پہنچا۔ موجودہ ایران اسی طرز کو پسند کرتا ہے۔

عربی خط ہندوستان میں

ہندوستان میں عربی کا قدیم ترین کتبہ ترمی و ندرم کے علاقے میں ملا ہے۔ یہ خط نسخ میں ہے۔ پاکستان میں سندھ کے بھٹنور مقام پر دو کتبے ملے ہیں جو کوئی خط میں ہے اور ان کی تاریخ ۶۹۰۲ اور ۶۹۰۷ ہے بالترتیب اس کے علاوہ اس سلسلے میں تحقیق کی رو سے سلطان محمود غزنوی کے لاہور میں ڈھلوائے ہوئے سکے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ۱۰۴۴ء کا لکھا ہوا ایک محفوظ مخطوطہ ہے۔ عربی خط کی ہندوستان میں مزید قدیم تاریخی نشانیوں میں غوریوں کے عہد حکومت کے دوران دہلی میں تعمیر کی ہوئی مسجد قوت الاسلام میں کندہ کیے ہوئے کتبے ہیں جو خط طغرا، کوفی، نسخی اور ثلث انداز کے خطوط ہیں۔ غلام خاندان کے دور حکومت میں خط نسخ ہندوستان میں بالعموم ایک مقبول خط تھا۔ اور پھر یہاں بھی اس کے بلند پایہ اور باکمال خطاط پیدا ہونے لگے۔

اردو فارسی خطاط

مغلیہ دربار میں سیکرٹوں کا تہ اور منشی بلند پایہ خطاط و خوشنویس سرفراز ملازمت تھے۔ ان کو خطابات اور جاگیروں سے نوازا گیا تھا اور زر و جواہران پر لٹائے جاتے تھے۔ دربار اکبری میں فن خطاطی کا سب سے بڑا قدر شناس تو عبدالرحیم خاں غانا معروف ہند (رحمن کوی) تھا کہ خود اس کے فرزند میرزا امرج اور مرزا ادراہب اعلا خوشنویس تھے۔ خان خاناں کے در دولت خاص سے وابستہ کچھ مشہور خطاط تھے۔ جیسے ملا عبدالرحیم عزیز رقم یہ نسخ اور تعلق دو نون خط میں کامل فن تھے۔ مرزا اشجاع بھی نسخ و تعلق کی خطاطی میں استاد تھے۔ ان کا وطن شیراز تھا۔ بیود مرزا مسہر خوشنویس ہونے کے علاوہ فن نقاشی میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ ایک عالم و فاضل شخصیت مرزا فتح اللہ شیرازی کی ہے جس کا خطاطی میں بھی اعلیٰ مقام تھا۔

دربار اکبری میں اور بھی خطاط بڑی تعداد میں بیان کیے گئے ہیں جن میں اکبری نورتن کے جواہر راجہ ٹوڈر مل کھتری ایک جامع شخصیت ہے۔ بند و بست و مالبات اور تعمیرات عامہ طویل شاہ راہوں اور چوکیوں کی تعمیر ڈاک کے انتظام میں تو شہرت رکھتا ہی ہے لیکن فن خطاطی میں بھی درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ امیر خطاط زین خاں کو جو منصب پنج ہراری پر فائز تھا۔ میر معصوم بھکری قندھاری خواجہ عبدالصمد شیریں رقم۔ میر محمد اصغر ملقب بہ اشرف خاں اور اکبر کے استاد ملا عبدالقادر۔ دور اکبری کا سب سے بڑا خطاط زریں رقم محمد حسین کاشمیری، میر عبداللہ منشی رقم، ملا علی احمد مہتراش۔ خواجہ حسین احمد چشتی، خلیفہ حضرت سلیم چشتی (جو خط نسخ کے کامل استاد تھے) محمد شریف شیریں رقم وغیرہ بہت طویل فہرست ہے۔

اسی طرح عہد جہانگیری میں بہت بڑے عہد فن خطاط و خوشنویس

1- ماخذ مسلمانوں کے عہد کے تمدنی جلوے از ظفر ندوی

2- بحوالہ غلام مولوی محمد مہنت ظلم دہلوی

تھے۔ جن میں قاضی احمد غفاری۔ مصنف حبیب السیر، مرزا محمد حسین نسخ، تعلیق، ثلث اور خط شکست کے ماہر و مسلم تھے۔ احمد علی ارشد طغری نویسی میں جواب دہ تھے تھے۔ شاہ جہانی دور میں آقا عبدالرشید ویلی، مشہور میر عماد ایرانی کا بھانجہ اور شاہ زادہ دارا کا استاد تھا۔ یا قوت رقم عبدالباقی حداد۔ مرزا عبدالمدخال درایت خاں۔ (تعلیق و شکست کا ماہر تھا)۔ سحر طراز جادو رقم میر مراد کاشمیری، میر محمد صالح و میر مومن فرزندان مشکیں رقم ایک سے بڑھ کر ایک ہوئے۔

اور نگ زیب کے دربار میں بھی بڑے بڑے خوش نویس و خطاط تھے، خود بھی ایک اعلا قلم کش تھا۔ سید علی خاں جواہر رقم، ہدایت اللہ زریں رقم، میر محمد باقر درباری خوش نویس، میر محمد زاہد علاوہ فن خطاطی، مصوری میں بھی اوج کمال پر تھے۔ اس کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول کے زمانے میں مرزا حاتم بیگ و محمد عارف۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد کے ہیں غلام علی خاں، حافظ ابراہیم۔ طغرا نویس میر زین العابدین استاد تعلیق مولائی صاحب۔ مولوی غلام محمد دہلوی ہفت قلم، ان کے بعد کے دور میں میر مہدی، میر عباد اللہ بیگ و آغا میر، سید محمد امیر رضوی پنچہ کش جو خطاطی کے علاوہ مصوری و نقاشی، لوح و جدول سازی میں بھی باکمال تھے۔ علاقہ بندی و سنگ تراشی میں فرد فرید۔ ممتاز مصنف اور صحافی، پنچہ کشی کے فن میں مشہور زمانہ عرض ہمہ صفت موصوف تھے۔ اسی زمانے میں ان کے علاوہ اور بھی نامور خطاط ہوئے ہیں۔ اخوند عبدالرسول قندھاری۔ امام الدین احمد خاں۔ میر امام الدین، نواب تفضل حسین خاں جو نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں دہلی سے لکھنؤ آگئے تھے۔ میر عطا حسین تحسین۔ خط نسخ و تعلیق و شکست کے ماہر مرزا احمد طباطبائی۔ دور آصفی میں ممتاز خطاط حافظ نور اللہ اور قاضی نعمت اللہ کیا کیا خط کھینچ گئے۔

فارسی خطاطی کے فن میں ہنود بھی بڑے باکمال گذرے اور بکثرت۔ راجہ ٹوڈر مل کا تو ذکر ہو ہی چکا ہے۔ رائے منوہر موتی کرن، نوسنی کچھواہا پسر راجہ سا بنہر۔ چندر بھان برہمن عہد شاہ جہانی کا نامور خطاط۔ منشی سچ بھان۔ رائے پریم ناتھ کھتری۔ راجہ ناگر مل کے پوتے راجہ امید سنگھ اور راجہ شیر سنگھ۔ راجہ جکل کشور کے پوتے کنور پریم کشور فراقی۔ منشی لچمن سنگھ غیوری۔ راجہ

نندرام پنڈت جو دہلی سے لکھنؤ آکر نواب حسین رضا کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عالم و فاضل، انشا پر دالالہ چھن رام پنڈت۔ خوش وقت رائے کھتری۔ لالہ درگا پرشاد کاستھ لکھنوی غلام محمد ہفت قلم کے شاگرد۔ شنکر ناتھ کاشمیری پنڈت لالہ سروپ سنگھ دیوانہ ان کے علاوہ اور بہت ہوئے، ظاہر ہے کہ ان سب کے قلم سے کتنی کتابیں لکھی گئی ہوں گی جو مسلمان سلاطین کے زمانے میں ہندوستانی کتابوں کی تاریخ پر ایک علاحدہ ضخیم جلد کا مطالبہ کرتی ہیں۔

آخری دور میں جب مسلمان امارتیں تاراج ہو چکی تھیں، مشہور خطاط منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی مصنف نظم پرویس۔ منشی دیبی پرشاد مصنف پنجہ نگارین منشی عبدالقادر شیدا لکھنوی شاگرد اعجاز رقم۔ جن کو بہت ضعیفی میں راقم الحروف نے اپنی اوائل عمری میں دیکھا اور ان کا نیاز مند رہا۔ شیدا مرحوم عرصہ دراز تک منشی نو لکھنور کے ادارے سے وابستہ رہ کر کتابوں پر حلی عنوانات و سرخیاں لکھتے تھے۔ پنڈت رتن ناتھ سرتار کی کچھ کتابوں کی کتابت بھی کی ہے۔ اسی زمانے میں اچھے خوشنویس و کاتب، زائر حرم حمید صدیقی مرحوم دو دامن خط کے ماہر تھے اور عالیہ برسوں میں قاری عبدالعلیم کے قلم سے اس زمانے کے کچھ عظیم اردو مصنفوں کی کتابیں منزل کتابت سے گذریں۔ راقم الحروف کو حال میں ایک خوشنویس منشی تحسین بجنوری سے دہلی میں ملنے کا اتفاق ہوا جن کے یہاں کسی پشت سے خطاطی کا پیشہ چلا آ رہا ہے۔ موصوف ایک طرز خاص کے موجد اور آرٹسٹ بھی ہیں۔

ماہر بن فن نے خط مصنوع کی چھ قسمیں بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں :-
 (1) خط گلزار جو پھول پتیوں سے اور بیل بوٹوں سے حروف کی تشکیل کرتا ہے۔
 (2) خط عبار بہت باریک نقطوں کے ذریعہ حلی حروف کی تشکیل کرنا۔ (3) خط ماہی۔ جو حروف میں شکل ماہی پیش کر کے اسی میں حروف کے دامن کو ڈھالنا۔
 (4) خط طغرائی عبارت کو حیوانات و نباتات کی شبیہ میں ڈھالنا یا ایک عبارت سے کسی عبارت کی تشکیل کرنا۔ (5) خط تو اماں کسی تحریر سے متصل داہنی جانب ہو ہو اس کا معکوس نقش پیش کرنا۔ (6) خط ناخن، انگوٹھے اور انگشت شہادت کے ناخنوں کے درمیان ایک دبیز کاغذ کو دبا کر نہایت خوشخط تحریر کا گہرا نقش بنانا

یہ سب سے مشکل فن ہے۔ راقم کتاب کے حقیقی نانا مولوی سید عبدالصمد البصیر زیدی واسطی المتخلص بہ حضور بلگرامی جن کے اشعار، امثلہ صنائع کے بطور بحر الفصاحت میں مذکور ہیں اس خط کے ماہرین میں سے تھے۔

ہندوستان کے ہر علاقے میں اردو کی غیر معمولی مقبولیت

اواخر آٹھویں صدی میں عربوں نے ہندوستان میں آکر آباد ہونا شروع کیا۔ ابتدا میں صوفیا اور بڑے بڑے صاحب طریقت نے جو علاقوں دنیا سے مکمل طور پر اپنا رشتہ توڑ چکے تھے۔ شراب و حدت سے چور مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز سے بیگانہ اور ہمہ اوست پر کامل یقین رکھتے تھے۔ اس سر زمین کو اپنے فیض روحانیت سے رشک عالم بنا دیا۔ ان اولین بزرگوں میں حضرت مسعود سعد سلمان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت فرید الدین شکر گنجؒ وغیرہ جیسے حضرات کی ایک بڑی تعداد ہے۔ بکثرت ہنود نے ان کے گرد ایک مضبوط حلقہ عقیدت قائم کر لیا۔ ان بزرگوں کی ایک زبان تھی جو اپنے حلقوں میں مستعمل تھی۔ وہ نہ عربی تھی نہ فارسی نہ کلیتاً مقامی بول چال بلکہ ان بزرگوں کے مسلک و حدت الوجود کے مطابق مختلف زبانوں کے خوشنما الفاظ کا گلدستہ تھا۔ جس زبان کی پہلی کتاب معراج العاشقین بلکہ جدید تحقیق کے مطابق شاہ جیو ہے جن کی تصنیف کا زمانہ نویں صدی عیسوی کے آس پاس ہے۔ مشاعری میں حضرت مسعود سعد سلمان اور ضیاء سندھی کے دیوان بھی اسی بنوایجاد زبان میں وجود میں آئے۔ اس وقت تک اس زبان کی ذات و صفات کا کوئی نام نہ تھا۔ مگر بزرگوں کے فیض سے اسے بہت فروغ ہوا۔

اس کے بعد عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کے مسلم قافلے مسلسل آتے رہے اور آباد ہوتے رہے۔ ان میں سوداگر بھی تھے اور لشکری بھی۔ وہ بتدریج ہند آریائی قوم سے خصوصاً ادریکر اقوام سے عموماً مشرد و شکر ہوتے گئے۔ باہم اشارات و کنایات ہوئے، پھر گھل مل کر گفتگو ہونے لگی۔ دسویں صدی تک جہاں سنسکرت سے چھ پر اکرت نہیں ایک مجموعہ انتخاب اور وجود میں آئی۔ اس زبان کے مصادر سنسکرت کے تھے اور اسماء و مشتقات ہر زبان کے چنیدہ تراشے ہوئے نیکے تھے اور اس کا سلسلہ نسب

حضرات صوفیا کی زبان عشقِ محبت سے تھا۔ شروع میں اس کا نام ہندی ہوا، اور رسم الخط عربی سے پیدا کیا ہوا تعلیق جو فارسی میں مروج تھا۔ پڑھو، پڑھو، پڑھو اور پندرہویں صدی میں اس نئی ہندی پر اکرت سے امیر خسرو، کبیر داس اور سورداس نے ایسے دلکش نغمے پیدا کیے کہ اس نے ہر خاص و عام کے دل کو تسخیر کر لیا۔ سب سے بڑا کام اس زبان نے یہ کیا کہ شمال سے جنوب کی دوری جو طویل تاریخی زمانوں سے چلی آرہی تھی اس کے ذریعہ جاتی رہی۔ یہ نئی ہندی شمال و جنوب کی باہم بھنت مفاہرت رکھنے والی زبانوں کے درمیان ایک رشتہ الفت ایک واسطہ یگانگت بن گئی۔ دکن میں اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ اس کا نام دکنی پڑ گیا۔ اس کے ذریعہ شمال و جنوب کی تہذیب و ثقافت کے نیچے پہلی بار ایک لڑی میں پروئے گئے اور اس نے یہ سب سے عظیم تاریخی کردار ادا کیا۔ گجرات میں دکن سے پہلے ہی پہنچ کر زبان پر چڑھ چکی تھی۔ اس کے گیت اور نغمے بھی وہاں پیدا ہوئے اور بول چال بھی وہاں اس کا نام ہندی پڑ گیا تھا۔ اس سے پہلے لاہور اور پورے پنجاب میں شہاب الدین کے لشکر پر حاوی ہو کر دلی تاک اپنی قلمرو میں شامل کر چکی تو وہاں اس کا نام اردو پڑ گیا۔ ترکی میں اردو کے معنی لشکر کے ہیں چونکہ وہ سب سے پہلے لشکر میں مستعمل ہوئی اس لیے اردو کہلائی۔ شاعروں کے منہ کو ایسی لگ گئی کہ ہندوستان میں امرت رس بن کر ہر جگہ ٹپکنے لگی اور اسے شاعر ریختہ کہنے لگے۔ آخر میں اس کا نام ہندوستانی پڑ گیا حقیقی معنوں میں یہ اس کا صحیح نام تھا۔ پندرہویں صدی سے تیرہویں صدی تک پہنچنے کے بعد کوئی ہندوستانی نہیں تھا جو اس کو سمجھنے سے انکار کرتا۔ اس عرصہ میں شمالی ہندوستان کی اور بھی زبانیں اپنے اپنے علاقہ میں ترقی کرتی گئیں۔ بنگال میں بنگالی، گجرات میں گجراتی مرہٹہ واڑا میں مرہٹی، اجسٹھان میں بھوج پوری پنجاب میں پنجابی وغیرہ۔ یہ ان قدیم دکنی زبانوں کے علاوہ تھیں جو پہلے ہی سے دکن میں چھائی ہوئی تھیں۔ تامل، تیلوگو، ملیالم، کنڑی وغیرہ اس طرح ہندوستان کی متعدد زبانوں میں سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان اردو جس کا رسم الخط فارسی تھا سب سے زیادہ عوام میں رائج ہوئی۔ یہ پورب سے پچھم اور اتر سے دکھن تک پورے ملک میں چھا گئی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی تک شاعروں کے دیوان تو بہت لکھے گئے۔ لیکن نثر کی زیادہ تر کتابیں فارسی زبان میں تصنیف ہوئیں۔ اٹھارہویں صدی میں مسلمان حکمرانوں کے دفاتر فارسی میں تھے مسلمانوں کی جگہ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب حکومت سنبھالی تو مختصر زمانہ تک

اپنے دفاتر انہوں نے بھی فارسی ہی میں رکھے۔ چنانچہ فارسی زبان نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی سب زبانوں کو دبائے ہوئے تھی۔ انگریزی عمل داری میں اردو اور سبھی ہندوستانی زبانوں کو ابھرنے کا موقع ملا ان کے ترقی یافتہ رسم الخط بن گئے اور انہیں تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں شروع ہوئیں اب تک ہندوستان کی تمام کتابیں خصوصاً اردو اور فارسی کی کتابوں کے قلم سے لکھی ہوئی نہیں۔

دوسرا باب

چھپائی کا ہندوستان پہنچنا

ہندوستانی مطبع کا تاریخی پس منظر

ہندوستان میں پہلا چھاپہ خانہ 1556ء میں ایک پرتگالی شخص موسیو بٹامانے پرتگال سے لے کر آیا تھا۔ یہ لکڑی کے فریم کا ٹریڈل ٹائپ چھاپہ خانہ سب سے پہلے گوئی قائم ہوا۔ اسی سال پہلی کتاب جو ہندوستانی سر زمین پر چھاپی گئی پرتگالی زبان میں تھی۔

پہلی ہندوستانی زبان کی کتاب ملا بار حروف کی 1578ء میں چھپی۔ اس کے ملا باری ٹائپ حروف ایک ہسپانوی لوہار جو انس گانسٹاؤس نے تیار کیے۔ شمالی ہندوستان کی زبانوں میں سے کسی زبان کی طباعت کتب کے سلسلہ میں 1743ء تک کسی کامیاب کوشش کا ڈھونڈنے نشان نہیں ملتا۔ لیکن ہندوستانی زبان کی مقبولیت عوامی زندگی میں اپنا پتہ مستند ذرائع سے سولھویں صدی عیسوی میں بہ خوبی دے رہی ہے۔ جان فریر ایک یورپین سیاح کا سیاحت نامہ اس زبان کی ایک تاریخی کڑی پیش کرتا ہے۔ جان فریر نے ایک انگریز ٹام کورٹ کا تذکرہ اپنے سیاحت نامہ میں اس طرح کیا ہے کہ وہ 1616ء میں ہندوستان میں انگریز فقیر کے لقب سے مشہور تھا اور ہندوستانی زبان میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ مغل اعظم کے دربار میں اس نے شہنشاہ جہانگیر کے روبرو مسمی عوامی زبان میں بے جھجک دادِ خطابت دی اس سے دو اہم باتوں کا پتہ چلتا

۱۰ صدیقی (محمد عتیق) گلگراکسٹ اور اس کا عہد

ہے ایک تو یہ کہ ٹام نے فارسی درباری زبان پر ہندوستانی زبان سیکھنے یا استعمال کرنے کو ترجیح دی۔ اگرچہ فارسی زبان سیکھنا اس وقت دشوار نہ تھا اور درباری خطابت میں فارسی زیادہ بر محل تھی، لیکن ہندوستانی کے اس جگہ استعمال کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اُسے ہر خاص و عام کا قرب حاصل تھا اور ذریعہ اظہار کا بہتر وسیلہ تھی دوسری بات یہ کہ شہنشاہ اور اس کے درباری اس عوامی زبان سے کافی ماؤس تھے اس لیے جہانگیر کو ہندوستانی میں خطاب کرنا بیجا اور درباری آداب کے خلاف نہ سمجھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ عہد کے ابتدائی وسطی زمانہ میں ہندوستانی زبان ہر جگہ رائج اور مقبول ہو گئی تھی لیکن جان فریئر کے سیاحت نامہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ تک اس کا کوئی باضابطہ رسم الخط نہ تھا جس سے یہ کہنا مراد ہے کہ ناگری رسم الخط صرف مذہبی اور علمی ہندی کتابوں میں مستعمل تھا۔ عوامی زبان کے لیے نہیں اور فارسی رسم الخط میں اس وقت تک ہندی حروف کا عام طور پر اضافہ نہیں ہوا تھا لیکن ہندوستانی زبان کی اہمیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ 1677ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹر ڈن نے مدراس کے قلعہ سینٹ جارج کو انگریز ملازمین کے ہندوستانی زبان سیکھنے کی رغبت دلانے کے لیے لکھا اور بمقابلہ فارسی ہندوستانی سیکھنے کے لیے دو گنا انعام یعنی بیس پونڈ مقرر کیے اس کی تعلیم کے لیے مناسب آدمیوں کے تقرر کا حکم دیا آگے چل کر اور انعامات میں اضافہ ہو گیا اور قابلیت میں مقابلہ کی صورت پیدا ہو گئی۔

ہندوستانی زبان کی ابتدائی لغات اور گرامر

سترھویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک ہندوستانی رسم خط باضابطہ طور پر مکمل ہو چکا تھا مگر شمالی ہندوستان کی کسی زبان کی کوئی کتاب ہندوستان میں 1778ء تک طبع ہونے کی کوئی معلومات نہیں ہیں 1778ء میں بنگالی زبان کی گرامر چھپی جس کے رومن حروف چارلس ولکنس نے ڈھالے تھے اور چھپائی کی البتہ گریس نے ایک یورپین راہب فرانسس کس تروین سس کا ذکر کیا ہے کہ اس نے سورت کے قیام کے دوران 1704 میں ہندوستانی زبان کی ایک لغت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک ہزار صفحات پر مشتمل مرتب کیا تھا۔ مگر غالباً وہ شائع نہیں ہو سکی اور شہر روم کے کسی کتب خانہ میں گم ہو گئی۔ اس پہلی لغت کے بعد ہندوستانی زبان کی پہلی گرامر ایک ہالینڈ کے باشندے

جان جوشا کے ٹیلر نے 1708ء سے 1712ء تک مرتبہ کی جو لاطینی زبان میں 1743ء میں
 لیڈن سے شائع ہوئی بعد میں یہ غلط گرامر ثابت ہوئی مگر اس کی یہ اہمیت کم نہیں
 ہے کہ اس میں دیوناگری رسم خط کے جا بجا کچھ نمونے دیے ہوئے ہیں اور کچھ آیات انجیل
 کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ رومن رسم خط میں ہے۔ گرامر کی طرح یہ ہندوستانی
 زبان میں کسی یورپین زبان کا ترجمہ بھی پہلی کوشش مانی جاتی ہے اور ابتدائی اٹھارھویں
 صدی کی ہندوستانی نثر کا ایک نمونہ بھی ہے۔ جوشا کے ٹیلر کے علاوہ ہندوستانی گرامر
 مرتب کرنے والوں میں بنجامن شوکر 1745ء گلکسٹن ہڈے 1770ء کا نام بھی شامل ہے۔
 یہ تمام کتابیں یا مضامین یورپ ہی میں شائع ہوئے۔ یہ بھی لاطینی زبان میں ہے اس میں
 ہندوستانی الفاظ عربی رسم خط میں لکھے گئے اور دیوناگری خط کی وضاحت بھی کی گئی۔
 یہ پہلی گرامر سے کچھ بہتر ہے لیکن اب بھی نامکمل ہے 1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد
 گلکسٹن ایک سول ملازم نے جو گورنر کا سکریٹری اور فارسی مترجم بھی تھا۔ ہندوستانی
 زبان کی گرامر پر انگریزی زبان میں ایک مقالہ لکھا جو شائع نہیں ہو سکا۔ پہلی کوشش
 سے زیادہ واقع تھا 1765ء میں ایک انگریز ہڈے نے ہندوستانی زبان کی قواعد مرتب
 کی جو 1770ء میں لندن کے ایک ناشر نے شائع کی اور بہت مقبول ہوئی۔ اس نے
 ایک لغت بھی ترتیب دی 1797ء تک اس کے پانچ ادیشن نکل چکے تھے۔ چھٹا ادیشن
 مرزا محمد فطرت لکھنوی کی تصحیح و اضافہ کے ساتھ 1802ء میں لندن میں شائع ہوا۔
 ہڈے نے اس کے لیے محمد فطرت کی خدمات خاص طور پر حاصل کی تھیں اور انھیں 1798ء
 میں انگلستان لے گیا تھا، وہاں وہ 1802ء تک رہے۔ ہڈے کی اس نعت کے ادیشن پر
 مرزا محمد فطرت کا نام بھی پڑا ہے۔ اس کے ایک سال بعد 1773ء میں ایک اور لغت
 لندن میں شائع ہوئی جس کا نام ہندوستانی زبان کی مختصر لغت ہے

یہ فرگوسن کی نعت دو حصوں میں شائع ہوئی انگلش اور ہندوستانی —
 ہندوستانی اور انگلش۔ ہندوستانی گرامر بھی اس کے ساتھ تھی۔ ابھی تک یہ
 سب کتابیں یورپ یا لندن میں چھپتی رہیں۔ ہندوستان میں ہندوستانی زبان
 کا کوئی پریس نہیں تھا اور کتابیں زیادہ تر لغت اور قواعد زبان پر تصنیف ہوتی تھیں۔
 دراصل یورپین تو میں خصوصاً انگریزوں کو ہندوستانی زبان کی لغت اور قواعد

کی بڑی فکر تھی کیونکہ ان کے منصوبے بڑے لمبے تھے۔ اس لیے انہیں جلد سے جلد ہندوستانی زبان سیکھنے کی بے تابی تھی۔

ہندوستانی زبان میں ابتدائی مطبوعات فورٹ ولیم میں

ہندوستانی زبان میں کتابوں کی ابتدا گلکرسٹ کے عہد سے وابستہ ہے۔ چونکہ لغات انگریزوں کو فوراً درکار تھیں لہذا فرگوسن کی لغت کے بعد جلد ہی ایک لغت اور انشائے ہرکرن کا ترجمہ ڈاکٹر فرانسس باس فورڈ نے مرتب کیا۔ اب وکنس نے نہ صرف ہنگالی بلکہ فارسی ٹائپ حروف بھی ڈھال دیے۔ لہذا ہندوستانی زبان کی پہلی مطبوعہ کتاب فارسی رسم الخط میں 1781ء میں جو ہندوستان ہی میں چھاپی گئی باس فورڈ کی ترجمہ کی ہوئی انشائے ہرکرن ہے۔ یہ 1804ء میں دوسری بار لندن میں چھاپی گئی۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر گلکرسٹ ہندوستانی زبان و ادب کی خدمت میں بڑے جوش و خروش سے سرگرم تھا اس کی تنہا خدمات یورپین لوگوں کے مجموعی کارناموں پر بھاری ہیں۔ اس نے ہندوستانی زبان سیکھنے کے لیے شہروں شہروں میں کس قدر کوچہ گردی کی۔ مصیبتیں جھیلیں اور مالی مشکلات کا مقابلہ کیا اس کی ایک طویل داستان ہے۔ ہماری زبان میں اس انگریز نے جب اعلا استعداد حاصل کر لی تو اس زمانے کی قابل ترین علمی ادبی شخصیتوں کو کلکتے میں اکٹھا کیا اور ایک مدرسہ، ایک اور نیٹیل سمزری حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے 1799ء میں قائم کیا جو 1800ء میں بند ہو گیا۔ چھ جون 1800ء میں ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کا افتتاح کیا اور گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کا مدرسہ (پروفیسر) مقرر کیا۔ یہ فورٹ ولیم کالج شہادت حضرت ٹیپو علیہ الرحمہ کی پہلی برسی کے دن قائم کیا گیا تھا۔ مگر نصف صدی سے آگے نہ چل سکا۔ خود گل کرسٹ 1804ء میں مستعفی ہو کر انگلستان چلا گیا۔ اسے ہندوستانی زبان و بیان پر اس قدر دسترس حاصل ہو گئی تھی کہ وہ خود بھی کسی حد تک تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تبصرہ کا اہل ہو گیا تھا۔ اس کی ترتیب دی ہوئی لغت 1786-90ء چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔ بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی گئی۔ علاوہ فورٹ ولیم کالج کی پروفیسری اور اس کے تحت طباعت و اشاعت کی سرگرمیوں کی رہنمائی کے جو فورٹ ولیم سے متعلق

۸۱-۱۷۸۰ء سے جاری تھیں۔ گل کرسٹ نے خود اپنا ذاتی پریس اور ہندوستانی کتابوں کا اشاعتی ادارہ ۱۸۰۰ء میں قائم کیا تھا ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۴ء تک کچھ چنیدہ ادبی شخصیتیں اس ادارے میں تھیں مثلاً میرامن دہلوی، بہادر علی حسینی، منظر علی دلاشیر علی افسوس، نہال چند لاہوری۔ للوالال اور سدل مسرا وغیرہ جنہوں نے گل کرسٹ کی سرپرستی میں ۱۸۰۰ء سے ۱۸۰۴ء تک ترسٹھ کتابیں تصنیف تالیف یا ترجمہ کیں۔ ان میں کچھ فارسی رسم خط اور کچھ دیوناگری خط میں مذکور برسوں میں شائع ہوئیں۔ گل کرسٹ نے علاوہ دوسروں سے کتاب لکھوانے کے خود بھی تقریباً گیارہ کتابوں کی تصنیف کا قیمتی کارنامہ انجام دیا ہے۔ گل کرسٹ کے اشاعتی ادارے اور فورٹ ولیم کی طباعتی و اشاعتی تنظیم کے نتیجے میں اواخر اٹھارہویں صدی عیسوی سے ایک ویسی ہی بیداری کی لہر اور تصنیفی تحریک کا آغاز ہندوستان میں ہوا جیسی ۱۴۹۵ء میں یورپ میں شروع ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے جدید ہندوستان پورے تین سو برس کتابی پیداوار کی سرگرمیوں میں یورپ سے پچھرا ہوا تھا۔ کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی پہلی قواعد زبان ۱۸۰۷ء میں چھپی ہوئی انشا کی دریائے لطافت ہے جب کہ زبان و قواعد سے متعلق علاوہ مذکورہ صدر کتابوں کے پانچ اہم تصانیف اور گل کرسٹ کے ذریعہ وجود میں آئیں۔ گل کرسٹ کا اس سے بھی زیادہ شان دار قابل شناسش کارنامہ یہ ہے کہ اس کی کوششوں سے اردو کا پہلا تعلق ٹائپ تیار ہوا اور اس میں اردو کی کچھ ابتدائی کتابیں چھاپی گئیں۔

اس زمانہ میں مدراس میں بھی طباعت و اشاعت کتب کا کام ہو رہا تھا۔ وہاں بھی فارسی رسم الخط کے ٹائپ حروف ایک ولندیزی (ڈچ) مشینری نے تیار کرائے تھے۔ کلکتہ میں ۴ مارچ ۱۷۷۴ء کو کلکتہ گزٹ کا اجرا ہوا جب کہ ۱۷۴۸ء میں بینجمن شوئر نے انجیل کا اردو ترجمہ شائع کر دیا تھا۔ ۱۷۷۸ء میں پہلی بنگلہ زبان کی کتاب ایک بنگلہ گرامر شائع ہوئی جس کے رومن حروف چارلس وٹ نے ڈھالے اور طباعت کی اس کے بعد ۱۸۰۸ء میں دیوناگری رسم خط میں سنسکرت زبان کی ایک کتاب فاونڈ ٹائٹ شائع ہوئی پھر متعدد کتابیں ناگری زبان میں چھپیں ۱۸۱۶ء میں کلکتہ میں ایک بک سوسائٹی قائم ہوئی ۱۸۱۸ء میں پبلسٹ مشینری نے سریرام پور

سے ایک ہنگامی ماہنامہ اور ایک ہفتہ وار جاری کیا۔ یہ ہنگامہ زبان بلکہ ہندوستانی زبان کا پہلا رسالہ ہے۔ بمبئی میں طباعت کی ابتدا 1780ء میں ہوئی جب کہ انگریزی زبان میں ایک عیسوی جنٹلمین کلب اور لارڈ شائع ہوا اور 1797ء میں پہلی بار دیوناگری خط میں طباعت شروع ہوئی 1820ء میں بمبئی نیٹیو اسکول اور اسکول بک کمیٹی قائم ہوئی۔ جس میں 1867ء تک پچیس کتابیں چھاپ کر شائع ہوئیں۔ کتابوں کی اشاعت کا ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر کام عیسائی مبلغین نے کیا اور ہندوستانی زبان میں طباعت و اشاعت کا فروغ انہیں کے ذریعہ ہوا۔

تیسرا باب

عیسائی تبلیغی جماعتیں

عیسائی تبلیغی جماعتوں کے چھاپے خانے

ہندوستان میں کتابی پیداوار کے حدود اربعہ میں سے ایک تو گلگرسٹ اور فورٹ ولیم تحریک تھی جس کا پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری زبردست تحریک عیسائی تبلیغی جماعتوں کے چھاپے خانے تھے اور تیسری ان مسیحی چھاپے خانوں کی مطبوعات کے رد عمل میں ہندوستانی مذہبی اور تہذیبی روایات کی حمایت میں ایک جوابی تحریک تھی۔ چونکہ ان سب سے الگ ہندوستان کے علافصلا اور دانشور کی منظم کی ہوئی ایک جا بجا دار المصنفین کی تحریک بھی ہے۔ ان چاروں تحریکوں نے مل کر ہندوستان میں کتاب کی تاریخ آج تک مکمل کی۔

ہندوستان میں عیسائی تبلیغ کا آغاز کلکتہ بائبل سوسائٹی سے ہوا۔ یہ سوسائٹی لارڈ ولزلی کی سرپرستی میں فورٹ ولیم میں 1798ء میں قائم کی گئی تھی۔ کلکتہ پادریوں کا مستحکم مورچہ تھا۔ یہاں یکے بعد دیگرے دو پریس قائم ہو گئے اور مشن کی کتابیں چھپنے لگیں۔ فزانسیسی کا کانسٹانٹن کے بعد مدراس میں بھی انگلش پریس اپنا کام کرنے لگا۔ اور اس کے ذریعے جنوبی ہند کا میدان انگریزوں کے ہاتھ آ گیا۔ بمبئی کی جاگیر ملک انگلستان کے جہیز میں پہلے ہی مل گئی تھی۔ پریس وہاں بھی چل رہا تھا اور نور ایمان کی بے تحاشا بارش ہو رہی تھی۔ 1850ء میں بھاگلپور اور جبلیپور میں 1854ء اور متھرا میں 1856ء میں الہ آباد 1859ء میں فیض آباد 1867ء میں لاہور سبھی جگہ بڑے بڑے پریس قائم ہوئے۔

لکھنؤ میں نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا جب پہلا ٹائپ حروف کا مطبع 1814ء میں قائم ہوا مسٹر آرچر نے 1830ء میں کانپور میں ایک چھاپہ خانہ جاری کر دیا 1836ء میں دلی میں لیتھو چھپائی کا مطبع قائم ہوا جس کے مالک مولانا محمد باقر صاحب نے اردو اخبار بھی نکالنا شروع کیا اس چھاپے خانے کا نام اردو اخبار پریس تھا جو بعد میں دلی اخبار پریس سے موسوم ہوا۔

عیسائی مشنری کی مطبوعہ کتابیں

عیسائی مشنریوں کے چھاپے خانے کا قیام اور ان کی کارگزاری اٹھارہویں صدی کے اختتام تک شروع ہوئی اور انیسویں صدی کے نصف اول میں ناقابل قیاس تیز رفتاری سے ہندوستانی ذہن و شعور پر ایک اچانک حملے کی صورت میں ہوئی۔ 1840ء میں سکندر متصل آگرہ میں مشنری عرفان اسکول پریس قائم ہوا اور اس سے چند سال قبل و بعد مشنری چھاپے خانوں کے قیام کی ایک طویل فہرست کا پتہ چلتا ہے۔ مطبع امریکن مشن لکھنؤ برسٹی میرین مشن پریس الہ آباد پبلسٹ مشن پریس کلکتہ۔ مطبع امریکن مشن پریس لودھیانہ الہ آباد مشن پریس۔ این۔ سی عرفان پریس الہ آباد۔ مطبع سٹامسن کالج روڈ روڑکی۔ مطبع نور لاہور۔ آفتاب پنجاب پریس امرتسر۔ چرچ مشن پریس مرزا پور۔ عرض بڑی لمبی فہرست ہے۔

کتابوں کی اشاعتی ترقی اور تیزی کا یہ عالم کہ صرف ایک سو ساٹھ کی کارگزاری سے 1872ء میں دس ہزار تین سو باسٹھ انجیلیں دعاؤں کی کتابیں اور ہندوستان کے مذاہب اور طرز معاشرت کی قدح و تنقیص پر جارحانہ کتب شائع ہوئی تھیں جب کہ 1873ء میں اس قسم کی کتابوں کی اشاعت بڑھ کر ایک سو ہزار پینسٹھ ہو گئی۔ اگلے کئی برسوں تک اسی رفتار سے مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ 1874ء میں پچیس ہزار دو سو انیس کتابیں ہندوستان میں مفت تقسیم کی گئیں اور اسی مسیحی کتب فروشوں نے گنوم پھر کر چار لاکھ روپیہ کی کتابیں فروخت کیں۔

عیسائی مشنری کی مطبوعات کی مذکورہ بالا تفصیل جو پبلسٹ پریس کلکتہ سے متعلق ہے۔ اخبار نور افشاں 17 جولائی 1875ء میں شائع ہوئی تھی، اس مشن کی مطبوعات

کا ذکر کرتے ہوئے گارساں - ڈی - تاسی نے حسب ذیل عبارت آخر میں لکھی ہے۔ اس
انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے خیال
میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت میں جس قدر کتابیں اب تک شائع ہوئی ہیں ان
کی ایک تہائی صرف اس انجمن نے چھاپی ہیں۔“

مشنری مطبوعات کے دور رس نتائج

عیسائی مشنری کے قائم کیے ہوئے پریس اور ان میں مسیحی مذاہب کی بکثرت
چھپنے والی کتابوں نے ہندوستانی زبانوں میں تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت
کے کام کو دفعتاً کچھ اس انداز میں شروع کر دیا جیسے ڈائنامائٹ سے ایک چٹان
اڑادی جاتی ہے اور ہزاروں سال کے ایک نامعلوم چٹنے کی تیز تند طوفانی دھارا اچھوٹ
نکلتی ہے۔ مسیحی تبلیغی سوسائٹیوں نے جب ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد اور ان کی
قدیم مشرقی تہذیب پر بے محابہ جارحانہ حملے کیے تو زمانہ دراز سے سوئے ہوئے ان کے
ذہن و شعور پر کچھ اس قسم کی اچانک چوٹ پہنچی، کہ ہر ایک ہندوستانی کا دماغ جھنجھنا
اٹھا۔ انہیں اس قسم کے روحانی صدمے کا اس سے پہلے کوئی تجربہ نہ تھا۔ ہندوستان
ہزاروں برس سے بے شمار عقائد، مذاہب اور تہذیبوں کے مجموعے کا ایک سماج یا
معاشرہ تھا۔ کبیر، نانک، چشتی اور ان سے پہلے بہت سی ہستیاں کچھ اور روحانی اور
اخلاقی پیغام لے کر آئی تھیں لیکن ہندوستانی سماج میں اس سے کوئی اضطراب و بھینپ
نہ دل کو ہونی سکتی اور نہ دماغ میں کوئی ہیجان کوئی پر خاش۔ عیسائی مبلغوں کی کتابیں
ان کے ذہن اور روح پر پتھر بن کر برسے لگیں ہندوستان کے علماء اور پنڈت حیران ہوئے
اور کچھ زمانے تک ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے بالآخر انہوں نے اپنے عقائد
کے تحفظ اور تہذیب کی مدافعت میں پریس کا آزمودہ ہتھیار استعمال کیا۔ ہندوستانیوں
نے بھی اپنے مطایح کھولے اور کتابیں لکھنے لگے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ موثر
بنانے کا فن بھی جلد حاصل کر لیا۔ اسی طرح ہندوستانی علوم و تہذیب کے نشر و
اشاعت میں سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ہندوستانی صحافت پیدا ہو کر
تیزی سے نشوونما پانے لگی لہذا مشن سوسائٹیوں کا یہ فیض ناقابل فراموش ہے

ہندوستانی صحافت اور ان کے مطابع

۱۸۴۹ء میں ممالک مغربی شمالی یعنی موجودہ پنجاب، آگرہ، دہلی کے علاقے میں تینس لیتھو کے مطابع قائم ہو چکے تھے۔ بارہ چھاپہ خانے صرف لکھنؤ میں قائم تھے جن میں ہندوستانی علوم و ثقافت اور تہذیب و مدنیت کے تحفظ اور بقا کے لیے کتابوں کی طباعت و اشاعت کا سرگرمی سے کام ہونے لگا۔ اور صحافت کے فن میں بھی ہندوستان نے ترقی کے مدارج طے کیے۔ ہندوستانی اخبارات کثرت سے جاری ہو گئے۔ ابتدائی ہندوستانی اخبارات اور مطابع میں سے کچھ بطور مثال حسب ذیل ہے۔

مرآة الاخبار	فارسی	۱۸۲۲	کلکتہ
خیر خواہ ہند		۱۸۳۷	مرزاپور
سید الاخبار		۱۸۳۷	دہلی
آفتاب عالم تاب		۱۸۴۱	مدراں
سراج الاخبار		۱۸۴۱	دہلی
مظہر حق		۱۸۴۳	دہلی
جام جہاں نما		۱۸۴۲	کلکتہ
صادق الاخبار		۱۸۴۴-۴۵	دہلی
احسن الاخبار		۱۸۴۴	بمبئی
مخزن الادویہ		"	کلکتہ
قرآن السعیدین			مدراں و دہلی
عمدۃ الاخبار			وغیرہ

خیر خواہ ہند ۱۸۳۷ء میں مرزاپور مسیحی مشنری ہیڈ کوارٹر سے جاری ہونا شروع ہوا۔ مولف اختر شہنشاہی نے اس کی ابتداء کے اجراء یکم اگست ۱۸۴۶ء درج کی ہے۔ لیکن گارسن دی تاسی نے اپنے خطبہ مورخہ پانچ مئی ۱۸۵۹ء میں اس کا آغاز اشاعت ۱۸۳۷ء لکھا ہے۔ بارہ صفحات کا رسالہ تھا۔ مالک ایف۔ جی پریسٹ ایڈیٹر پارسی مانتھر سالانہ چندہ تین روپیہ مطبع مشن اسکول مرزاپور

سید الاخبار - دہلی 1837ء مالک سید محمد خاں صاحب - چند ماہانہ دورہ پیہ۔
 مطبع سید اخبار سے اجرا - آفتاب عالم تاب مدراس سے جاری ہوا 1841ء کے
 قبل سے شائع ہو رہا تھا۔ سراج الاخبار 1841ء دہلی قلعہ معلّٰی سے اجرا شروع ہوا۔
 بہادر شاہ ظفر کا کورٹ گزٹ تھا فارسی زبان میں بادشاہ کا روزنامہ شائع ہوتا تھا۔
 ایڈیٹر سید اولاد علی مطبع سلطانی مطبع الدولہ سید ابوالقاسم واقعہ نگار کے زیر اہتمام۔
 اولاد علی بیگ جام جہاں نماں 1842ء کو آٹھ صفحات کا اخبار کلکتہ ہوت کامکا شریف
 دفتر میں نمبر 28 سے ہفتہ وار اجرا۔

منظر حق 1843ء مولانا محمد باقر نے دہلی سے جاری کیا۔
 صادق الاخبار 45-1844ء اولاً فارسی بعد میں اردو زبان میں نکلتا رہا۔
 مقام اجرا دہلی۔

احسن الاخبار بمبئی 1844ء -
 مخزن الادویہ 1844ء میں کلکتہ سے حاجی آفاق احمد خاں شیرازی نے جاری
 کیا۔

قرآن السعیدین - بارہ صفحات کا اخبار ایڈیٹر پنڈت دھرم نرائن۔
 عمدۃ الاخبار - دو مقامات مدراس و دہلی سے اجرا (بحوالہ کوہ نور لاہور)
 (1851ء)

فوائد الناظرین 1845ء دہلی سے سائنسی اور تاریخی رسالہ اولاً ماہانہ بعدہ
 پندرہ روزہ ہو گیا۔

فوائد الشائقین 1846ء شروع ہوا قانونی ہفتہ وار تھا۔
 صدر الاخبار - ابتداً ہفتہ وار تھا بعد میں ہفتہ میں دو بار اجرا ہو گیا۔ ایڈیٹر
 سی۔ سی فنک بارہ صفحات آگرہ۔

مارتند اخبار 1846ء میں پانچ زبانوں میں اردو - فارسی - ہندی - بنگالی
 اور انگریزی پانچ کالمی اخبار کلکتہ سے مولانا نصیر الدین نکالتے تھے۔

بمبئی کا ہرکارہ تازہ بہار (1854ء) - اس کے علاوہ اخبار دفتر جریدہ بمبئی
 سے مرآۃ الاخبار اور قاصد الاخبار مدراس سے 1854ء - اصعد الاخبار 1877ء آگرہ

سے اجرا ہوتا تھا۔ دوسرا خیر خواہ ہند 1847ء اور محبت ہند کچھ تصدیم کے ساتھ دونوں اخبار دہلی سے نکلتے تھے۔ جام جمشید 1847ء میں میرٹھ سے باغ بہار 1848ء میں بنارس سے مالوہ اخبار 1849ء میں اندور سے اور مفتاح الاخبار میرٹھ سے نکلتے تھے نور الاخبار 1852ء میں موتی کڑہ آگرہ سے منشی سدا سکھ نکالتے تھے۔ اس کے پرنٹر اور پبلشر یہی تھے۔ اور اسی نام کا اخبار یعنی نور الاخبار 1885ء میں الہ آباد سے بھی شائع ہونے لگا تھا۔ سیال کوٹ سے ایک اخبار چشمہ فیض 1852ء میں جاری تھا مذکورہ بالا اخبار و جرائد میں سوا ایک دو کے سب وہ ہیں کہ 1857ء کی پہلی جنگ آزادی سے قبل جاری تھے۔ ان میں کچھ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی استعماریت کے ترجمان اور فرنگی حکومت چلانے کے پیش نظر کام کرتے تھے باقی اخبارات حسبِ وطن اور روحِ ہندوستان کا ایک مضرب جذبہ، ہندوستانی قوم کی پہلی شعوری کرن تھے۔ خوش قسمتی سے اس وقت یورپ ہندوستان کے باشعور طبقے کی ایک ہی زبان تھی۔ اس لیے ذہنوں کو مربوط کرنے میں تحریک آزادی کو بڑی آسانی ہوئی۔ اپنا کام دیکھتے دیکھتے کر گئی۔ فرنگی ہوس ملک گیری پر بجلی بن کر گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی تمنا بڑی مہنگی پڑی۔ خیر حکومت تو فرنگیوں نے جان پر کھیل کر اس کے بعد ایک صدی سے کچھ کم زمانے تک کی لیکن ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ ادھر ہندوستانی قوم پرستوں نے دیکھا کہ تلوار نہیں چل پائی تو جذبہ آزادی کو قلم سونپ دیا۔ اور قلم کی رفتار میں وہ برش وہ بانچین پیدا ہوا کہ انگلستان اور یورپ کی زبان سے داد و تحسین کے بول پھوٹ پڑے۔ قلم پر بندش انیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر لگ چکی تھی اور تحریر احتساب کے خلاف جو قانونی جنگ یورپ میں اٹھا رہی تھی صدی کے نصف آخر میں بڑی شدت پکڑ چکی تھی اس کا آغاز ہندوستان میں بھی انیسویں صدی کے ربع اول میں راجہ رام موہن کی سرگردگی میں پوری ہمت و استقلال سے کیا گیا۔ بنگالیوں نے اپنے قلم کی رفتار سے خوفناک دھماکے پیدا کیے جس سے برطانوی دارالعوام کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔ برطانوی استعماریت کی بنیادیں ہل گئیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے انقلابی ادب کی افزائش ہو رہی تھی شاعری میں بھی اور نثر میں بھی۔ بنگالی ادب کو لیڈر کی حیثیت حاصل تھی، اردو اور تیلیگو اس سے پیچھے نہیں تھے بلکہ ترقی پسند ادب میں تیلیگو کی

جینت بنگالی کے برابر ہے یا اسے اولیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں اردو زبان پورے ہندوستان کی مشترکہ عوامی زبان تھی جو فارسی اور ناگری رسم الخط میں لکھی اور چھاپی جاتی تھی۔ برج بھاشا یا ٹھیٹھ ہندی صرف ہندو مذہبی تصانیف تک محدود تھی۔

ہندوستان میں جدید علم و دانش کا احیا

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کی تمام تحریری زبانوں میں ایک طرف انقلابی ادب ہاتھ پاؤں نکال رہا تھا۔ دوسری طرف ایک علمی تحقیقاتی ادب جنم لے رہا تھا۔ اور تیسری طرف شعری و افسانوی ادب بناؤ سنگار کر رہا تھا۔ نوک پلک سے سج کر محفل میں آ رہا تھا۔ عرض ہر زبان اپنی تحریر کی سچ دھج میں پورے طور سے گوشش کر رہی تھی۔ بکثرت کتابیں تخلیق ہو رہی تھیں۔ اردو، ہندی، بنگالی اور تیلگو میں تو ایام طفلی ہی میں ادبی شباب کی شان پیدا ہو چکی تھی۔ بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں دنیا کی اعلا زبانوں خصوصاً یورپ کی تعریفی نگاہیں اس کی شان، ادا اور حسن پر پڑنے لگیں تھیں۔ یورپ میں ہندوستانی ادب کے ترجمے اسی زمانے میں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی بقیہ زبانیں انھیں تین چار زبانوں سے متاثر تھیں۔ اور انگریزی میں بھی ہندوستان کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ 1857ء سے قبل شائع ہونے والی اردو زبان کی کچھ کتابیں جو ٹھوس اعلا علمی مواد پر تصنیف ہوئیں خوش قسمتی سے ان کی ایک فہرست مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے انڈیا آفس لائبریری لندن سے 1920ء میں حاصل کر کے شائع کر دیا ہے۔

خلاصہ علم الارض مع انگریزی مطبوعہ کلکتہ 1824ء -

علم ہیئت مترجم لفٹیننٹ میلس مطبوعہ لکھنؤ 1832ء -

مفتاح الافلاک - عبدالسلام - کلکتہ 1836ء

مراة الاقلم

نظام آسمانی

مختصر الاحوال نظام آسمانی - آگرہ 1840ء

مقاصد العلوم ترجمہ انگریزی سے سید محمد کلکتہ 1841ء

- علم حکمت (سیکسن) ۱۸۴۳ء
- ترجمہ ارشمیدس مولوی سید محمد ۱۸۴۴ء
- تحصیل فی جبر الثقیل - سید احمد خاں آگرہ ۱۸۴۴ء
- ترجمہ معاشیات (مل) ترجمہ وزیر علی دہلوی ۱۸۴۴ء
- کھیت کرم مصنف کالی رائے تین حصے . ۱۸۴۶-۴۹-۵۰ء
- اصول العلم و انتظام المدین ترجمہ انگریزی سے دھرم نرائن دہلی ۱۸۴۶ء
- بحر حکمت - اسٹیٹ منجمن کا بیان ریورنڈ بارکن لکھنؤ ۱۸۴۷ء
- توصیف زراعت کلب حسین آگرہ ۱۸۴۸ء
- قانون الطباع (چھاپہ خانہ) سینٹل سنگھ دہلی ۱۸۴۸ء
- جغرافیہ ہند - ترجمہ شیو سروپ نرائن - دہلی ۱۸۴۸ء
- اصول العلم طبعی ترجمہ انگریزی سے اجودھی پارساد شیوپرساد دہلی ۱۸۴۸ء
- مرآة العلوم ہری وومن لال بنارس ۱۸۴۹ء
- فتح گڑھ نامہ احوال ضلع فتح گڑھ کالی رائے دہلی ۱۸۴۹ء
- رسالہ مقناطیسی ترجمہ انگریزی سید کمال الدین دہلی ۱۸۵۰ء
- اصول و قواعد - مائیات ترجمہ اجودھی پارساد دہلی ۱۸۵۰ء
- علم جغرافیہ ترجمہ غلام محمد علی کلکتہ ۱۸۵۱ء
- پند نامہ کاشتکاری موتی لال آگرہ ۱۸۵۲ء
- خلاصہ نظام آسمانی پنڈت داسمی دہرا آگرہ ۱۸۵۳ء
- جغرافیہ کا پہلا رسالہ ترجمہ انگریزی سے میر غلام علی مدراس ۱۸۵۳ء
- ریٹیم کا کیرٹا - موتی لال لاہور ۱۸۵۳ء
- جغرافیہ عالم دہلی ۱۸۵۴ء
- چائے کا باغ لگانے کی کتاب مطبوعہ لاہور ۱۸۵۴ء
- نور النواظر - احمد علی کانپور ۱۸۵۴ء
- خلاصہ الجغرافیہ - آگرہ ۱۸۵۴ء
- بجلی کی ڈاک آگرہ ۱۸۵۴ء

- ہوا کا بیان بنارس ۱۸۵۴ء
 خلاصۃ الصنائع ترجمہ انگریزی سے بھولانا تھہ آگرہ ۱۸۵۴ء
 اصول جراثیم محمد احسن بنارس ۱۸۵۴ء
 ۱۸۵۷ء سے قبل کے کچھ اور مصنفین اور ان کی اہم مطبوعہ تصانیف
 کی اطلاع مختلف ذرائع سے حاصل ہوئی جو حسب ذیل ہیں۔
- مولوی کریم الدین دہلوی ترجمہ تاریخ الغدا ۱۸۰۰ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی حافظ احمد - سراج الایمان ۱۸۰۳ء فورٹ ولیم کالج
 حافظ محمد علی - راہ نجات ۱۸۰۶ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی محمد حیات - سراج الحیات ۱۸۱۲ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی عبدالقادر - گلشن دین ۱۸۱۳ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی خالق اکر آبادی - مخزن الفوائد ۱۸۲۰ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی ولی محمد - میخانہ وحدت ۱۸۲۶ء فورٹ ولیم کالج
 مولوی قادر بخش پانی پتی - مختصر الفوائد ۱۸۲۶ء فورٹ ولیم کالج

سر سید اسکول

۱۸۵۷ء سے کچھ برس پہلے اردو تصانیف کا ایک آفتاب طلوع ہوا جو سر سید احمد خاں کے نام سے مشرق کی تاریخ علم و دانش میں ایک ناقابل فراموش ہستی ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ وہ نہ صرف اکیلا علوم معقولات پر اس قدر گراں مایہ ہے کہ جس پر سب کی علمی تصانیف تولی اور پرکھی جاتی تھیں بلکہ اس کا نام دراصل مصنفین، موفین اور محققین و مترجمین کی ایک بہت بڑی انجمن کا نام ہے۔ یورپ کی ارتقائی لہروں نے جو کتابی دنیا میں دو تین ایسی عظیم ہستیاں پیدا کی ہیں ان کا ہم پایہ یہ ہندوستان کا سر سید احمد خاں ہے۔ نصف صدی سے اوپر زمانے تک جتنے صاحب مقام اردو مصنفین پیدا ہوئے اور جس قدر بلند مرتبہ تصانیف اس طویل زمانے میں وجود میں آئیں سب کی سب خواہ دوستی کا ہو یا دشمنی کا سر سید سے رشتہ ضرور رکھتی ہیں۔ اس کی ذہنی ہستی سے، اس کی نظریاتی شخصیت سے سب کا خوشگوار یا ناخوشگوار ایک تعلق ایک واسطہ یقینی ملتا ہے۔ حدیہ کہ سر سید

کی تصنیفی تحریک کے وسیلے سے ایک باشعور اور متوازن دماغ کی کتابی پیداوار کا سلسلہ نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی تمام ترقی یافتہ زبانوں سے جاری ہو۔ سرسید کتابی نشوونما کی وہ پہاڑ ہے جس کی جلو میں اس قدر گہائے تصنیفات دمیدہ ہوئے کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے۔

اردو کتابوں کے کچھ بڑے بڑے اشاعتی ادارے

اردو مطبوعات کا سب سے قدیم تاریخی ادارہ تو فورٹ ولیم کالج اور گل کرسٹ کی سب سے پہلی اردو سوسائٹی ہے جس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اردو اشاعت گھروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک جو دوسرے اشاعتی ادارے قائم ہوئے۔ وہ بیشتر ہنگامی اور محدود مقاصد کے تحت قائم ہوئے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے علاوہ اردو تصنیف و تالیف کی دوزبردست تعمیری تحریکیں اور دریافت ہوتی ہیں۔ (۱) دہلی کالج جو ۱۸۲۹ء میں قائم ہوا اس سے ڈاکٹر نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی ذکار اللہ جیسے عظیم مصنفین برآمد ہوئے اور اپنے اپنے طرز کے ادب و انشا کا سکہ چلایا۔ دوسری محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ہے جو ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔ اس کے ذریعہ علی گڑھ کی اردو تصنیف و تالیف اور ترجموں کا گراں مایہ کام شروع ہوا۔ اس ادارے سے سرسید کے رفقا، کار حالی، شبلی، شہر اور دوسرے اس عہد کے عظیم مصنفین کی مطبوعات شائع ہوئیں۔ اسی زمانے میں نو لکھنؤ کا مطبع اور اشاعت گاہ لکھنؤ میں قائم ہوئے اور اتنے بڑے پیمانے پر بیش بہا کتابوں کی اشاعت طویل زمانے تک ہوتی رہی کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے۔

اس کے بعد بیسویں صدی کے آغاز سے جو بڑے بڑے ادارے اردو کی خالص علمی اور ادبی تعمیر کے لیے قائم ہوئے ان میں گسر بر آدرہ حسب ذیل ہیں:-
انجمن ترقی اردو :- ۱۹۰۳ء میں حیدرآباد دکن میں قائم ہوئی۔ ۱۹۱۳ء میں مولوی عبدالحق اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور ان کی ناقابل فراموش کوششوں سے وہ پورے ہندوستان کا سب سے موقر اردو اشاعتی ادارہ بن گیا۔ ۱۹۴۷ء میں مولوی عبدالحق کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ ادارہ اورنگ آباد سے علی گڑھ منتقل

ہو گیا جہاں قاضی عبدالغفار اور ان کے بعد آل احمد سرور کی سرکردگی میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا آج کل دہلی منتقل ہو کر ڈاکٹر خلیق انجم کی نظامت میں بروئے کار ہے۔ کثیر تعداد میں قابل قدر علمی ادبی تصانیف، عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبان سے قیمتی مواد کے ترجمے اس ادارے سے شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی اردو کی قدیم مشہور لخت مرتبہ مولانا عبدالرحمن امجدی کی دین ہے اسکے علاوہ نعت دار ہماری زبان اور ایک سہ ماہی جریدہ، اردو ادب اسٹیج جاری ہے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ:۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں دوسرا ممتاز ادارہ

ہے جس کے قیام کا منصوبہ اصل میں مولانا شبلی نعمانی نے بنایا تھا لیکن سخت علالت کے بعد

مولانا کا انتقال ہو گیا اور مولانا سید سلیمان ندوی نے 1915ء میں اسے قائم کیا۔ مولوی

عبدالماجد دریابادی، شاہ معین الدین ندوی، صباح الدین عبدالرحمن وغیرہ اس کے

انگراں کار رہے۔ سنجیدہ علمی ادبی اور تاریخی بلند پایہ تحقیقاتی کتابوں کی توسیع و اشاعت

میں یہ ادارہ ایک ممتاز مقام پر رہا ہے۔ ایک علمی ادبی رسالہ 'معارف' اس سے اجرا ہوتا ہے۔

دارالترجمہ عثمانیہ حیدرآباد:۔ 1917ء میں حکومت نظام حیدرآباد کن

کی سرپرستی میں عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت اس کا قیام عمل میں آیا۔ تمام علوم و فنون کو انگریزی

زبان سے اردو میں منتقل کرنا اس کا اولین مقصد رہا ہے۔ اس سلسلے میں طبعیات ریاضی

فلسفہ میڈیکل اور انجینئرنگ کی کتابیں کثیر تعداد میں ترجمہ ہو کر اسی ادارہ سے شائع ہو چکی

ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کو 1920ء میں مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں

اور ڈاکٹر انصاری نے اولاً علی گڑھ میں اس مقصد سے قائم کیا تھا کہ اردو میں آزاد ذہن کے

ہندوستانی مسلمان اس ادارے سے پیدا ہوں، جامعہ میں اعلیٰ علوم کے لیے ذریعہ تعلیم اردو

تھا بعد میں دہلی منتقل ہو گیا۔ اس سے وابستہ ایک کتابی اشاعت کا ادارہ مکتبہ جامعہ

کے نام سے قائم کیا گیا تاکہ وہ پرانے درجوں سے ڈگری کالج کے درجوں تک تعلیمی نصاب

کی کتابیں جامعہ ملیہ کو فراہم کرے۔ اس مقصد کے تحت گذشتہ پچاس برس سے نہ صرف

درسیات کی نصابی کتابیں بلکہ دیگر اعلیٰ مطالعہ کی مختلف علوم و ادبیات پر کتابوں کا بہت

بڑا سرمایہ اب تک اس ادارے سے شائع ہو کر بازار میں آچکا ہے۔

ہندوستانی اکادمی الہ آباد:۔ 1927ء میں منشی دیانرائن نغم ایڈیٹر

زمانہ کانپور نے قائم کی۔ اس کے اولین صدر سر تیج بہادر سپرو اور سکریٹری اصغر گوندوی تھے اور ڈاکٹر تارا چند ہوئے۔ اردو اور ہندی کا مشترکہ ادب ہندوستانی زبان کے ہر دو علوم خط میں شائع کرنا اس ادارے کا بنیادی مقصد رہا ہے خصوصاً زبان و رسم الخط کی اصلاح جس کے تحت شمالی ہندوستان کی ممتاز علمی ادبی شخصیتیں اور لسانی ماہرین اس کے رکن رہے اور عرصہ دراز تک گراں قدر اشاعتی خدمات انجام دیں ہندوستانی کے نام سے ایک میگزین بھی نکلتا رہا۔

ادارہ ادبیات اردو :- ڈاکٹر محی الدین زور قادری کی مساعی جمیلہ سے 1931ء میں حیدرآباد آندھرا میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ اپنی باوزن علمی اور ثقافتی تخلیقات کا ہندوستان میں اردو کا ایک عظیم الشان سرگرم مرکز بن گیا جو بہت سے شعبہ جات کے ذریعہ کچھ اہم خدمات انجام دے رہا ہے مثلاً تنقید و تحقیق - تالیف و ترجمہ، تاریخ تمدن دکن،

نشر و اشاعت انسانی کلویپیڈیا کی تیاری وغیرہ۔ اب تک چھوٹی بڑی دو سو پچاسی کتابیں اس ادارے سے شائع ہو چکی ہیں۔ کتب خانے میں پچیس ہزار مطبوعہ کتب اور پانچ ہزار قلمی نسخوں کا نہایت قیمتی مواد ہے 1937ء سے ایک ماہنامہ سبرس کا اجرا ہوتا ہے۔

جامعہ اردو علی گڑھ :- 1939ء میں بزم اقبال آگرہ کے تحت

اس کا قیام عمل میں آیا۔ 1947ء سے علی گڑھ میں اردو تعلیم کا کام نہایت استحکام اور سرگرمی سے انجام دے رہا ہے۔ اس نے اردو امتحانات کے اب تک 175 مرکز قائم کیے ہیں اور پچتر اردو کے تعلیمی ادارے ہیں جن کے درسی نصاب کی حسب ضرورت کتابیں بھی برابر شائع ہو رہی ہیں یہ ایک بڑے پیمانے پر اردو کی بنیادی خدمت کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا نامور اشاعتی اداروں کے علاوہ کچھ اہم ادارے اور بھی ہیں جو اردو کتابوں کی اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مثلاً علمی ادبی اور مذہبی کتابیں شائع کرنے والا ادارہ ندوۃ المصنفین جو کتابیں شائع کرنے کے علاوہ ایک رسالہ برہان بھی سید سعید احمد اکبر آبادی کی نگرانی میں اجرا کرتا ہے یا انجمن اسلام بمبئی جس کے تحت تحقیقات و تصنیفات کا کام ہوتا ہے اور اعلامیاری کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کا اجرا سید نجیب اشرف ندوی کی ادارت میں ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء ایک اعلا پائے کی دینی اور علمی ادبی درس گاہ ہے جس میں یونیورسٹی

کی منزل پر عربی، فارسی اردو کی تعلیم کے ساتھ قیمتی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت بھی ہوتی ہے۔ ان کے ماسوا بکثرت بڑے بڑے اردو کے اشاعتی ادارے اور بھی ہیں جو تجارتی نقطہ نظر سے خاص و عام کی دل چسپی کے لیے نہایت دیدہ زیب و دلکش طباعت کی کتابیں مختلف موضوعات پر مسلسل شائع کر رہے ہیں۔

اردو کی طباعت و اشاعت کے مسائل

طباعت اور اشاعت کے مسائل یوں تو تقریباً سبھی زبانوں میں ہوتے ہیں لیکن اردو میں ان کی نوعیت مقابلتاً کہیں زیادہ سنجیدہ ہے۔ سب سے اہم مسئلہ اردو میں کتابت کا ہے۔ اردو میں ٹائپ مروج نہ ہونے کی وجہ سے چھپائی کے کام میں بڑی سست رفتاری ہے۔ ایک دوسرا اہم مسئلہ محدود تعداد اشاعت ہے۔ اردو عموماً کسی کتاب کا ایک ایڈیشن چند سو کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور فروخت کے ناقص طریقے کی وجہ سے وہ بھی نہیں نکل پاتا۔ جس کے نتیجے میں اردو کا پبلشر اور مصنف دونوں گھائے میں رہتے ہیں۔ اردو کی راہ میں ان مشکلات پر غور کرنے کے لیے نیشنل بک ٹرسٹ نے 1977ء میں ایک سیمینار سری نگر میں منعقد کیا تھا۔ سیمینار میں ملک کے مختلف گوشوں سے مصنفین، مترجمین، مرتبین، ناشرین، کتب فروش اور لائبریرین شریک ہوئے تھے۔ سیمینار میں چند مقالے پیش ہوئے اور بحث و مباحثہ کے بعد کچھ سفارشات مرتب ہوئیں۔ ان سفارشات میں درج ذیل خصوصی توجہ کی محتاج ہیں۔

1۔ اردو کتابی صنعت کی فروغ کے لیے اردو ناشرین اور کتب فروشوں کی ایک

کل ہند انجمن کا قیام۔

2۔ کتابوں کی طباعت پر لاگت کم کرنے کے لیے دوسری زبان کے ناشرین کے

تعاون سے کتابیں شائع کی جائیں۔ اور اردو کلب قائم کیے جائیں۔

3۔ اخبارات اور رسائل میں اردو کتابوں پر تبصرہ کے لیے زیادہ جگہ فراہم کی جائے۔

4۔ مرکزی پارلیمانی حکومتوں سے امداد پانے والے ادارے اور لائبریریاں

موصولہ امداد کا ایک متعین حصہ اردو کتابوں کی خرید پر صرف کریں۔

5۔ مناسب وقفہ کے ساتھ اردو کی کتابوں کی کل ہند نمائش کا بندوبست ہو۔

6 — کتابی صنعت میں کام کرنے والوں کے پیشہ ورانہ معیار کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کتابیں چھاپنے، ان کی تقسیم کاری اور اس طرح کے دوسرے موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر وقتاً فوقتاً سیمینار اور تربیتی کورس منعقد ہوں۔

ترقی اردو بورڈ

اردو میں اعلیٰ اور علمی سطح کی کتابوں کی تیاری کے لیے حکومت نے 1969 میں ترقی اردو بورڈ کی تشکیل کی تھی۔ ابتدا میں بورڈ وزارتِ تعلیم کے سنٹرل ہندی ڈائریکٹریٹ کے ایک حصہ کی طرح کام کرتا تھا لیکن بورڈ کی بڑھتی ہوئی مصروفیات اور دائرہ کار میں روز افزوں وسعت کے پیش نظر 1972 میں ایک بیورو فار پروموشن آف اردو کا قیام عمل میں آیا جو بورڈ کے سکرٹریٹ کا کام کرتا ہے۔ شروع میں بورڈ کے چیئرمین وزیرِ تعلیم جناب وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راوتھے اور وائس چیئرمین جناب پروفیسر محمد مجیب، وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ تھے۔ 1974 میں بورڈ کے چیئرمین پروفیسر عبدالعلیم، سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہوئے اور ان کے انتقال پر 1976 میں جناب حیات اللہ انصاری بورڈ کے نئے چیئرمین مقرر ہوئے۔ حال ہی میں بورڈ کی تشکیل میں مزید تبدیلی کی گئی۔ اب بورڈ کے چیئرمین کے فرائض وزیرِ تعلیم انجام دیتے ہیں پروفیسر آل احمد پورہ اس کے وائس چیئرمین مقرر کیے گئے ہیں۔ بیورو کی سربراہی کے لیے ایک ڈائریکٹر کی جگہ قائم کی گئی جس پر جناب شمس الرحمن فاروقی کام کر رہے ہیں۔ بورڈ نے اردو زبان کی ترویج کے لیے بہت سے منصوبے بنائے ہیں جن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔

اصطلاحات سازی:۔ اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اردو میں کالج اور یونیورسٹی سطح کی کتابیں دستیاب ہوں۔ طبع زاد کتابوں کی تیاری میں دیر ہونے کے پیش نظر یہ ضروری محسوس ہوا کہ مختلف معیاری کتابوں کے ترجمے کرائے جائیں۔ لیکن ترجمے کے کام کے ساتھ اس کی بھی ضرورت تھی کہ مختلف علوم کی اصطلاحات متعین کی جائیں۔ چنانچہ بورڈ نے اٹھارہ مضامین سے متعلق اصطلاح ساز کمیٹیاں مقرر کی ہیں جن میں فن کے ممتاز ماہرین شامل ہیں۔

اردو لغات:۔ اردو میں انگریزی اور اردو لغت اور اردو لغت

کبے حد کمی ہے۔ مولوی عبدالحق کی لغت کے بعد اب تک کوئی معیاری لغت نہیں تیار ہو سکی ہے۔ اس کے پیش نظر بورڈ نے ایک انگریزی اردو اور اردو، اردو لغت کی تیاری کے لیے ماہرین کی کمیٹی بنائی ہے۔ انگریزی اردو لغت کی تین جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔ اسی طرح اردو اردو لغت کے لیے بھی ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی ہے۔ لغت کا نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا :- اردو زبان میں انسائی کلو پیڈیا کی کمی ایک مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ آزادی سے پہلے انگریزی کے مختلف انسائی کلو پیڈیا کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوششیں ہوئیں جو نامکمل رہیں۔ بورڈ نے بارہ جلدوں پر مشتمل ایک انسائی کلو پیڈیا مرتب کرنے کی اسکیم بنائی ہے۔ اس کی چار جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔

خوشنویسی کی تربیت :- ہندوستانی زبانوں میں اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی طباعت ابھی تک کتابت کی رہن منت ہے۔ اردو میں ٹائپ کو رواج دینے کی مختلف کوششیں اب تک کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ اس مخصوص ضرورت کے پیش نظر بورڈ نے ملک کے مختلف حصوں میں خوشنویسی کی تربیت کے مراکز قائم کیے ہیں۔ جہاں کتابت کی تربیت ہوتی ہے۔ اعلیٰ خطاطی کی تربیت کے لیے دہلی میں ایک مرکز ہے جہاں خط بہار، خط ثلث، خط کوفی، خط غبار وغیرہ لکھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

بیلو گرافی :- بورڈ نے اردو میں چھپائی کے آغاز سے اب تک چھپی ہوئی اردو کی کتابوں پر مشتمل ایک جامع بیلو گرافی مرتب کرنے کا منصوبہ بھی بنایا ہے۔

ریاستی اردو اکادمیاں

اردو زبان و ادب کی اشاعت اور ترویج کے لیے پچھلے چند سالوں میں مختلف ریاستوں میں اردو اکادمیاں قائم ہوئی ہیں۔ اتر پردیش، مہاراشٹر، آندھر پردیش، بہار، راجستھان میں قائم اردو اکادمیاں مختلف سطح پر اردو کی اشاعت کا کام کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں کارگزاری اردو ادبوں کی مالی معاونت، ریاست میں قائم اردو کتب خانوں کو نقدی امداد، اور اردو کی اچھی اور معیاری کتابوں کو انعام دینا ہے۔ کچھ ریاستوں سے رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کے عملی اقدامات

کے نتیجے میں اردو پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع ہوگا۔ اور اس سے اردو کی کتابوں کی نکاسی کے لیے میدان ہموار ہوگا۔ ساتھ ہی اچھی اور معیاری کتابیں جنہیں نجی ادارے کم منافع کے خیال سے نہیں چھاپتے ہیں اکاڈمی کے تعاون سے ان کی طباعت و اشاعت ہو سکے گی۔

چوتھا باب

کتابی صنعت کے میدان میں

جدید ہندوستان کا مقام

ہندوستان کو 15 اگست 1947ء کو برطانوی نوآبادیاتی حکومت سے آزادی ملی اور 26 جنوری 1952ء تک اس نے اپنا دستور حکومت تیار کر کے نافذ کیا جس میں تمام تہذیبی اور علمی صنعتی اور تجارتی ترقیوں کے پیش نظر کتب سازی کی صنعت اور کتابوں کی تجارت کا بھی ایک منصوبہ تیار کیا گیا جس پر تدریج عمل کرتے ہوئے گزشتہ سات آٹھ سال میں ہندوستان نے عالمی تجارت میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ہے۔

ہندوستان میں کتاب سازی اور طباعت و اشاعت کی نئی رفتار

70-1969ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں کتابوں کی تعداد اشاعت نیشنل لائبریری کلکتہ کے ذریعہ معلومات سے حسب ذیل ہے:-

60	سنسکرت	192	آسامی
260	اردو	1048	بنگالی
554	کنڑ	4668	انگریزی
515	ملیالم	740	گجراتی
953	تامل	2641	ہندی
739	تیلیگو	1134	مراٹھی
19	دیگر	209	اڑیا
		419	پنجابی

ہندوستان کے جدید ناشرین کتب اور ان کی حالیہ اشاعتی سرگرمیاں

یونیسکو کے اعداد شمار کے مطابق ہندوستان دنیا کے کتابیں چھاپنے والے ملکوں میں تیسرے مقام پر ہے۔ ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے بڑی تعداد انگریزی زبان میں چھپنے والی کتابوں کی ہے۔ پچھلے چند برسوں سے یہ صورت حال بدل رہی ہے اور کل کتابوں میں انگریزی کا مقام گھٹ رہا ہے۔ لیکن ابھی صورت حال کچھ اس طرح کی ہے۔ 73-1972ء میں چھپنے والی 17020 کتابوں میں 7314 کتابیں انگریزی کی ہیں جبکہ ہندی کی صرف 2825 کتابیں ہیں اور ہندی مراٹھی، بنگلہ کوچھوڑ کر باقی زبانوں کی کتابوں کی تعداد بمشکل چند سو تک پہنچ پاتی ہے۔ اردو زبان کی تعداد بہت کم یعنی 323 ہے اس میں شک نہیں کہ اردو کی کتابوں کے متعلق اعداد و شمار کو مزید توجہ سے جمع کرنا ہوگا۔ خصوصاً اس پر غور کرتے وقت کتاب کو سنٹرل ریفرنس لائبریری اور چند دوسری لائبریریوں میں قانونی ضروریات کی پابندی کے تحت بھیجنے کے قانون پر بھی غور کرنا ہوگا۔

ہندوستان میں چھپنے والی کتابوں کی پہلی چھپائی کے وقت تعداد بھی بین الاقوامی معیار سے بہت کم ہے۔ چنانچہ جہاں باہر کے ملکوں میں اوسط تیرہ ہزار نسخوں کی طباعت کا ہے۔ ہندوستان میں یہ طباعت ایک ہزار نسخوں ہی پر مشتمل ہوتی ہے۔ مضمین کے لحاظ سے ملک میں چھپنے والی کتب میں بیشتر سماجی علوم اور ادب کے موضوعات پر ہوتی ہیں۔ سائنسی علوم پر بمشکل دس فی صد کتابیں چھپ پاتی ہیں۔ جبکہ امریکہ میں ان کا حصہ پچیس فی صد اور روس میں 54 فی صد ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستانی چھوٹے بڑے کل ملا کر 12200 اشاعتی ادارے ہیں۔ جن میں دو سو بڑی کمپنیاں ہیں۔ انگریزی حکومت ہندوستان میں وسعت پذیر ہونے اور انگریزی زبان نظام تعلیم میں راج ہونیکے بعد ملک میں کتابوں کی مانگ بے حد تیزی سے بڑھی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں برطانیہ کی چند فرموں نے ملک میں موجود کتابوں کی مانگ کا اندازہ لگا کر یہاں اپنی طباعت کی سرگرمیوں کو شروع کیا۔ ان میں میکملنس لانگ مینس اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اولین مطابع ہیں جو ملک میں انگریزی

نظام کے تحت پیدا شدہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے 1903 اور 1912ء کے درمیان میں قائم ہوئے۔ شروع میں انہوں نے اپنے دائرہ کار کو انگلستان سے چھپی ہوئی کتابوں کی درآمد کے کاموں تک محدود رکھا۔ اندرون ملک قومی تحریک سے متاثر ہو کر بھی چند مطابع قائم ہوئے جن میں مدراس کی فرم نیلسن اینڈ کمپنی، ہند کتاب، پدم پبلشر وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں لیکن وسائل کی کمیابی، بحر بے کمی اور خود کو تجارتی اصولوں کو منظم نہ کر کے مقصد کے تحت کتابیں چھاپنے تک خود کو محدود کر لینے کی وجہ سے جلد ہی انہیں کام بند کر دینا پڑا۔ آزادی کے بعد جب تعلیم کے دامن میں وسعت ہوئی، نئی یونیورسٹیاں کھلیں اور کتابوں کی مانگ میں بے پناہ اضافہ ہوا تو ملک میں نجی اداروں میں مطابع کھولے گئے۔ ان میں بڑے پیمانے پر کام شروع کرنے والی فرموں میں سرفہرست نام ایشیا پبلشنگ ہاؤس کا ہے۔ چند ہی سالوں میں الائیڈ پبلشرس، پاپولر پبکیشن ورلڈ پریس جیسی فرمیں وجود میں آگئیں۔ وکاس پبلشنگ ہاؤس منظر شہود پر آیا اور دیکھتے دیکھتے ملک کے چند ممتاز اشاعتی اداروں میں اپنا مقام سرفہرست بنا لیا۔

آزادی کے بعد سے کتابوں کی اشاعت کے میدان میں سب سے نمایاں رول خود سرکاری اداروں نے ادا کیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں چھپنے والی کل کتابوں میں سے بیس فی صد کتابیں سرکاری مطابع کی ہوتی ہیں۔ ملک میں چار سو ادارے ہیں جو سرکاری سطح پر کتابیں چھاپ رہے ہیں۔ اس طرح ہندوستان میں اشاعت کتب کی صنعت میں حکومت بلا واسطہ اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اثر بلا واسطہ بھی ہے۔ چنانچہ کاغذ کی ملوں پر کنٹرول کتابوں کی درآمد برآمد کی پالیسی کے تعین کے راستے اور ٹیکسٹ بک یا نصابی کتابوں کی اشاعت کر کے حکومت ملک کی اشاعتی صنعت پر گہرا اثر مرتب کر رہی ہے۔ وزارت اطلاعات و نشریات کے محکمہ اشاعت یا پبلیکیشن ڈویژن سے بڑی تعداد میں ہر سال کتابیں چھپتی ہیں۔ اشاعت کے میدان میں دوسرا نیم سرکاری اشاعتی ادارہ نیشنل بک ٹرسٹ ہے۔ نیشنل بک ٹرسٹ 1957ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کا سالانہ بجٹ تقریباً پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ ٹرسٹ سال میں تقریباً دو سو کتابیں چھاپتا ہے۔ اس نے بچوں کے لیے کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ اسی طرح سیاسی سماجی ثقافتی اور سائنسی میدان میں قومی لیڈروں کی سوانح عمری کا ایک سلسلہ کتب ہے۔

یونیورسٹی سطح کی کتابوں کی تیاری کے لیے ٹرسٹ مالی امداد بھی دیتا ہے۔ انڈین کونسل آف سوشل سائنس ریسرچ ایک دوسرا ادارہ ہے جو اعلامیہ خاصاً یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے منظور شدہ مسودات کی اشاعت کے لیے نجی اداروں کو مالی امداد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ساہتہ اکاڈمی، سنٹرل ہندی ڈائرکٹریٹ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، انڈین کونسل آف ایگریکلچرل ریسرچ، کونسل آف سائنٹیفک اینڈ سٹریٹل ریسرچ جیسے مرکزی ادارے ہیں جو حکومت کے اشاعتی پروگرام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ سر دست اردو کا سب سے بڑا ادارہ ترقی اردو بورڈ ہے جو مرکزی حکومت نے اردو کی ترقی کے لیے قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ ہر سال ساٹھ کے لگ بھگ کتابیں شائع کرتا ہے۔ ترقی اردو بورڈ نے ادبی اور علمی کتابوں کے علاوہ تکنیکی موضوعات پر بھی کتابیں شائع کی ہیں۔ بورڈ نے فن طباعت پر بھی ایک مبسوط کتاب شائع کی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق ہندوستان ہر سال سات کروڑ کی مالیت کی کتابیں درآمد کرتا ہے۔ یہ ایک بڑی رقم ہے اور اس میں بچت کے امکانات ہیں۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہی کتابیں اگر ہندوستان میں طبع ہوں تو ان کی چھپائی اور جلد بندی پر خرچ ہونے والی رقم میں خاصی کفالت ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں ان کتابوں کے چھاپنے کی راہ میں مشکلات پر قابو پانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ ان ممالک سے جہاں سے ملک میں کتابوں کی ایک بڑی مقدار درآمد ہوتی ہے، کسی قسم کا بند و بست کیا جائے۔ اس خیال کے تحت حکومت نے روس، امریکہ، برطانیہ کی حکومتوں کے مشورہ سے کچھ ایسے منصوبے بنائے ہیں جن کے تحت ان ممالک کی سائنسی اور تکنیکی موضوعات کی کتابیں ہندوستانی ناشرین کے اشتراک سے ہندوستان میں طبع کرائی جائیں۔ اس اسکیم کے تحت ایک جوائنٹ انڈوسٹریٹ ٹیکسٹ بک پروگرام ہے جس کے تحت روس کی چھپی ہوئی تکنیکی کتب کو ہندوستانی ناشرین طبع کر سکتے ہیں۔ برطانوی کتابوں کے لیے ELBS اسکیم ہے۔ جسے برطانوی گورنمنٹ نے شروع کیا ہے اور جس کے تحت برطانیہ میں چھپنے والی کتابوں کے سستے ایڈیشن ہندوستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں مہیا کیے جاتے ہیں۔ امریکن کتابوں کے لیے پی ایل 480 ٹیکسٹ بک پروگرام کے تحت امریکن کتابوں کے ہندوستانی ایڈیشن ہندوستان میں ہی چھاپے جاتے ہیں۔

اس پروگرام کے تحت چھپنے والی کتابوں کا انتخاب مرکزی وزارت کی ایک مشاورتی کمیٹی میں ہوتا ہے۔ اب تک تقریباً ایک ہزار کتابیں اس اسکیم کے تحت چھپ چکی ہیں۔ برطانوی اسکیم کے برعکس جہاں کتابوں کا انتخاب اور اشاعت خود برطانیہ میں ہوتی ہے۔ اس اسکیم میں کتابوں کا انتخاب اور اشاعت دونوں کام ہندوستان میں ہوتے ہیں۔

امریکہ اور برطانیہ میں یونیورسٹی پریس کا ناشرین کی صف میں ایک خاص مقام ہے۔ ہندوستان میں بھی یونیورسٹی پریس کی روایت ملتی ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی پریس ملک کا سب سے قدیم پریس ہے جو 1909ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بمبئی، مدراس دہلی اور علی گڑھ یونیورسٹی کی روایت بھی کافی قدیم ہے۔ خصوصاً علی گڑھ یونیورسٹی پریس ہے جہاں انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی کتابیں چھپتی ہیں۔

پانچواں باب

بیسویں صدی میں تمام علوم کی عالمی پیمانے

پر غیر معمولی ترقی

پانچ سو برس پہلے علم ایک شجر تھا اور اس میں کچھ شاخیں تھیں جن میں جدا جدا قسم کے پھول الگ الگ ذائقوں کے پھل ہوتے تھے۔ مایوں نے ہر شاخ کی قلم کاری کر کے اس عرصے میں اس قدر ترقی دی کہ ہر ٹہنی ہر ایک ڈال سے نوع بہ نوع بے شمار اشجار پیدا ہو کر جدا جدا شعبہ ہائے علم و حکمت کے بہت بڑے باغات تیار ہو گئے اور علم نے اس قدر وسعت اختیار کر لی کہ پانچ سو برس پہلے ایک ذہن جس شجر کی ایک ایک ڈال کو چھو لیتا تھا اور ہر شاخ کے پھل کا ذائقہ معلوم کر لیتا تھا۔ اب کسی فرد بشر کے لیے سلسلہ در سلسلہ اس شجر کی پیوند کاری سے پھولے پھلے تمام باغات میں سفر کرنا اور ہر باغ کے درختوں کا شمار کرنا ہی ناممکن ہے۔ ان کی سب شاخوں پر پہنچ کر پھل چکھنا تو درکنار۔ واضح ہو کہ اس مدت میں ہر شعبہ علم نے جس قدر ترقی کی۔ جس کثیر تعداد میں اس کے ثمر پیدا ہوئے یعنی ان پر کتابیں لکھ کر شائع ہوئیں، اسی قدر شائقین علم بھی پیدا ہو گئے۔ بلکہ نسبتاً اس سے بھی بہت زیادہ کیونکہ آج کی دنیا کو اس بات کی بہت شکایت ہے کہ کتابیں پڑھنے والے بہت زیادہ ہیں اور کتابوں کی سخت قلت ہے۔ پورے کرہ ارض پر کتابی پیداوار کی جو تازہ ترین اطلاعات فراہم ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہر منٹ پر بلکہ اس سے بھی کم وقفے میں ایک نئی کتاب جنم لیتی ہے۔ ایک نیا ٹائٹل چھپ جاتا ہے۔ چنانچہ 1976ء کی آئی۔ بی۔ آئی کی سالانہ رپورٹ میں عالمی کتابی پیداوار کے دوران سال جو اعداد و شمار ہوئے ہیں، ان کے مطابق 1976ء میں پانچ لاکھ اکسٹھ ہزار نئے ٹائٹل وجود میں آئے جو تقریباً آٹھ ہزار ملین یا آٹھ ارب جلدوں پر مشتمل تھے۔ بیس سال قبل 1956ء میں پیداوار

کتب کے عالمی اعداد و شمار سے مقالہ کرتے ہوئے دریافت ہوتا ہے کہ نئے ٹائٹل کی افزائش میں گونا گونا گوں کتابوں کی تعدادی پیداوار میں تین گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

ایک چیلنج

اس کے باوجود دنیا کے مختلف حصوں سے پچھلے دس برس سے کتابوں کا قحط اور کتاب کی بھوک کی صدائیں سننے میں آرہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عرصے میں نہ صرف کتابیں پڑھنے والوں کی تعداد گنی ہو گئی ہے۔ بلکہ فی کس کتابوں کا مطالبہ اسی نسبت سے بڑھا ہے اور مہناموں میں تنوع کا شخصی مذاق کثرت مطالعہ کار حجام نئے علوم کی دریافتیں اور ان کے بارے میں جانکاری کی عمومی خواہش ان سب میں تیز رفتار ترقی ہوئی ہے اور پوری ہے۔ کتابوں کے قحط کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ کتابوں کی مجموعی پیداوار کا فائدہ دنیا کے ہر حصے کے شائقین کتب اور طالبین کو یکساں طور پر نہیں پہنچتا۔ کل پیداوار کا تین چوتھائی حصہ یورپ، شمالی امریکہ اور روس کے استعمال میں آجاتا ہے یعنی تیس ممالک جن کی مجموعی آبادی دنیا کی آبادی کی صرف تیس فی صدی ہے پوری کتابی پیداوار کا اسی فی صدی حصہ منقسم کر جاتے ہیں۔ اس پر بھی ان کی اشتہائے کتب بھڑکتی رہتی ہے اور فرداً فرداً انواع و اقسام کی کتابوں کے مطالبے اپنی لائبریریوں اور کلبوں سے کرتے رہتے ہیں

ایک زمانے میں برٹش محنت و ریاضت سے جب ایک مصنف کتاب لکھ کر تیار کرتا تھا تو اس کی چھپائی اور نشر و اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ صرف چند ہستیوں تک اس کی معلومات مفید رہتی تھیں۔ باقی لوگ ان سے لاعلم اور محروم رہتے تھے۔ پھر چھاپنے والے پیدا ہوئے کتابیں چھپنے میں سہولتیں پیدا ہوئیں اور غیر مطبوعہ تصانیف ڈھونڈ کر چھاپی گئیں تو پبلشر کتابیں پڑھنے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ پڑھنے والے کم تھے یا ان میں کتاب خریدنے کی طاقت نہ تھی۔ پبلشروں نے کتابیں پڑھنے والوں کے کلب اور لائبریریاں قائم کرائیں اور ان کو کتاب پڑھنے کا شوق بھی طرح طرح کی تدبیروں سے پیدا کر لیا اب صورت حال یہ ہے کہ کتابوں کی چھپائی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے مگر کتابوں کی طباعت پڑھنے کی رفتار سے اب بہت پیچھے ہے۔ جن لوگوں کو ترغیب دے کر کتاب

پر پڑھنے والوں کے کلب اور لائبریریوں کا ممبر بنایا گیا تھا اور ان کے شوق کی کتابیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لی گئی تھی وہ کتابوں کیلئے زیادہ سے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہیں لیکن کتابیں ان کی خواہش کے مطابق نہیں مہیا ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں چھاپنے اور نشر و اشاعت کرنے والوں کے پیشے کے لیے ایک سخت چیلنج ہے۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے

اس چیلنج کو پورا کرنے کی دو کٹھن منزلیں ہیں۔ ایک تو اتنی کثیر تعداد میں کتابوں کی پیداوار کے اسباب فراہم کرنا۔ سب سے پہلے کاغذ کی پوری مقدار مہیا کرنے کی تدبیر۔ پھر ہر قسم کے مواد و موضوع پر حسب منشا لاکھوں کتابیں ہر سال لکھنے کے لیے مصنف تلاش کرنا اور ان سے کتابیں تصنیف کرانا یہ دشوار کام ہے۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لیے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ ترجمہ کرنا از سر نو تصنیف کرنے سے زیادہ آسان اور زود تر ذریعہ ایک موضوع پر کتاب پیدا کرنے کا ہے۔ اور ہر شے کے متعلق علم کی تکمیل کا ایک معقول وسیلہ بھی ہے۔ مختلف قوموں، ملکوں کے عالم مل کر جس قدر علم و دانش کو احاطہ کر سکتے ہیں اس قدر کسی ایک قوم اور زبان میں محیط نہیں ہو سکتا۔ لہذا موجودہ زمانے میں خصوصاً حالیہ دس برسوں میں ایک زبان کی کتابوں کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا کام جتنے بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ کتاب کی پوری تاریخ میں اتنی زیادہ کتابوں کے ترجمے کا کام کبھی نہیں ہوا تھا۔ حلال کہ دنیا کی تمام مہذب اور ترقی پذیر قومیں عہد قدیم سے ایک زبان سے دوسری زبان میں علوم و حکمت اور ادب و دانش کو ڈھالنے اور منتقل کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہی ہیں۔ موجودہ زمانے میں نہ صرف ترجمے کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہوا بلکہ دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان میں کتاب کی تصنیف کا کام بھی کم نہیں ہوا۔ اس وقت دنیا میں ہر سال اوسطاً پانچ لاکھ نئی کتابیں مجموعی طور پر تصنیف ہو رہی ہیں جن کا آٹھ فی صد ترجمہ کیا جاتا ہے۔ یونسکو کے اعداد و شمار کے مطابق 1968ء میں عالمی اشاعت کتب میں چھتیس ہزار آٹھ سو آٹھ کتابیں ترجمہ کی ہوئی تھیں۔ مختلف ممالک میں ترجمے کے کام کی سرگرمیاں حسب ذیل ہیں۔

2145	جاپان	3607	سوویت روس
2035	فرانس	3027	جرمنی ڈیجا کرٹیک ریپبلک
1942	نیدرلینڈ	2538	اسپین
1688	اطالیہ	2182	ریاستہائے متحدہ امریکہ

روز افزوں ترقی کرتی ہوئی تعداد مطبوعات کے لیے جگہ کا مسئلہ

الغرض کتابیں طباعت و اشاعت کرنے والوں نے ملکوں ملکوں میں اور ہر ہر زبان میں جیسے کیسے تمام قسم کے مواد و موضوع پر کتابیں وجود میں لا کر کتابوں کے بھوکے انسانوں کو اطلاع دے دی کہ گھبرائیے نہیں سب کے لیے کتابیں ہیں (Books of All) یونسکو نے اس طرح چیلنج کے ایک حصے کو پورا کر لیا کہ کتابیں موجود ہیں۔ مگر فارمی کو جس کتاب کی ضرورت ہے وہ اسے ملے کس طرح۔ ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد نئی کتابیں تو ایک ہی سال میں پیدا ہوئیں۔ پرانے ایڈیشن بھی نکلے ہوں گے اور کتب خانوں میں زمانہ دراز سے کتابیں اکٹھا ہوتی رہی ہیں۔ بڑی بڑی لائبریریوں میں کتابوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اس ذخیرے میں جو لاکھوں کتابوں کا اضافہ ہو رہا ہے انہیں رکھا کہاں جائے اور اس قدر کثیر تعداد میں متنوع موضوعات پر ایک مربوط کٹیلاگ کیونکر تیار کیا جائے جو ذخیرے میں موجود کسی بھی کتاب کی فوراً نشان دہی کر سکے۔ اس کے مواد کی اطلاع بہم پہنچا سکے۔ یہ دوسری نہایت کٹھن منزل کتابی دنیا کا نظم و نسق سنبھالنے والوں کے سامنے ہے۔ انہیں آج نہ صرف تمام مطبوعہ کتابیں، بلکہ تمام اخبارات جرائد و رسائل قلمی کتابیں۔ کتبے۔ لوحیں۔ مکتوبات و ملفوظات کا سارا اثاثہ جا بجا محفوظ کرنا ہے اور مطالعہ کرنے والوں کو ذخیرے میں سے نکال کر فوراً عندالطلب فراہم کرنا ہے۔

یہ ایک سخت چیلنج ہے۔ سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ

اباب
کتب خانہ کو بالآخر اسی سے مدد مانگنا پڑی۔ اور اس سے جو کچھ بھی بن پڑی اس نے مدد کی۔ نادر و نایاب کتابوں کا جو نسخہ بھی دنیا کی کسی لائبریری یا میوزیم میں موجود ہے وہ نسخہ ہو بہو اصلی شکل میں ہمارے ہر شہر ہر قصبے کی لائبریری میں سائنس کی طاقت اور جدید تکنالوجی سے پہنچا سکتی ہے۔ تمام کتبے، پتھر کی بڑی بڑی سلوں پر کھدی ہوئی تحریریں

لکڑی اور مٹی کے ادراق کی کتابیں۔ تمام برآمدہ پیرس اسکرول، بھوج پتر۔
 نامب پتر، جستے، موم اور ہاتھی دانت کی تمام لوحیں۔ جس قدر آج تک چھپا کر
 اخبارات اور رسالے کہیں بھی موجود ہیں، تمام قلمی اور انیکونا بلا کتابیں کسی ملک
 کے میوزیم یا لائبریری میں ہوں تو ملیت ہوں یا نجی سب ہر جگہ کے انسان کو مطالعہ کے
 لیے ہیا کی جاسکتی ہیں۔ جس کی ملکیت میں اسے کوئی اعتراض اس لیے نہ ہونا چاہیے
 کہ وہ سب اس کے پاس بدستور محفوظ رہیں گی اور فائدہ یہ ہو گا کہ جو چیزیں اس کے
 پاس نہیں ہیں وہ بھی اسے حاصل ہو جائیں گی۔ اور یہ تمام ذخیرہ سائنسی طاقت بہت
 سستے داموں پر ہم کو دلا سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام کتابوں اور کتبوں
 کا ذخیرہ جو آج بے شمار کتب خانوں کی بہت بڑی بڑی عمارتوں میں ہزاروں ایکڑ کے
 رقبے میں بکھرا ہوا ہے، سائنسی طاقت ان سب کو سمیٹ کر ایک مختصر جگہ پر محفوظ کر دتی
 ہے۔ اور آج کتابوں کے لیے جگہ کا جو سب سے بڑا مسئلہ ہے اسے بڑی آسانی سے
 حل کر دیتی ہے۔

علم تنظیم کتب یا لائبریری شپ

جب ہم کسی خاص موضوع پر ایک نئی تصنیف کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور
 اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کمر بستہ ہوتے ہیں اس وقت جن معلومات کے ذریعہ
 ذہنی سفر کرتے ہوئے موضوع کی منزل مقصود تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں وہ معلومات جزئی
 طور پر بہت سی کتابوں میں دور تک بکھری ہوئی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ایک نسخہ علم و دانش
 کے مختلف اجزا کسی طویل طویل گھنے جنگل کی نباتات میں تلاش کر کے نسخے کو مکمل طور پر ترتیب
 دینا ہے اگر ایک جزو بھی نہ مل سکا تو نسخہ نامکمل اور ناقص رہے گا۔ ہر عہد اور مقام کے
 مصنفوں اور محققوں کو اس تلاش جستجو سے واسطہ پڑا ہے اور ایک علمی تحقیقی کام کو
 پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شہروں شہروں ملکوں ملکوں سفر کرنا پڑا ہے۔ ہر جگہ کے
 کتب خانوں میں کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑتا ہے۔ محققوں کی اس سعی طلب کے
 پیش نظر آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے علما اور حکما نے کتابیں ایک مخصوص نظم ترتیب
 سے کسی مقام پر جمع کرنے کا ایک فن ایجاد کیا تھا جسے آج کی اصطلاح میں لائبریری شپ

یا علم تنظیم الکتب کہتے ہیں جو عہد بہ عہد ترقی کرتا ہوا اب ایک سائنس اور نہایت پیچیدہ تکنالوجی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اس سائنس نے مندرجہ ذیل نقطہ نظر سے کتابوں کی تنظیم کے اصول و قوانین مرتب کیے :-

1۔ کتابوں کو ذخیرہ کرنے (Storage) کا ایک مخصوص طریقہ جس سے (ا) کتابوں کا تحفظ ہو۔ کتابوں کو نقصان پہنچانے والے تمام ذرائع کی پیش بندی ان کا پیشگی تدارک (ب) کتابیں اس انداز سے ذخیرہ کی جائیں کہ ہر ایک کتاب اس کے طالب کی دسترس میں باسانی ہو۔ (ج) کتاب کو اس کی جگہ سے اٹھانے اور پھر واپس رکھنے میں دقت اور طوالت نہ ہو۔ (د) کتابوں کی آراستگی پر طے دہنے والوں کے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالتی ہو۔

2۔ کتابوں کی زمرہ بندی اور موضوع اور ان کی ترتیب اور سلسلہ بندی اس طریقہ سے کی جائے کہ کتاب کو اپنے مقام پر آسانی سے تلاش کر لیا جائے۔

3۔ کتابوں کا پتہ بتانے اور ان کی نشان دہی کے کچھ تکنیکی طریقے اختیار کیے گئے۔ جیسے انٹگرل اینڈل کارڈ طریقہ۔

4۔ کتاب کے مواد سے تعارف کرانے کے لیے کٹلاگ کی ترتیب و تشکیل میں خاص دماغی کاوش کی گئی۔

چھٹا باب مانگر و فارم کتابیں

کتاب سے مہذب انسان کا قدیم رشتہ آج بھی اسی قدر قریبی اور مستحکم ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ فرق صرف یہ واقع ہوا ہے کہ پہلے ذہن و فکر کا رشتہ کتاب کے ساتھ انسانی جذبہ خلوص و احترام نے پائدار و استوار کیا تھا اور آج سائنس نے اسے مستحکم اور برقرار کیا ہے۔ پہلے تہذیب کے لطیف و نازک احساسات کی آغوش میں کتاب پرورش پارہی تھی۔ اب تجارت کے چابکدست مطلب پرست ہاتھوں کتاب پر دان چڑھ رہی ہے۔ کچھ بھی ہو کتاب سے انسان کے ذہن و فکر کو نشوونما کے لیے غذا پہلے بھی ملتی تھی اور آج بھی ملتی ہے۔ پہلے محنت و حوصلہ مندی وہ غذا پیدا کرتی تھی، خلوص و ہمدردی اسے پکاتی تھی۔ آج تجارت اسے پیدا کرتی ہے، سائنس اسے پکاتی ہے۔ جدید سائنسی کے میکانیکی نظام نے مکمل طور پر انسان کی زندگی کو اس کے ہاتھوں سے اپنی مضبوط گرفت میں سنبھال لیا ہے۔

کتابوں کے سائز کو مختصر کرنا

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے، آج سب سے بڑا دشوار مسئلہ کتابوں کو اسٹور کرنے کا ہے۔ اس کے لیے سائز کو مختصر کرنے کا عمل اختیار کیا گیا۔ کسی ضخیم کتاب کے بہت بڑے حجم کو ایک بہت ہی مختصر شکل میں ڈھال دینا کہ اس کا پورا متن حرف بہ حرف محفوظ رہے یعنی کتاب کے ہر صفحے کا ننھا سا باریک مرقع تیار کر لینا۔ آج تک جس قدر عالمی کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا ہو چکا ہے اور جس رفتار سے اس میں ہر روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس کے پیش نظر اس تکنیک کی سخت ضرورت

لاحق ہے۔ مائکروفارم حسب ذیل طرح کے ہوتے ہیں:-

(1) شفاف (Transparent) - نیم شفاف فلم Translucent
Opaque (یہ فلم رول 16 - 35 یا 70 ملی میٹر جوڑائی اور کئی فٹ لمبائی
کا ہوتا ہے)

(2) غیر شفاف فلم (یہ بھی مندرجہ بالا سائز میں ہوتا ہے۔)

(3) پیپر (4) کارڈ اسٹاک (5) میگنیٹک وائڈ ویٹیپ۔

مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ کتاب کو مختصر شکل میں ڈھالنے کے دو ذریعہ

اور ہیں۔

(1) پانچ سے آٹھ پانچ تک لمبائی کا فلم کا ٹکڑا جس کو یونٹ کارڈ کہتے ہیں۔
اس پر کسی کتاب کے صرف چند تصویری عکس ریکارڈ ہو سکتے ہیں۔

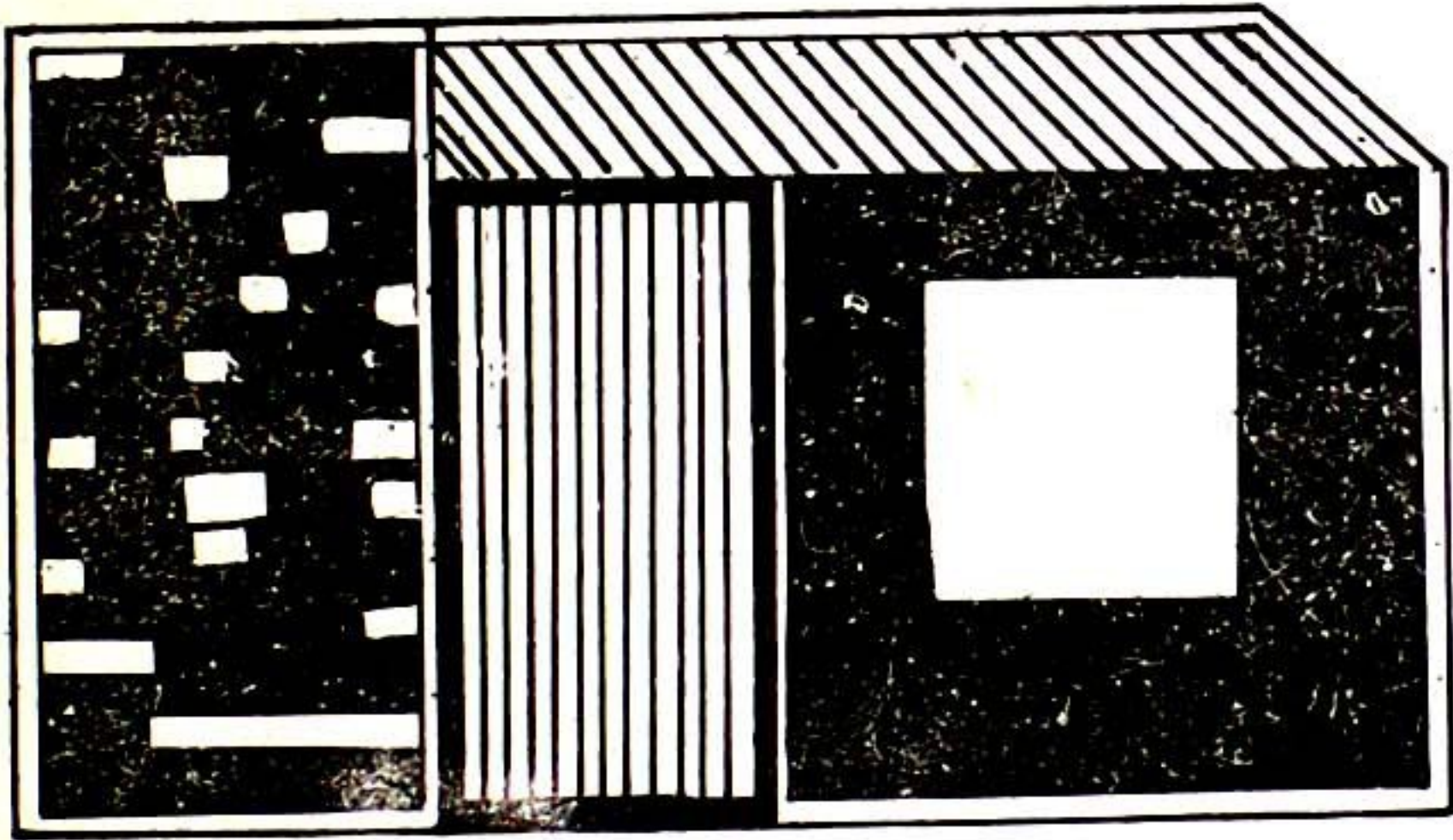
(2) جیکب مائکروفش یہ یونٹ مائکروفش کے سائز کی ہوتی ہے۔

یہ اصول کہ مختصر ترین سائز میں کسی کتاب کی دستاویزی تصویریں بنا کر رکھ
لی جائیں، سب سے پہلے 1839ء میں فوٹو کی ایجاد ہونے کے بعد مائکروفش کے
ایک انگریز مسٹر بنجمن ڈانس کے ایک کارنامے سے وجود میں آیا۔ جب اس نے
خوردبین اور کیمیرے کی متحدہ کارکردگی کی تکنیک سے کچھ دستاویزات کے خوردبینی
فوٹو لیے۔ جن کو بڑھا کر پورے اصلی سائز میں انسانی نگاہ سے مطالعہ کرنے کے
لیے دوبارہ پیدا کی گئی۔

کتابوں کی مشینی ترتیب زمرہ بندی

دوسرا اصول ایک فائل کے پورے ریکارڈ کے لیے مشینی عمل اختیار کرنے
کا مسٹر ہرین ہال رتھ اور کچھ دیگر اشخاص نے 1890ء کے آس پاس نیڈل سکشن
کارڈ کی تکنیک سے وضع کیا۔ حالیہ برسوں میں یہ دونوں تکنیک خوردبینی فوٹو گرافی
کی تکنیک سے جوڑ دی گئی ہیں۔ اور ایک مائکروفلم اپر چر کارڈ دونوں کام انجام
دیتا ہے۔ کتب خانے سے متعلق سارے کام کی بنیاد مذکورہ بالا دونوں عیت کے
انتظامی امور پر قائم ہے۔ (1) کتابیں رکھنے کا انتظام (2) ذخیرہ کی ہوئی کتابوں

میں سے مطلوبہ کتاب کا پتہ چلا کر بہم پہنچانے کا کام۔ ان دونوں انتظامات کا سلسلہ زیادہ دراز کے انسان کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے۔ دراصل انتہائی قدیم تہذیبی دور میں



Filmorex فلموریکس (۴)



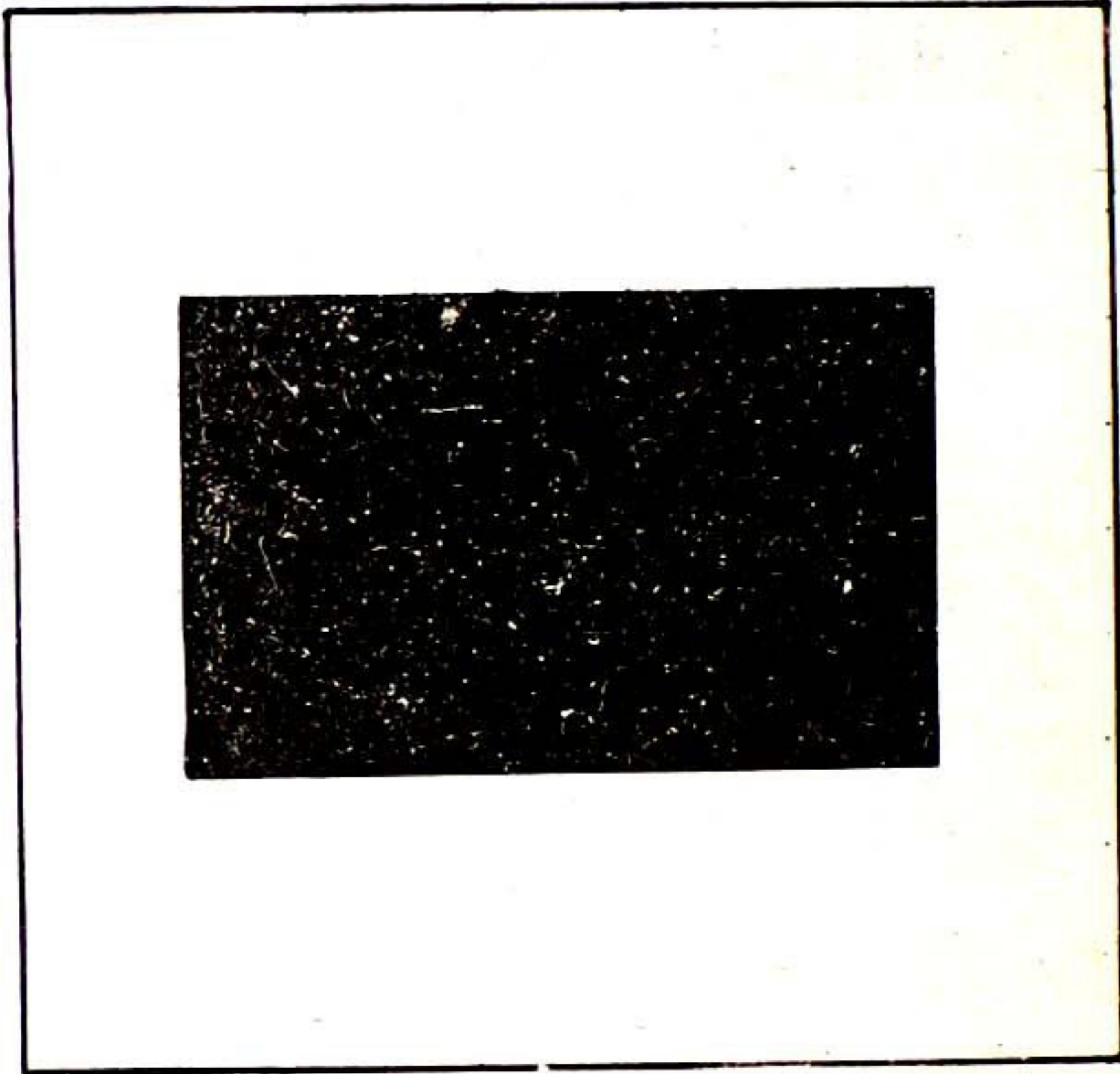
Magnetic coding مقناطیسی نشان دہی (۵)

جب کتابوں کے ڈھیر لکنا شروع ہوئے تھے اسی وقت سے مطلوبہ کتاب کو ڈھونڈ کر جلد پالینے کی خواہش نے دماغی صلاحیت کے مطابق کتاب کی نشان دہی کر کے پتہ بتانے کا جو فن ایجاد کیا تھا وہی آج تک ترقی کرتا جا رہا ہے اور اب آٹھ ارب سالانہ کتابوں کی پیداوار کے ڈھیر میں سے اپنی مطلوبہ کتاب حاصل کرنے میں

اس فن نے زبردست تکنیکی اور میکانیکی ترقی کر لی ہے۔

کتابوں کا مشورہ دینے اور ان کے مواد کی نمائش کرنے والی مشین

نیڈل سیکشن کارڈ، ایک کے اندر دھات کی پتلی چمکدار سلاخ میں پردے ہوئے حرکت پذیر کارڈ کی گڈی۔ ہر کارڈ پر پڑا کوڈ لٹر اور سلسلہ نمبر، وہ اشارتی حرف (کوڈ لٹر) اور سلسلہ نمبر ایک کتاب کی پشتی بان پر پڑا ہوا ہر اس شخص کے بخوبی علم و واقفیت میں ہے جو عام طور پر لائبریریوں میں کتابیں پڑھنے جاتا ہے۔ لیکن شکل نمبر 4 اور شکل نمبر 5 سے یہاں بہت کم لوگ ابھی واقف ہیں کیونکہ ان کا رواج ہمارے ملک کے کتب خانوں میں ابھی

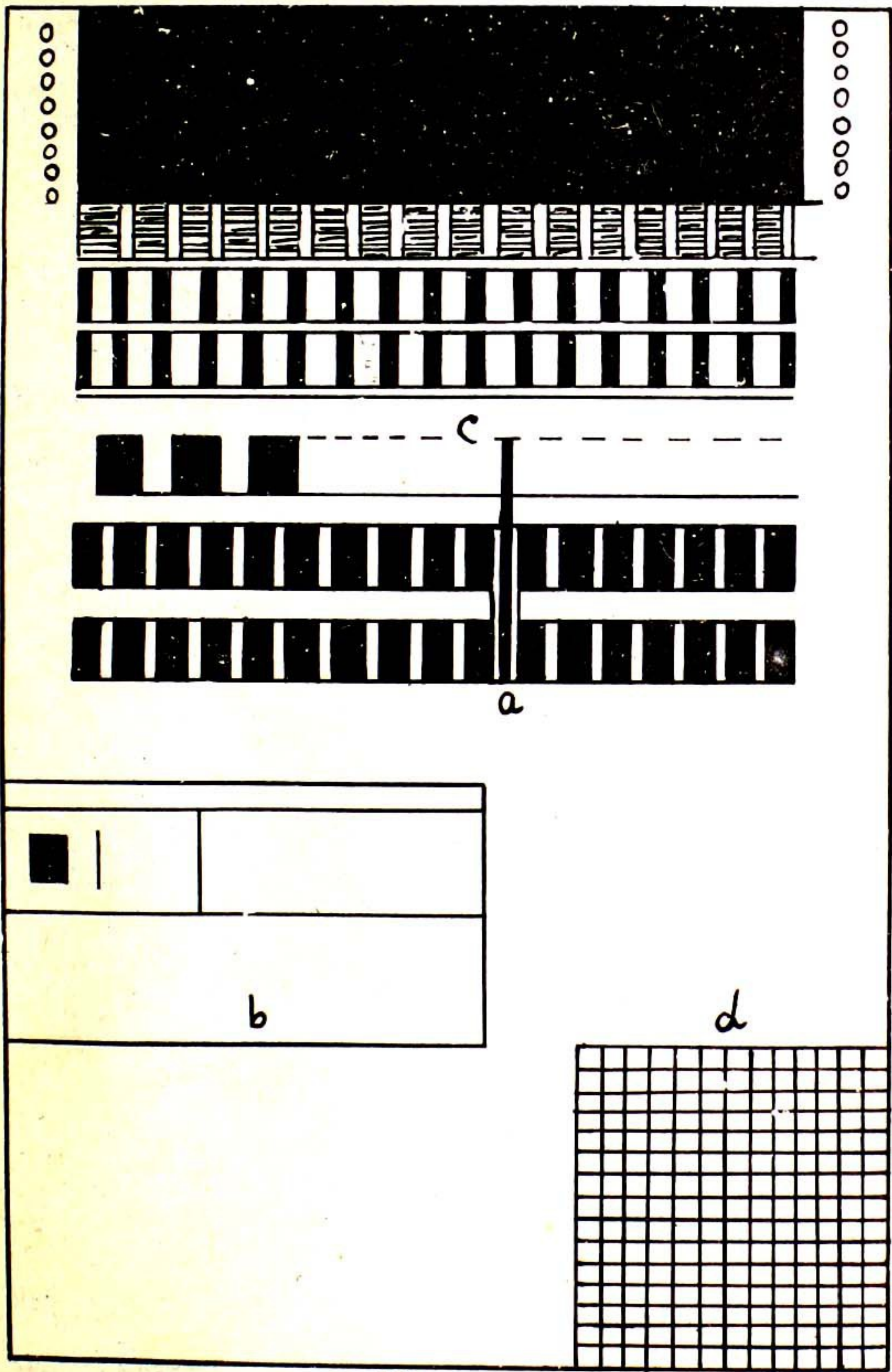


Slide
Microfish

سلائیڈ مائکروفش

(4)

عام طور پر نہیں ہوا ہے۔ کتابوں کی نشان دہی کا وہی قدیم طریقہ جو پچھلے صفحہ پر بیان کیا گیا ہے اور مذکورہ بالا مروج طریقہ اب جدید ترین میکانیکی طریق کار کی تین صورتوں میں رونا ہوا ہے۔ (1) فلمورکس (2) مینی کارڈ (3) ریپڈ سلکٹر۔ فلمورکس دو مخلوط کام انجام دیتا ہے۔ کتاب کی نشان دہی بھی کرتا ہے اور اس کی شکل نگاہ کے سامنے لا کر شناخت بھی کرتا ہے۔ جب کہ ریپڈ سلکٹر مقناطیسی کوڈنگ کے ذریعہ تیزی سے کتاب منتخب



(7)

(a) Unit Micro Fiche Recordak (b) International Documentation (c) The Mas Register (d) Microcard

Library and Automation سے ماخوذ

کرنے اور اس کی نشان دہی کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مینی کارڈ کا طریق کار بھی مجموعی مقاصد برآری کی مشین سے منسلک ہے۔ نمبر چھ سلاٹڈ مائیکروفنٹس مطلوبہ کتاب کے متعلق مجوزہ سوالات کے جواب دیتا ہے اور ہم کو کتاب کے انتخاب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ساری تکنیک ایک خود کار ترقی نظام سے وابستہ ہے جسے کمپیوٹر کہتے ہیں۔

کمپیوٹر اور اس کی تمام تر کارکردگی

بٹن دباتے ہی ہر مشین اپنا کام انجام دینے لگتی ہے۔ نقشہ نمبر 7 سے شکل نمبر 8 کی مجموعی مقاصد برآری میں کارکردگی کی تفصیلی طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ نمبر 7 کے نقشے پر جا بجا بٹن بنے ہیں جن کو دبانے سے لائبریری کے سب بنیادی مقاصد پورے کرنے کا کام انجام پاتا ہے۔ مثلاً کل کتنی کتابیں اس لائبریری میں ہیں۔ کن موضوعات پر کتابیں ہیں، کن مصنفین کی کتابیں ہیں۔ کب تصنیف ہوئیں اور لائبریری کے کس کس حصے میں رکھی ہیں ان کے صحیح مقام و محل کی نشان دہی نو کرتی ہی ہے۔ سب سے عجیب اس کا یہ کارنامہ ہے کہ دستاویزی کتب کے تمام بین الاقوامی ذخیروں کا پتہ بتاتی ہے۔ ہر کتاب کے کچھ خاص خاص حصوں کو اسکرین پر متواتر تصویریں گردش میں لاکر ان کا کتابوں کے متلاشی سے تعارف کراتی ہے۔ جگہ جگہ سے مواد کے متن کو اندراج کر کے دکھاتی ہے۔ قاری کے ذہن سے مخفی ایک کتاب کے متعلق جو اسے حقیقتاً مطلوب ہے۔ علم و واقفیت بہم پہنچاتی ہے۔ ایک موضوع پر بہت سی کتابوں میں سے جو کتاب صحیح طور پر اسے درکار ہے۔ اس کے متعلق مختلف تجویزیں پیش کرتی ہے۔ اور اس کو انتخاب کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ مشین کتابوں کے بہت بڑے ذخیرے کو سمیٹ کر چھوٹی چھوٹی تصویروں میں جو باریک لفظوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ صفحہ وار مکمل طور پر ایک مختصر سی جگہ میں جمع کیے ہوئے ہے۔ شکل نمبر 9 میں ایک یونٹ مائیکروفنٹس ہے جس کے دو مقصد ہیں ایک تو کثیر سے کثیر تعداد میں کتابوں کو اپنے اندر محفوظ کر لینا۔ دوسرے اس میں محفوظ کسی بھی کتاب کی تلاش میں مدد کرنا۔ اس میں کس قدر کتابیں محفوظ ہیں ان کے اعداد و شمار بتانا۔

کتابوں کے مختصر شکل میں ڈھالے ہوئے گرافک ذخیرے اور ریکارڈ کا عملی

کمپیوٹر اور اس کی کارکردگی

Computer Function

COMMERICAL تجارتی
NON-COMMERICAL غیر تجارتی

NAME / DEVELOPER / MANUFACTURER / نام / مشین ساز / مرتب
STATUS: OPERATIONAL / کارکن

TYPE: غایت
SIZE: سائز
PURPOSE: غایت
FUNCTION: عمل
INTEGRATION: ربط کارکردگی
INPUT SIZE: سائز
STORAGE MEDIA: ذخیرے کی نوعیت

STORAGE CODING: ذخیرے کی نشاندہی
STORAGE CAPACITY: ذخیرے کی گنجائش تعداد میں

SELECTION: مواد کا انتخاب

AVERAGE ACCESS TIME: اوسط ضرورت
OUT PUT: وقت محمولہ
PRINT OUT TIME: وقت محمولہ
SYSTEM FLEXIBILITY: رفتار کے گھٹا و بڑھانے کا نظام

IMMEDIATE RESPONSE: فوری اطلاع یابی
OFF LINE: سلسلہ منقطع
TRANSPARENCY: شفاف مجموعہ / TRANSLUCENCY: نیم شفاف
Micro Fiche: مائیکرو فلم

ROLL: رول / مگھوڑ
STRIP: پٹی
SCROLL: استوائانا
MICRO FISHE: مائیکرو فیش
UNITS: مکمل تختیاں
CHIP: ٹکڑے
JACKET: جیکٹ
SLIDE: عکس نکلنے کا روڈ
APERTURE: کارڈ

AUTOMATIC: خودکار
MAGZINE: مجموعہ
DISPLAY: نمائش

YES ہاں
NO نہیں
UPDATE/CHANGE

DEVELOPMENTAL نمائش کنندہ PROPOSAL تجویز کنندہ

ADDRESS نشاندہی LARGE بڑا

MEDIUM اوسط

SPECIAL خصوصی

DELAYED RESPONSE شامل سے جواب

SHUNT معطل ON LINE سلسلہ جاری

OPA UE غیر شفاف ELECTRONIC برقی

STORAGE DENSITY ذخیرہ درزن میں

SEMI AUTOMATIC نیم خود کار MANUAL انسانی طاقت سے چلنے والا

MAGZINE مجموعہ

COPY نقل نویسی

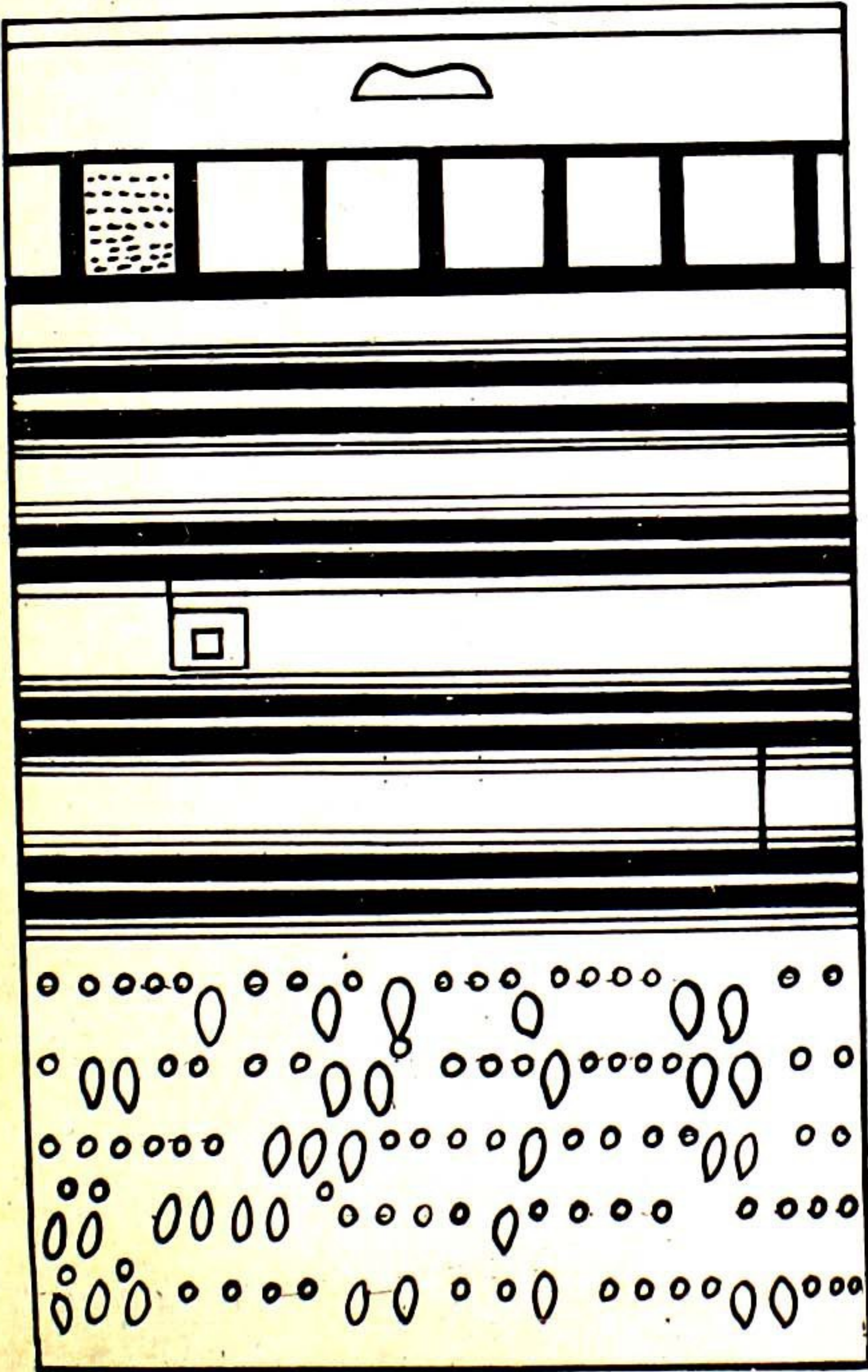
YES ہاں NO نہیں
 ADD / PURGE

(Sample Data FOR GRAPHIC STORAGE SYSTEM DESCRIPTION)

گر تفصیل ذخیرہ کتب کے مکاتیبی نظام کا اشتراکی نمونہ

LIBRARY & AUTOMATION سے ماخوذ

استعمال 1934ء میں امریکہ کے محکمہ زراعت کی لائبریری میں پہلی بار ہوا۔ اس لائبریری کا نام نیشنل ایگریکلچرل لائبریری ہے۔ اس سلسلے میں اسی سال اس کتب خانے میں بیلوفلم سرورس کی افتتاحی تقریب برطی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اسی کے بعد سے دنیا کے مختلف حصوں میں اس بات پر بہت زیادہ دماغی کاوش کی جانے لگی۔ اس کے لئے کو وسعت دے کر مائیکرو فارم ذخیرہ کتب اور متواتر تصویریں گردش دے کر مطلوبہ کتاب کی شناخت کرنے والی مشین کو باہم جوڑنے کا طریقہ دریافت



Automation اور Library سے ماخوذ

(9) یونٹ مائیکرو فیش کا آکر تلاش کنندہ
Search system Unit microfiche

کیا جائے جس میں مربوط زمرہ بندی کا آلہ بھی استعمال کر کے نشان دہی کا مقصد حاصل کیا جائے چنانچہ 1931ء میں گولڈ برگ جرمنی میں اس طرف کے کچھ نمونے پینٹ بھی کرائے گئے تھے۔ 1939ء میں برائس لاؤ فرج اور اسٹوارٹ کے ذریعہ کچھ کام شروع کیا گیا اور اسی لائن پر 1940ء تک چلتا رہا جس سے اس مخلوط تکنیک کے وجود میں آجانے کے قریبی امکانات پیدا ہو گئے۔ 1930ء ہی سے امریکہ میں کچھ انجینیر جیسے کہ انفرٹن سیدل، واٹسن ڈیوس اور وین ڈار بش نے اس مخلوط تکنیک پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ خاص طور سے وہ ایسے مشینی نظام پر دماغ لٹا رہے تھے جو کتب خانوں کے امور میں مجموعی کارکردگی انجام دے سکے۔ 1940ء میں بش کے پروٹو ٹائپ مائیکروفلم ریڈ سلکٹر یعنی مائیکروفلم میں مطلوبہ دستاویز کی طرف تیزی سے نشان دہی کرنے کا آلہ ایجاد کر لیا۔ اور اسی لائن پر کام کرنے والوں نے بالآخر موجودہ مجموعی مشینی نظام دریافت کیا جو آج دنیا کے چند بڑے کتب خانوں میں مستعمل ہے۔

کتاب کا مستقبل اس پر فلم اسکوپ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا اثر

یہ کتاب جو ہمارے علم میں اپنی مختلف شکلیں بدلتی ہوئی تقریباً سات ہزار سال کی عمر گذار کر اس مقام تک پہنچی ہے۔ کیا آگے بھی زندہ رہے گی؟ اس سوال کا جواب انسان کے طلب علم اور زندگی کے تقاضے پر منحصر ہے۔ انسان میں ابھی علم کی طلب باقی ہے اور زندگی کا تقاضا بھی موجود ہے۔ اس لیے کتاب کا وجود ختم ہو جانے کا سوال ابھی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں کب تک باقی رہے گی۔ چونکہ کم پڑھے اور ناخواندہ لوگوں کے لیے پڑھنا سیکھنا اور ابتدائی مطالعہ کرنے کے لیے انسان اس سے کم خرچ اور سہل الحصول کوئی دوسرا طریقہ اب تک دریافت نہیں کر سکا ہے جیسی کہ کتاب کی موجودہ شکل ہے۔ اور زمین پر آج خواندہ ناخواندہ انسان کا تناسب تقریباً تین اور دو کی نسبت سے ہے اس لیے کم از کم سو سال تک کتاب کی موجودہ شکل بدلنے کا امکان نہیں ہے کیونکہ ناخواندہ لوگوں کو پڑھنا سیکھنے کے بعد کافی مدت اس ذہنی سطح پر پہنچنے کے لیے درکار ہے جب باریک اشارات اور تیزی کے ساتھ نگاہ کے سامنے سے مدرتی ہوئی پرچھائیاں یا مخصوص صوتی

ہر دوں کی رفتار سے انسان کا ذہن پیچیدہ علمی مسائل کو اپنی گرفت میں لے سکے گا اور باریک نکات تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ یہ ایک طویل بحث طلب موضوع ہے۔

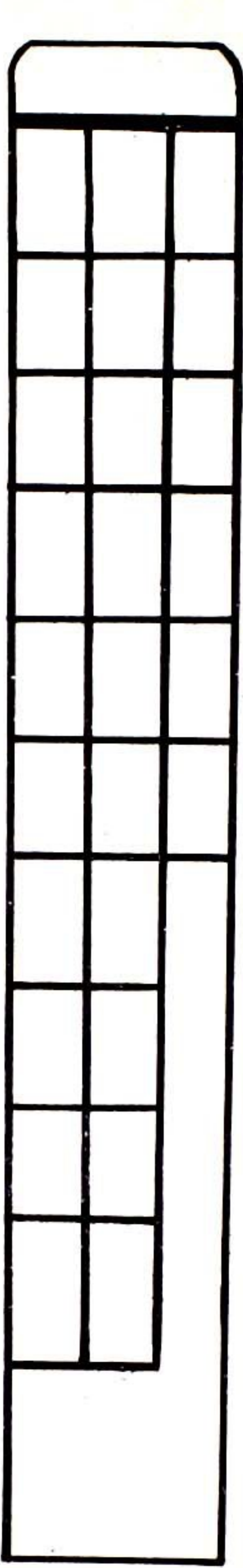
ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمی نمائش ابھی تمام انسانوں کے لیے کتابی ضرورت پوری کرنے پر قادر نہیں ہیں، اور نہ اب تک کوئی ایسا اسکول قائم ہو سکا ہے جہاں مکمل تعلیم ان ذرائع سے دی جاسکتی ہو۔ جب تک عام طور پر انسانی ذہن وادراک ایک منزل آگے تک ترقی نہ کرے کہ جہاں انسان کا دماغ موجودہ رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے سوچنے اور خیالات کو ذہن نشین کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کرے یا ایسے حالات نہ پیدا ہو جائیں جن کے تحت کتاب کی شکل میں تغیر لازمی ہو جاتا رہا ہے۔ تب تک کتاب کی شکل بدلنے کا سوال نہیں ہے۔ کتاب کی تاریخ کے مطالعہ سے ہم کو اندازہ ہے کہ کتاب نے اپنی شکل بدلتے بدلتے بھی صدیوں کا زمانہ لیا ہے۔ ان سب باتوں سے بالاتر حقیقت یہ ہے کہ تاجروں نے موجودہ شکل کی کتابیں تیار کرنے میں گذشتہ پچاس برس میں اتنا کثیر سرمایہ بڑی بڑی کاغذ کی ملوں اور برقی چھاپے خانوں وغیرہ میں لگا دیا ہے کہ جس کی باز یافت کے بغیر کتاب کو موجودہ شکل میں قائم رکھنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ ان کے ہاتھ میں پبلسٹی کی بے پناہ طاقت ہے اور آج انسان کی ہر ایک تجویز یا کسی معاملے میں رائے دینے کی صلاحیت پبلسٹی کے پنجے میں گرفتار ہے۔ لہذا کتاب کی موجودہ شکل میں کوئی تغیر واقع ہونا کتب نویسوں اور کتب بینوں سے زیادہ کتب فروشوں کی مرضی پر منحصر ہے اور ان کی مرضی بیش از بیش منافع کی نگاہ رکھتی ہے۔

کتاب کی کچھ اور موجودہ شکلیں

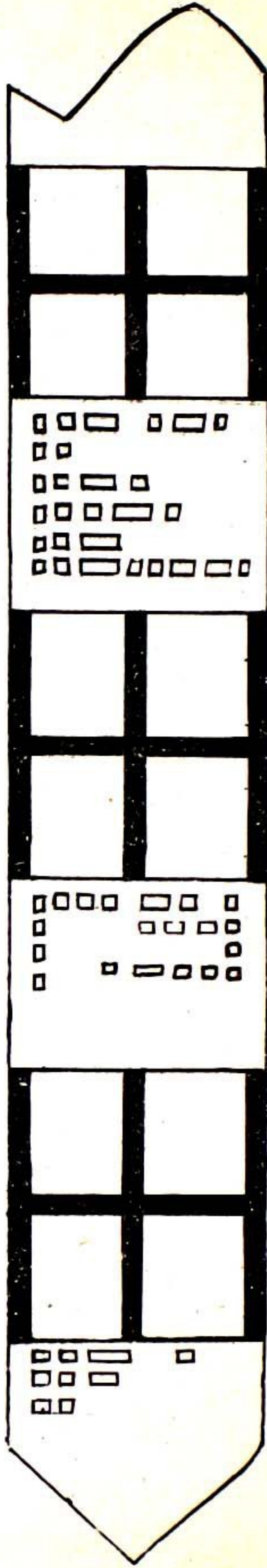
اس عہد میں کتاب اپنی ایک عام مردہ شکل کے علاوہ چار دیگر صورتوں میں بھی کبھی کبھی ہم کو نظر آتی ہے۔ اگرچہ ان شکلوں میں محدود طور پر مستعمل ہے۔ یہ شکلیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کسی موضوع کے تمام مواد کو صرف نصاب کی شکل میں پیش کرنا (Iconography)

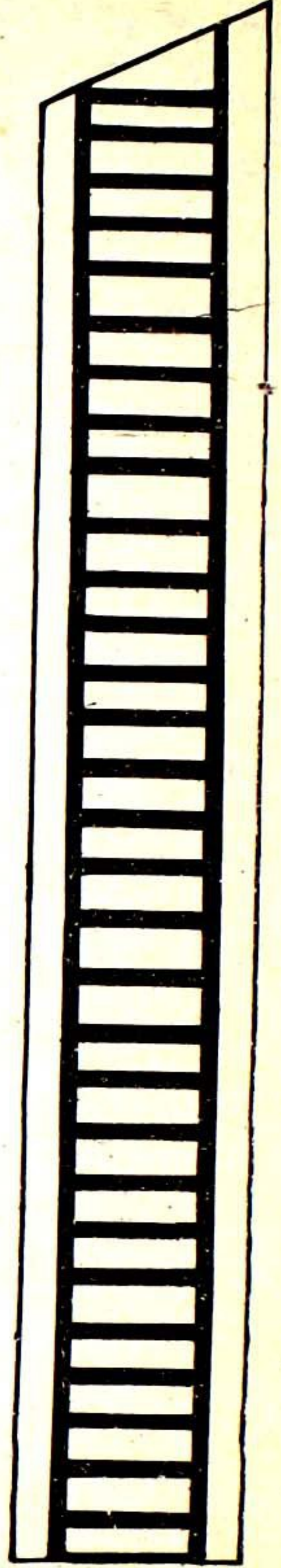
۲۔ اس قسم کی کتابوں میں کوئی متن کی عبارت نہیں ہوتی بلکہ پورا موضوع



مائکروفلم کی پٹی (3) نیم شفاف



35 ملی میٹر رول (2)



رول سولہ ملی میٹر شفاف (1)

سے ماخوذ

Library and Automation

تصاویر بنا کر خواہ کتاب کی صورت میں قاری کو دیا جائے یا فلم کی صورت میں دکھایا جائے۔
گوئیگے بہروں کے لیے یہ طریقہ خاص طور پر مستعمل ہے اور بچوں کے لیے بھی استعمال ہوتا
ہے لیکن ان کے لیے نمبر دو کی تکنیک بھی تصاویر کی کتابوں یا فلموں سے جوڑ دی جاتی
ہے۔

2- بولتی کتابیں Speaking Books ان کتابوں میں سارا مواد و موضوع
ریکارڈ کیا ہوتا ہے جو کانوں کے ذریعہ ذہن تک ترسیل ہوتا ہے۔ یہ کتابیں بیشتر بینائی
سے معذور لوگوں کے استعمال میں آتی ہیں۔ ان کے لیے نمبر تین کی تکنیک بھی استعمال
کی جاتی ہے۔

3- لمس کے ذریعہ پڑھی جانے والی کتابیں۔ ان میں حروف ابجد
ہوئے ہوتے ہیں اور اسٹین انگیوں سے چھو کر نابینا پڑھتے ہیں۔

4 - Epigraphy مواد و موضوع کو سمیٹ کر ایک چھوٹے سے
مربع یا ایک مختصر فقرے میں ادا کر دینا۔ یہ طریقہ اکثر کسی عمارت، کتاب یا کسی فن
پارے کی دقت میں مستعمل ہوتا ہے جس سے اس شے کی معنویت اور مقصدیت ظاہر
ہو جاتی ہے۔

کتاب کے متعلق کچھ نہایت دل چسپ اور حیرت انگیز معلومات

آخر میں اس کتاب کے قارئین کی ضیافت طبع کے لیے کتاب کے متعلق بعض
ایسی معلومات تلاش کر کے پیش کر رہے ہیں جو کتاب کی عجیب و غریب ہستی میں کچھ
اور عجیبیت اور ندرت پیدا کرتی ہیں۔

1 - قدامت کے لحاظ سے دنیا کا سب سے کہنہ مشق حرف 'ہ' اوہے جو تقریباً
آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے ایک مرتبہ بن گیا تھا ویسا ہی آج تک چلا آ رہا ہے۔
اس کے بقیہ ستائیس ہزار سالوں کی صورتیں وقت کے اس طویل سفر اور لکھنے والوں کی
رفتارِ قلم نے ایسی بدل دیں کہ انہیں پہچاننا دشوار ہے۔

2 - حسامت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے بڑے وہ آٹھ حروف ہیں جو لفظ
Readymix کی تشکیل میں بمقام نیولار بتصل مشرقی بالادونیا براعظم آسٹریلیا

میں ایک دوسرے کے واحد حریف ہیں۔ ان حروف کے قد و قامت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ چھ سو فٹ یا ایک سو تیرا اسی میٹر میں دوش بدوش تحریر ہیں۔ جب ہر تختہ کا غذا اور لوح ان کے ڈیل ڈول سے تنگ آگئے تو یہ خدا کی بنائی وسیع زمین پر بے تکلف نقش ہو گئے۔

3۔ ان لمبے چوڑے حروف کے ظہور میں آنے سے بہت پہلے 380 تا 448 ق۔ م میں یونان کے ایک مزاحیہ ڈرامہ نگار 'ارسطو فینز' کی زبان سے دورانِ مکالمہ ایک لفظ وجود میں آیا تھا جو یونانی صوتی علامتوں کے 170 حروف میں تحریر ہوا تھا۔ انگریزی میں منتقل ہو کر 182 رومن حروف کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ اسے پڑھ کر زبان کا لطف اٹھائیے۔

Lopado lamachos eraehogaleokvarioleipsanodrinhy patr-
ieumalo silphiohavaomelbokrakechy meuskichlyvikooyr-
nophalloper esteralek bryonepke keshalliskigklopeleolag-
oicsivairaphetraganopterygon-

4۔ دنیا کی سب سے بڑے سائز کی کتاب 'دی ٹل رڈ ایلف' (The Little Red Elf) ہے جس کا مصنف مسٹر ولیم پی وڈ ہے اس کی خاکہ کشی، طباعت و کتاب سازی وغیرہ کا سارا کام خود مسٹر پی وڈ نے انجام دیا ہے۔ یہ ڈی ٹل رڈ ایلف صرف سات فٹ دو انچ اونچی ہے اور کھولنے پر دس فٹ تین انچ کے پھیلاؤ میں ہے۔ اس میں چونسٹھ حمد خدا کی نظمیں ہیں۔ یہ کتاب 'آردنٹینی رڈ ایلف کیو' (Ardentony Red Elf Cave) سٹرائٹھ کلائڈ ڈنوڈ ہس ایک صندوق میں محفوظ ہے۔

5۔ آئرش پریس کی کارگزاری دیکھ کر بے چاری دی ٹل رڈ ایلف جھینپ گئی۔ اس مطبع نے ایک ہزار دو سو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب چھاپی جس کا وزن سو آٹین ٹن یعنی ستاسی من تیس سیر ہے۔ 1967ء سے 1971ء چار سال کی مدت میں چھپی تھی جو تیس ہزار ہندوستانی بکر یوں کی کھالیں اس کی جلد سازی میں اور پندرہ ہزار پونڈ کا سونا اس کی جلاکاری میں خرچ ہوا پھر بھی

صرف 500 کا مختصر ایڈیشن شائع ہو سکا۔ یہ برطانوی پارلیمنٹ کے صرف ایک صدی (1800ء تا 1900ء) کے کاغذات ہیں۔ اگر آپ تیز رفتاری سے دس گھنٹے یومیہ پڑھیے تو چھ سال میں اس کتاب کا اس قدر حصہ پڑھ لیں گے جتنا کہ اب تک چھپ چکا ہے ابھی تو 1901ء سے 1977ء تک کی کارروائی چھپنا باقی ہے۔

6۔ اتنی لمبی چوڑی اور موٹی کتابوں کا جواب تو گٹن برگ میوزیم میں رکھی ہوئی وہ کتاب دے سکتی ہے جو صرف 3.5 ملی میٹر یا ایشیاہ 3 لمبی اور اتنی ہی چوڑی مربع شکل کی ایک مطبوعہ سات زبانوں میں خدا کی حمد ادا کرتی ہے۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اس کے حروف جو خوردبین کی مدد سے دیکھے جاتے ہیں، دھات کے ڈھلے ہوئے ٹائپ حروف ہیں۔ یہ دنیا کی سب سے چھوٹی سائز کی مطبوعہ کتاب ہے۔

7۔ سب سے بڑا مطبوعہ تختہ کاغذ وہ ہے جس پر امریکہ کا اعلان آزادی 1706ء میں سیمویل نیٹ فری مین اینڈ کمپنی نے فلاڈلفیا میں شائع کیا تھا۔ یہ صرف سولہ تختے اب تک ڈھونڈے مل سکے۔

8۔ سب سے طویل ناول Les Hommes de Bonne Volonte

المعروف بہ فرانس کے جیولس رومانس یہ لوئیس ہنری جین (Luis Henry Jeans) کا لکھا ہوا ناول 27 جلدوں میں 46-1932ء شائع ہوا تھا۔ جس کا انگریزی ترجمہ 'Men of Good will' 1933ء سے 1946ء تک مسلسل چھپتا رہا مگر ایک جاپانی عالیہ ناول ڈاکوگا۔ والیا سو، یقیناً اس پر سبقت لے جائے گا جو 1951ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ مسٹر سوہاچی یا ماداکا یہ ناول تکمیل تک پہنچنے پر چالیس جلدوں میں ہوگا۔

9۔ سب سے زیادہ قیمت کی کتاب 1455ء میں گٹن برگ مطبعہ میں چھپی ہوئی تین والوم میں بائبل ہے۔ اسے مسٹر اوٹو والبر سے تین لاکھ تیس ہزار ڈالر میں امریکہ کی کانگریس لائبریری نے 1930ء میں خریدا تھا۔ یہ چرمی صفحات پر ہے۔ اس کا ایک کاغذی ایڈیشن نیویارک کے ایک ناشر کتب مسٹر ہینس پیٹر کرانے نے 1970ء میں دو لاکھ پچاس ہزار ڈالر میں نجی طور پر خریدا تھا۔

10۔ سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا حکیم افلاطون کے بھتیجے اپیسوسپیاس

(BC 408-388) ساکن اتھنس نے 370 ق م میں مرتب کی تھی۔ اس کے بعد اسکا ^{ٹلمینڈ} کے ایک راہب رچرڈ نے 6113 Exerpruns کو ترتیب دیا پھر Viclar Ebbeey کے ذریعہ پریس میں 61140 میں لکھی گئی۔ آج سب سے بڑی انسائیکلو پیڈیا 'برٹینیکا' خیال کی جاتی ہے جو پہلی بار 1768-1771ء دسمبر کے مہینے میں بمقام اڈنبرگ اسکاٹلینڈ طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔ امریکہ کے سربراہ اور ڈاکٹر تاجر ان کتب کی ایک جماعت اس کا حق طباعت حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کرنے لگی۔ 1898ء میں بارڈیگر اس کی طباعت کا حق حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور 1899ء میں اس کے مالکان حقوق میں حصہ دار ہو گئی۔ 1943ء میں بحق شکاگو یونیورسٹی انیاس (Illinois) ریاستہائے متحدہ امریکہ منتقل کر دی گئی۔ موجودہ پندرہویں ایڈیشن کے تیس والوم میں تیس ہزار ایک سو اکتالیس صفحات تقریباً چار کروڑ تیس لاکھ الفاظ جو چار ہزار دو سو ستر عالموں نے مل کر لکھے ہیں۔ اب بیک وقت شکاگو اور لندن میں انسائی کلو پیڈیا مرتب ہوتی ہے۔ اس سے بھی بہت بڑی انسائیکلو پیڈیا 'یٹک لونا تین' 22937 ابواب پر مشتمل دو ہزار چینی عالموں کی لکھی ہوئی سب سے زیادہ معیاری انسائیکلو پیڈیا تھی جس کے اب صرف تین سو ستر باب محفوظ رہ سکے ہیں یہ بھی سب سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔

۱۱۔ سب سے بڑی ڈکشنری جو حال ہی میں شائع ہوئی، بارہ جلدوں میں اسکسفورڈ انکلیش ڈکشنری ہے جو پندرہ ہزار چار سو ستاسی صفحات میں 1884ء سے مرتب ہونا شروع ہوئی 1928ء تک جس حد تک پہنچی اس میں نو سو تریسٹھ صفحات کا ضمیمہ 1933ء شامل کیا گیا۔ اس کے آگے مزید تین جلدوں کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے مرتب آر۔ ڈبلیو۔ برٹیج فیلڈ (R.W. Burchfield) ہیں ان میں سے دو جلدیں 1975ء تا 1977ء شائع ہو چکی ہیں۔ مجموعی الفاظ کی تعداد چار لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو پچیس ہے۔ اٹھارہ لاکھ ستائیس ہزار تین سو چوبہ تصویروں کے ذریعہ واضح کیے گئے محو لے ہیں اور بائیس کروڑ ستہتر لاکھ اناسی ہزار پانچ سو نو اسی حروف اور اشکال ہیں۔

۱۲۔ سب سے زیادہ قیمت ایک مخطوطے کی ایک لاکھ پونڈ ہے جو برطانوی میوزیم نے 1933ء میں حکومت امریکہ کو ادا کی۔ یہ مخطوطہ بائبل کا صرف ایک جزو ہے جو مہربن زیریں کوہ سینا واقع ایک خانقاہ سینٹ کینتھرین میں ایک راہب

کے مسکو نہ خانے کے ایک طاق میں ملی تھی ۱۸۴۴ء میں دوسرا حصہ راہب موصوف نے اس بائبل کے ۱۲۹ اوراق میں سے ۱۴۳ اوراق کو علاحدہ کر دیا تھا جو ایک شخص نے بیگاٹ فریڈرک وان ٹیشنڈروف نے ایک رڈی کی ٹوکری میں پلایا۔ اس کا زمانہ حیات ۱۸۱۵ تا ۱۸۷۴ء ہے اس نے اسے محفوظ کر لیا تھا۔ یہ دراصل بائبل سینائے کوڈکس کا دوسرا حصہ ہے کسی زمانے میں اس کے صفحات کا سائز ۱۶x۲۸ اینچ تھا مگر اب گھس کر ۱۵x۱۴ اینچ رہ گیا ہے۔ یہ چرمی وصلیوں پر تیرھویں صدی کے جلاکاری کے ہوئے اوراق، نیویارک کے ایک کاروباری مسٹر ایچ پی کر اس نے ایک لاکھ دس ہزار فرانک میں بحر اے ٹیکس ۲۴ جون ۱۹۶۸ء کو رہمیس۔ لٹ لارین کی دکان سے پیرس میں خرید لیا تھا۔

۱۳۔ سب سے قدیم بائبل کوڈکس وائی کینس Codex Valicanus

ہے جو یونان میں ۳۵۰ء میں لکھی گئی۔ یہ اور روم وٹیکن ۱۴۸۵ تا ۱۵۶۹ء برٹش لائبریری میوزیم میں رکھی ہوئی ہے۔ سب سے پہلے انگریزی بائبل کول کورڈیل اگریٹر کے بشپ نے ۱۵۳۵ء میں مدون کیا تھا۔ یہ ماز برگس جرمنی میں شائع ہوئی۔ (New Testament) انجیل انگریزی میں سب سے پہلے کولون میں طبع ہوئی۔

۱۴۔ سب سے زیادہ تعداد میں تصانیف لکھنے والے مصنف کا قلمی نام

دکینٹھلین لنڈسے، اور اصلی نام مسز میری فالکر ہے۔ جس کا زمانہ حیات ۱۹۳۰ تا ۱۹۷۳ء ہے۔ یہ سومرسٹ۔ کیپ پر اورنس جنوبی افریقہ کی باشندہ اور نوسوچار ناولوں کی مصنف ہیں۔ انھوں نے چھ قلمی ناموں سے کتابیں لکھیں۔ سب سے بڑی تعداد میں وہ مختصر افسانے لکھنے والے میکائیل ہارڈے ہیں پیدائش ۱۹۲۴ء کو لندن میں ہوئی۔ انھوں نے تین ہزار پانچ سو افسانے لکھے۔ ارن اسٹینیلے گارڈنر جن کی ناولیں پرسی میسن کی سراع رسائی کارناموں سے بے حد مشہور ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتار لکھنے کا ریکارڈ قائم کر گئے ابھی حال میں ان کا انتقال ہوا۔ اوسطاً دس ہزار الفاظ یومیہ فر فر بولتے جاتے تھے جو قلم بند ہو کر ناولوں میں ڈھل جاتے تھے۔ دنیا میں اپنی تحریر کا سب سے زیادہ معاوضہ پانے والے مصنف

ارنٹس ٹرہنگوئے زمانہ حیات 1899 تا 1961ء جنہوں نے اپنے دو ہزار الفاظ کے ایک آرٹیکل کی قیمت تیس ہزار ڈالر وصول کیے۔ لیکن مسز ڈبی بورا شنائڈرساکن مینی پولس امریکہ نے صرف پچیس الفاظ کا ایک جملہ لکھ کر فی لفظ تقریباً بارہ ہزار ڈالر کا اول انعام حاصل کیا۔ انہوں نے پلے مٹھ، کار کے توصیفی مقابلے میں چودہ لاکھ لکھنے والوں کے ساتھ شرکت کی تھی اور پانچ سو ڈالر تا حین حیات کا اول انعام جیتا۔

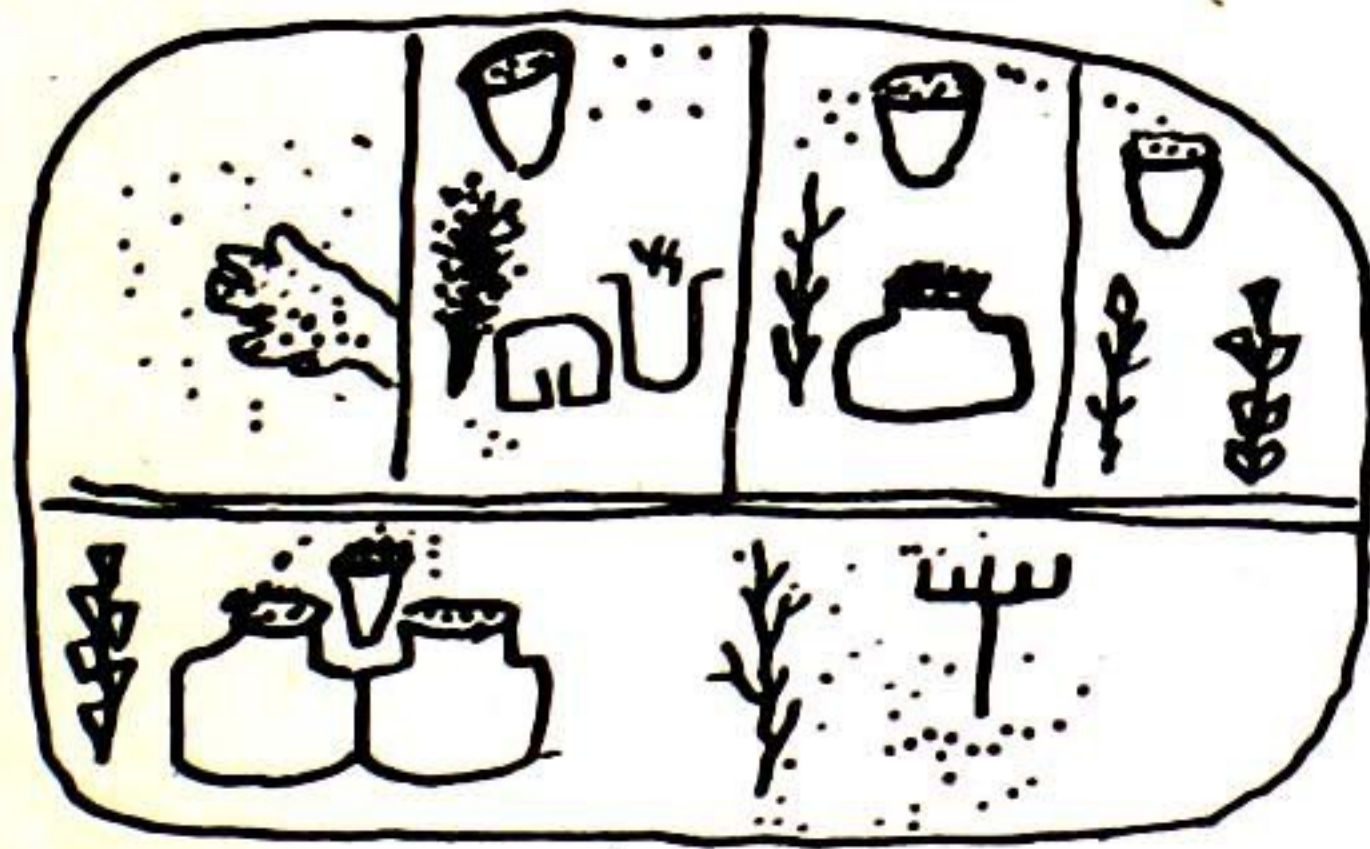
15۔ دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب 'مارشل جوزف سارڈینوچ ٹوگوش وئی' عرف استالین ہے جو ایک دن میں (13 مارچ 1963ء) کو 6.7 کروڑ بیس لاکھ اٹھاون ہزار کتابیں ایک سو تین عالمی زبانوں میں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ زبانوں میں چھپنے والی کتاب بائبل ہے جو ایک ہزار تین سو ننانوے زبانوں میں ترجمہ ہو کر کچھ بقیمت اور بیشتر مفت پوری دنیا میں اب تک ایک ارب دس کروڑ کی تعداد میں تقسیم ہو چکی ہے جب کہ لینن اور اس کے نظریات دو سو بائیس زبانوں میں ترجمہ ہو کر اب تک ایک ارب تیس کروڑ سے اوپر فروخت ہو چکی ہے۔ سرخ کور کی ناؤ۔ زی۔ تنگ کی تعلیمات، جون 1966ء میں اسی کروڑ کا پیاں فروخت ہو گئیں۔ یہ ایک مہینے میں کتابی فروخت کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے۔ بلا قیمت تقسیم کی جانے والی کتابوں میں ایک سو نوے صفحات کی ایک کتاب، ایک سچائی جو حیات جاوید کی منزل تک رہنمائی کرتی ہے 1968ء میں جہوہ ٹینس کی لکھی ہوئی 'واچ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی بک لینن نیویارک کی The Truth that Leads to Eternel life' کی 8 مئی 1968ء کو شائع کی ہوئی اپریل 1975ء تک اکیانوے زبانوں میں 74 ملین تقسیم کی گئیں۔

16۔ دنیا کا سب سے زیادہ کتابیں چھاپنے والا مطبع آر۔ آر۔ ڈونٹی اینڈ کمپنی (الیناس) شکاگو ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے جو 1864ء میں قائم ہوا تھا آج اس کے سات طباعتی مرکز ہیں۔ ایک سوائسی برقی پریس مشینیں۔ ایک سو پچیس آلٹو کمپوزنگ مشینیں اور پچاس سے زیادہ ہائڈنگ لائن۔ شب و روز کام کرتی ہیں تقریباً اٹھارہ ہزار ٹن روشنائی اور چار لاکھ پچاس ہزار ٹن کاغذ سالانہ صرف میں آتا ہے۔ بیس کروڑ ڈالر سالانہ کا طباعت کا کام ہوتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ کتابیں شائع کرنے والا ملک سوویتا روس ہے۔

ضمیمہ

دنیا کے تمام حروف اور رسوم خط کے باہمی رشتے اور ان
کے سلسلے کا ایک خاکہ

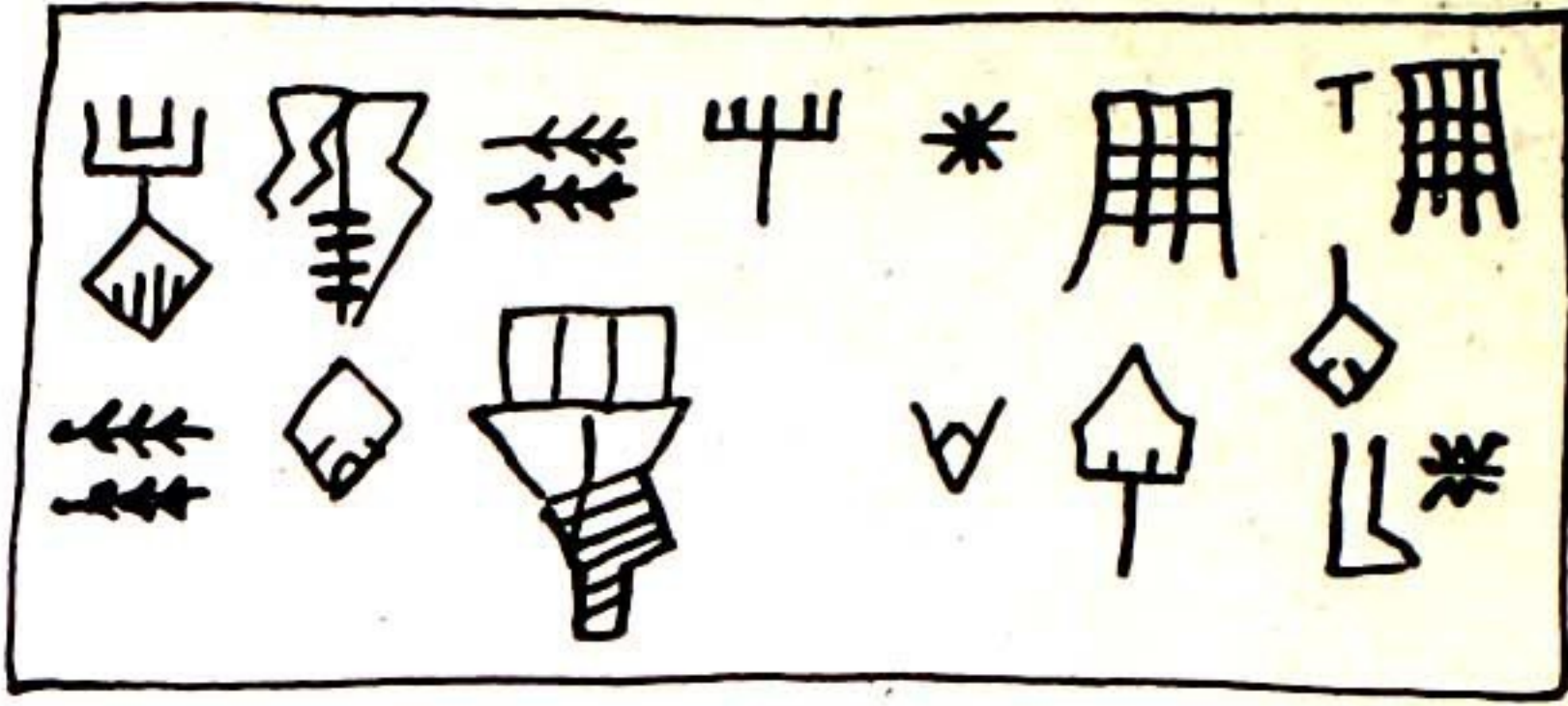
مشرقی تحریر



۱ — زمانہ 3500 ق م —

محققین آثار قدیمہ کے مطابق اب تک دریافت شدہ تحریر کا سب سے قدیم نمونہ! — سمیریہ کا مکمل تصویری خط کا کتبہ گچ پتھر کی لوح پر کسی سخت پتھر یا دھات کے نوک دار قلم سے کھدایا ہوا ایک فارم کی پیداوار اور اس کو اسٹور کرنے کی رپورٹ ہے۔

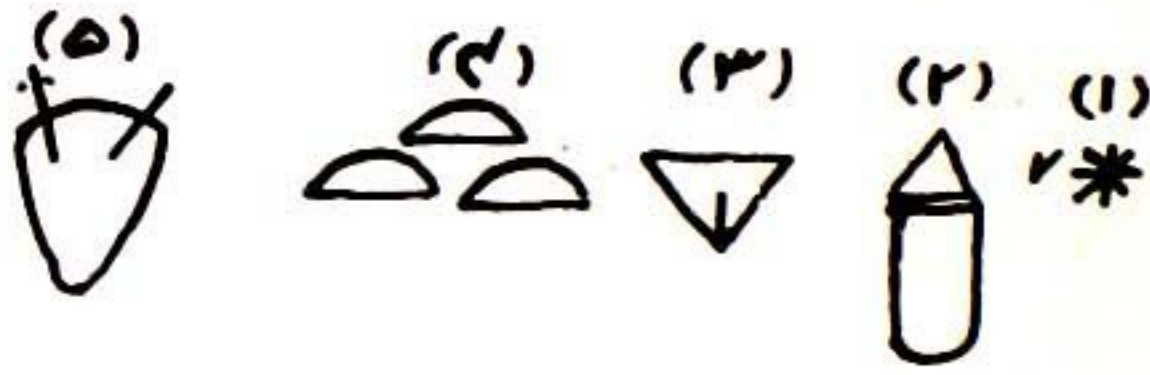
”دکش“ مقام پر دریائے فرات کے کنارے کھدائی میں برآمد ہوا اس کا تعلق دنیا کی سب سے پرانی سمیریوں کی تہذیب سے ہے جو چار ہزار اور پانچ ہزار سال ق م میں میسوپوٹامیا میں تھی۔



2- زمانہ 3000 ق م -

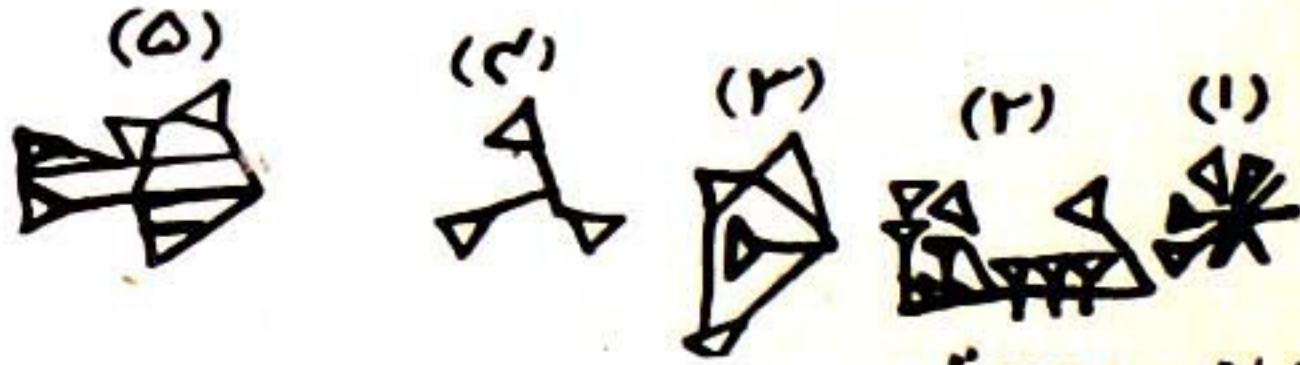
یہ نیم تصویر یا تصویری خط کا کتبہ بھی سمیری تہذیب سے تعلق رکھتا ہے جو چکنی مٹی کی پختہ ہوا تختی پر زقل سے لکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے: ”میں اپنا تم بادشاہ بابار کو پکڑنے کا جال، جو اُمّ کے لوگوں پر گھنڈ سے بھر گیا تھا۔ میں نے نکال پھینکا۔“

اوپر سے نیچے آٹھ کھڑی سطر دوں میں داہنی طرف سے پڑھی جانے والی تحریر ”لیگاش“ مقام سے موسیو ڈی۔ سارزک نے 1878ء میں برآمد کیا۔



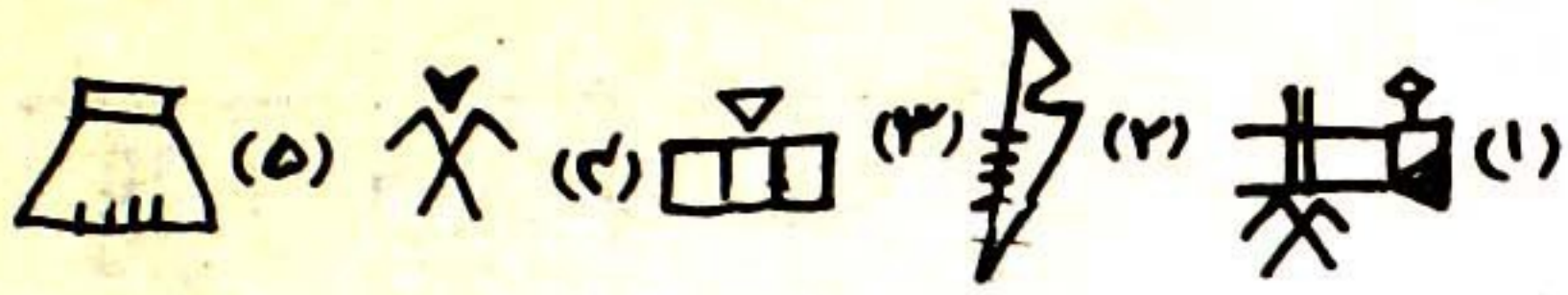
3- زمانہ 3200 ق م -

سمیریوں کی وضع کی ہوئی لفظی علامتوں تصویر یا نیم تصویر خط جس کے معنی: (1) خدا یا بہشت (2) آدمی (3) عورت (4) پہاڑ (5) پیل۔



4- زمانہ 3000 ق م -

مذکورہ بالا معنی کو ادا کرنے والی نمبر 3 پر دی ہوئی نیم تصویر سی علامتوں کی جگہ سمیریوں نے کیونی فارم علامتیں ایجاد کر لیں جو بالترتیب مذکورہ معانی ادا کرتی ہیں۔ یہ کیونی فارم خط بھی مٹی کی تختیوں پر لکھا جاتا تھا۔



5 - زمانہ 2900 تا 2600 ق م -

سیری کیونی فارم علامتوں کے ساتھ ساتھ نیم تصویریں علامتیں بھی استعمال کرتے تھے بطور مثال -

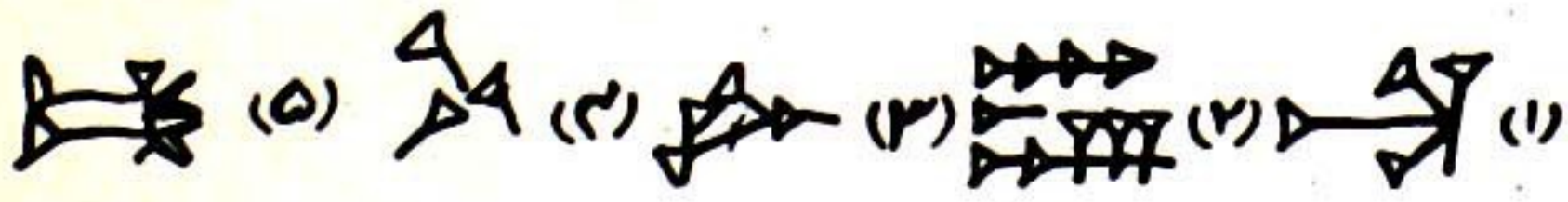
(1) گھوڑا (2) بادشاہ (3) ملکہ (4) کنیز (5) محل کی

علامات -



6 - زمانہ 2500 تا 2000 ق م -

عکادیوں کی ایک شاخ یا بل تہذیب کا قدیم کیونی فارم خط مٹی کی قوسی تختیوں پر اسٹائلس سے لکھا ہوا نمبر 3 کی لفظی علامات بالترتیب تحریر ہیں -



7 - زمانہ 1950 ق م -

عکادیوں کی دوسری تہذیبی شاخ عاشوریوں کا کیونی فارم خط مٹی کی بڑی قوسی تختیوں پر نمبر 3 کی لفظی علامات تحریر ہیں -

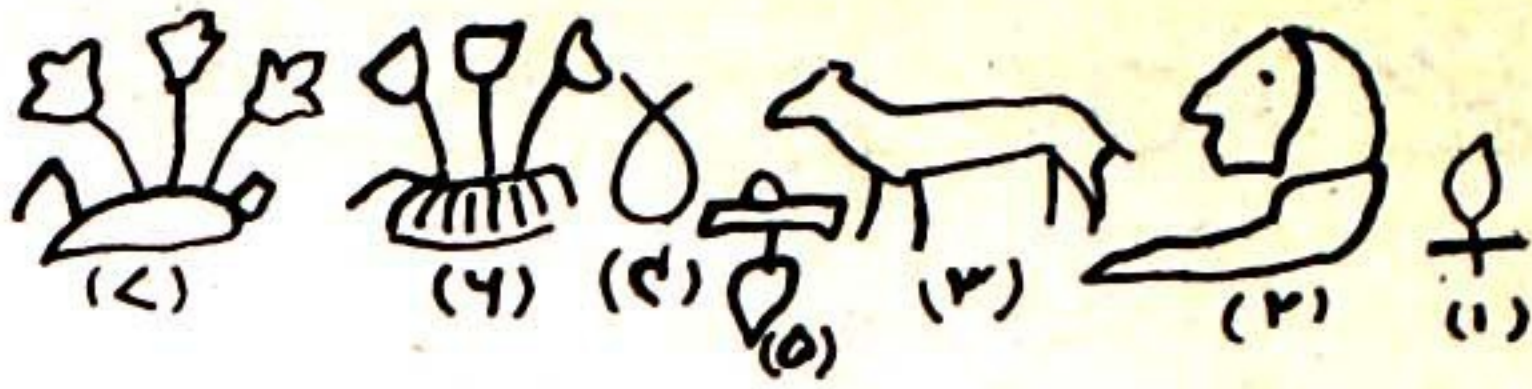


8 - زمانہ 3400 تا 2400 ق م - مصری خط -

کمل تصویریں و نیم تصویریں ہیر و غلیفی پیپرس پر گلک کے قلم اور روشنائی سے تحریر کیا ہوا علامات :-

(1) چاند (2) ستارہ (3) سورج (4) آنکھ (5) روشنی

(6) پیر (7) قلعہ -



9 - زمانہ 2400 تا 1350 ق م -

تصویری علامات پیرس پر قلم دروشنائی سے تحریر تصویروں کے

مجازی معنی :-

(1) زندگی (2) شروع (3) چالاکی (4) کپڑے (5) شام (6)

شمالی مصر (7) جنوبی مصر -



10 - زمانہ 1350 تا 700 ق م مصری خط پیرس پر قلم دروشنائی

سے تحریر صوتی علامت :- (1) ہیروغلیفی ا-ک-د-ف-م-ن-ر

یکساکنی :- (2) ہیروطیقی " " " " " "

بلا حرف علت :- (3) دیوٹیقی " " " " " "

(1) (2) (3) (4) (5) (6)



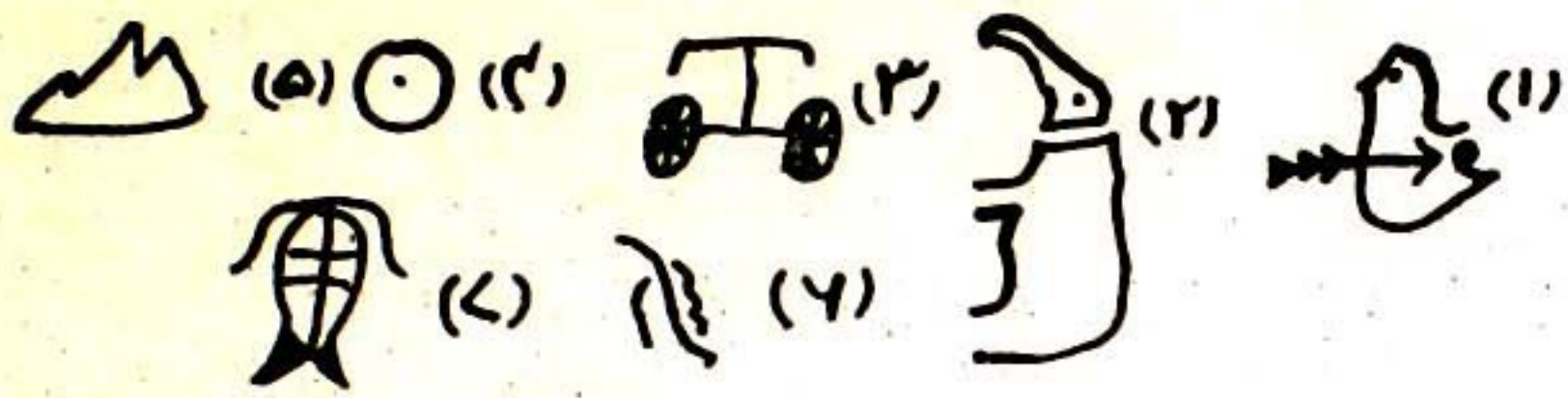
11 - زمانہ 2800 ق م چینی لکیری خط (پاکوآ)

مختلف پائدار و ناپائدار چیزوں پر نوکدار آے سے کچھا ہوا

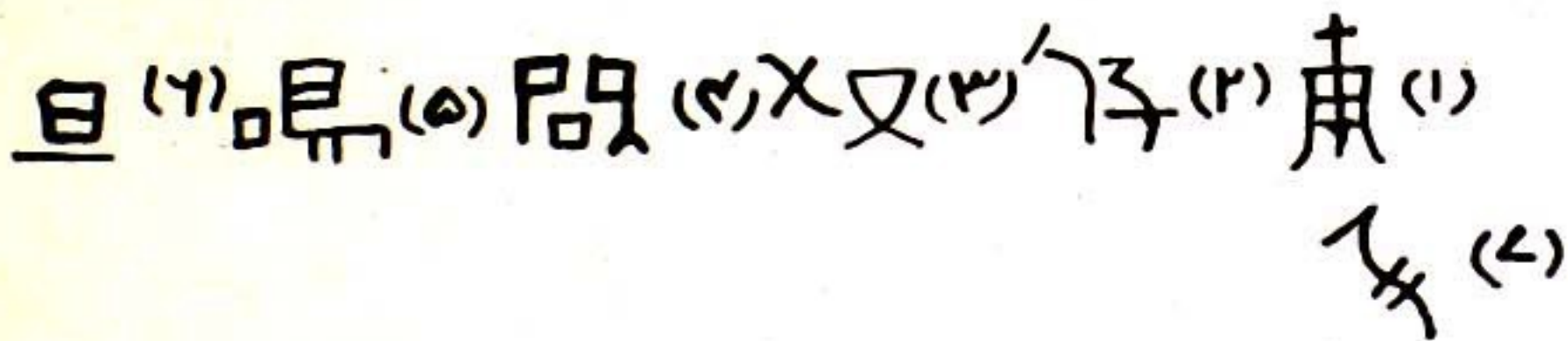
لفظی علامات :- (1) آسمان (2) دلدل (3) پانی (4) طوفان

(5) ہوا - (6) ٹھنڈ

چینی خط -



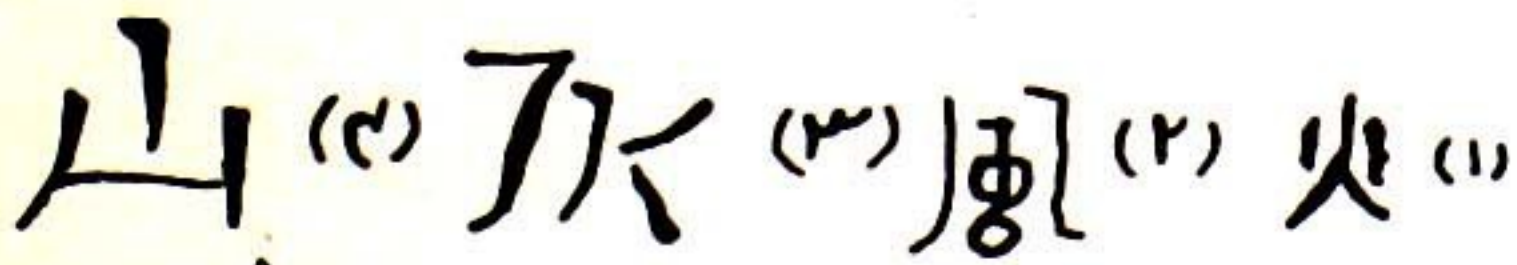
12- زمانہ 1333 تا 1266 ق م مکمل تصویری خط ہڈی اور کچھو کے کپروں پر نقش کیا ہوا لفظی علامات :- (1) شکار کھیلنا (2) کام کرنا (3) رتہ (4) سورج (5) پہاڑ (6) دریا (7) مچھلی۔



چینی خط۔

13- زمانہ 2000 تا 213 ق م۔ تصویری خط لکڑی کی تختیوں پر۔

لفظی علامات :- (1) مشرق (2) حفاظت (3) دوستی (4) پوچھنا (5) گانا (6) سویرا (7) باپ۔



14- زمانہ 213 تا 100 ق م تصویری خط ریشم کے پارچوں پر برش سے۔

چینی تصویری لفظی علامات :- (1) آگ (2) ہوا (3) پانی (3) پہاڑ۔



15- زمانہ 100 ق م اور اس کے بعد۔

لفظی علامات :- (1) سورج (2) چاند (3) درخت (4) بچہ (5) سر، دماغ۔

3 کا 1- 2- 3- سا- جے- یو- می- ای- وے
e 2 1 2 3 4 5 6 7 8 9 10

جدید تصویری خط کاغذ پر بالوں کے برس اور رنگوں سے

۱۶ - جاپانی خط زمانہ 308 ء تصویری صوتی رکن تہی علامتیں کاغذ پر
روشنائی سے۔

(۱) کاٹا کاٹا: کا۔ لے۔ تے۔ سا۔ یو۔ می۔ وے۔

(۲) ہیراگانا: " " " " " " " " " " " "



۱۷ - قدیم سندھی خط زمانہ 3000 ق۔ م۔ چھوٹی پتھر کی تختیوں پر
کھدایا ہوا۔

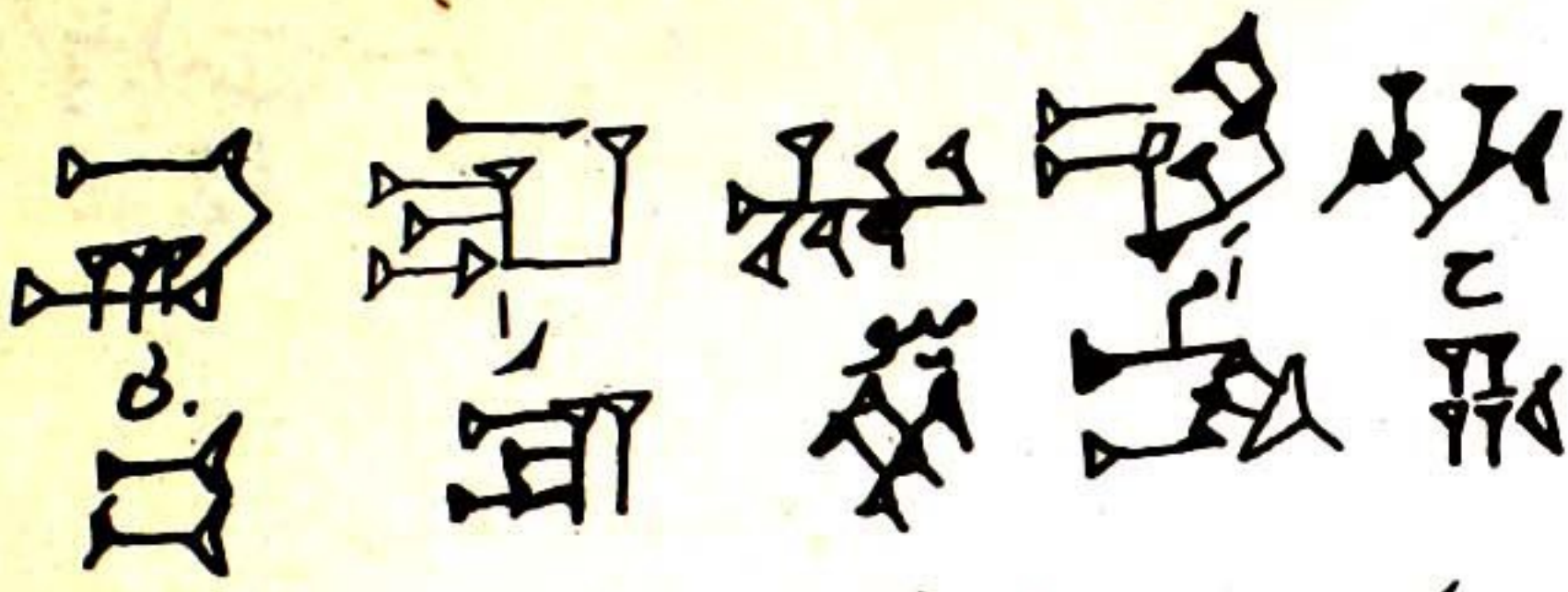
تصویری علامتیں نمبر ۱ جو پڑھی نہیں جاسکتیں

نیم تصویری لفظی علامتیں نمبر ۲۔ جن میں کچھ پڑھی گئیں

تصویری صوتی علامتیں نمبر ۳۔ جو پڑھی جاسکتیں۔

نمبر ۲: بالترتیب دوستی۔ سردار۔ رات چوری لے جانا۔ تیر انداز۔

نمبر ۳: بالترتیب۔ ۱۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔ ٹ۔ ب۔ پ۔ س۔



18 - کیونی فارم حروف کا ارتقا۔ زمانہ 2000 ق م۔

بابلی خط رکن تہجی صوتی علامات مٹی کی پختہ تختیوں پر اسٹائلس سے

تحریر۔ زمانہ 1200 ق م۔

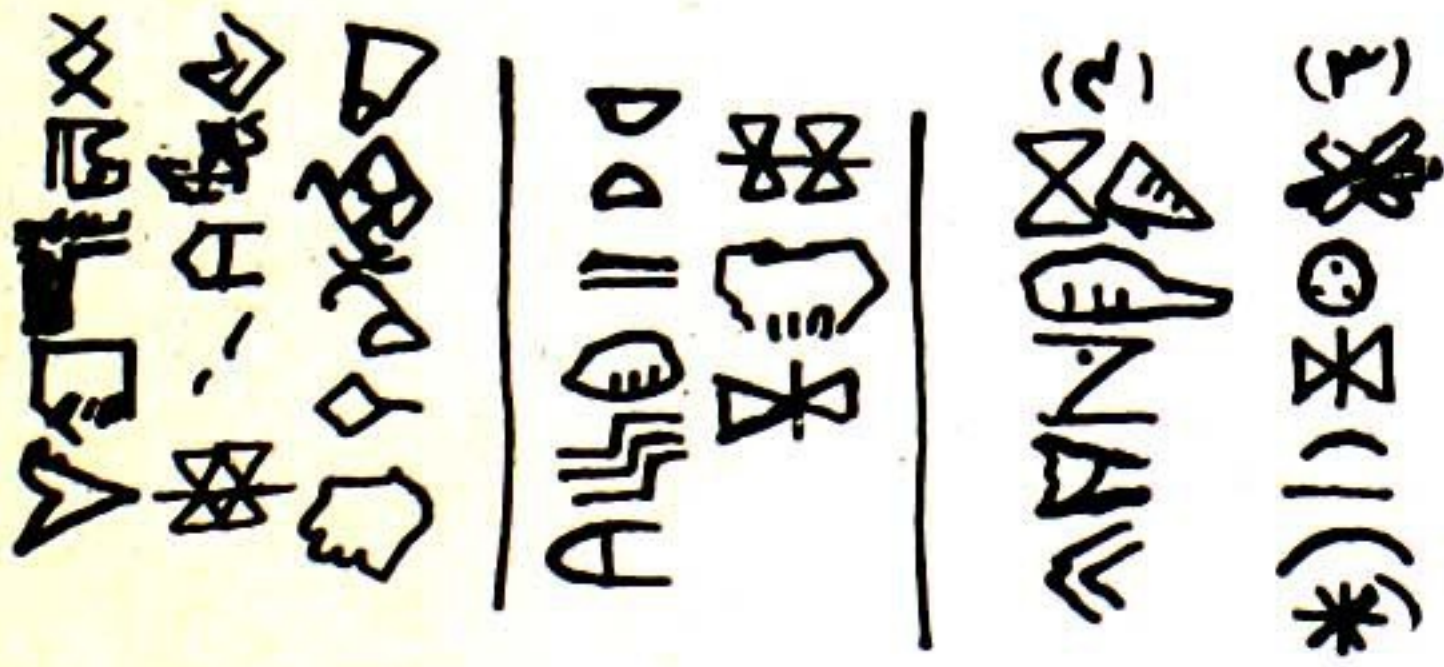
آشوری ترقی یافتہ خط رکن تہجی مٹی کی قوسی تختیوں پر۔



19 - زمانہ 3200 ق م۔ ایلم کا قدیم نیم تصویری لفظی علامات کا خط۔

پتھر پر لکھے نوکتے برآمد ہوئے۔

(1) تیرانداز (2) سردار (3) دوستی (4) رات (5) پوری۔



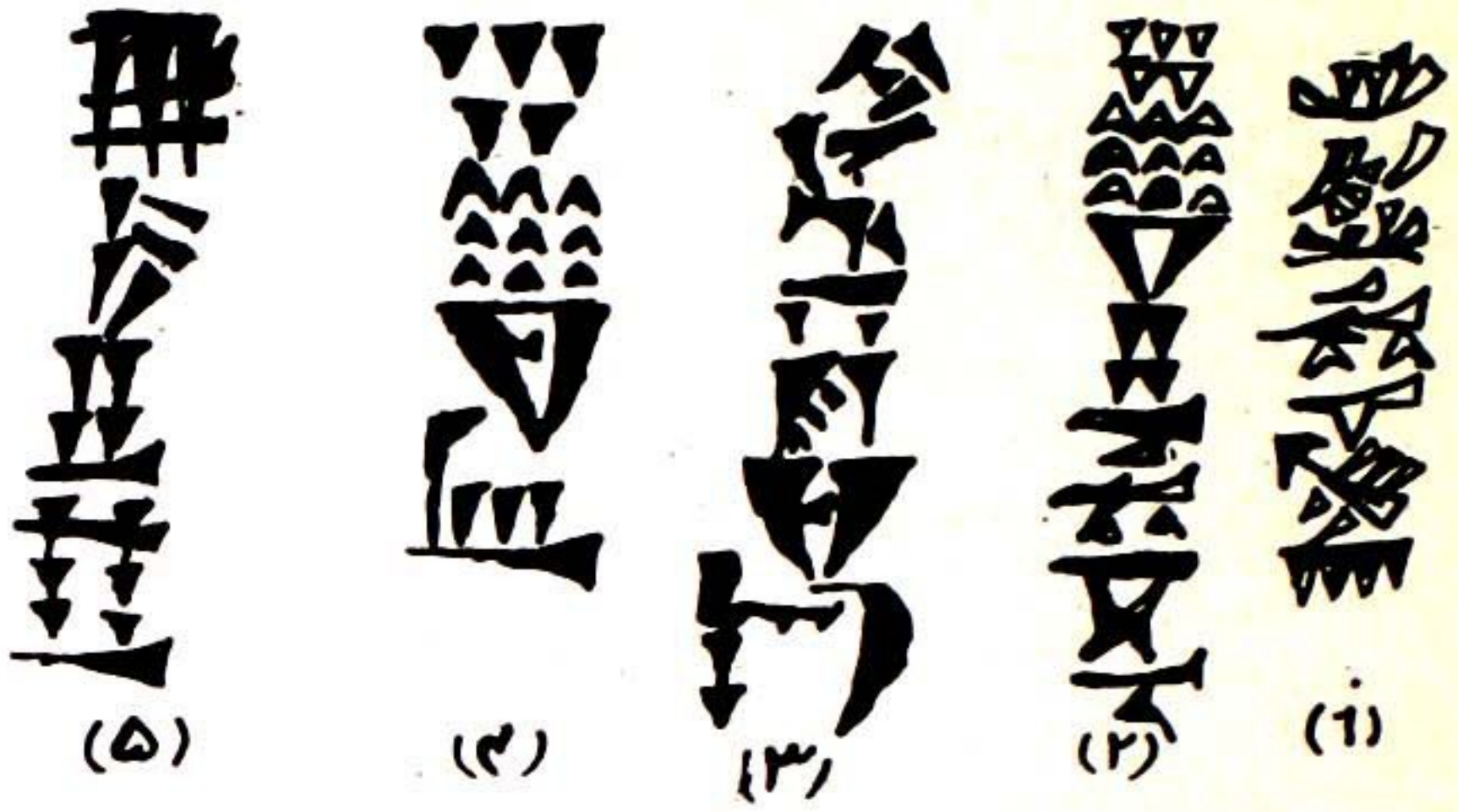
20 - زمانہ 2256 ق م۔ ایلم کا صوتی رکن تہجی کے علامات۔ بائیں طرف

سے کھڑی سطروں میں مٹی کی تختیوں پر تحریر۔

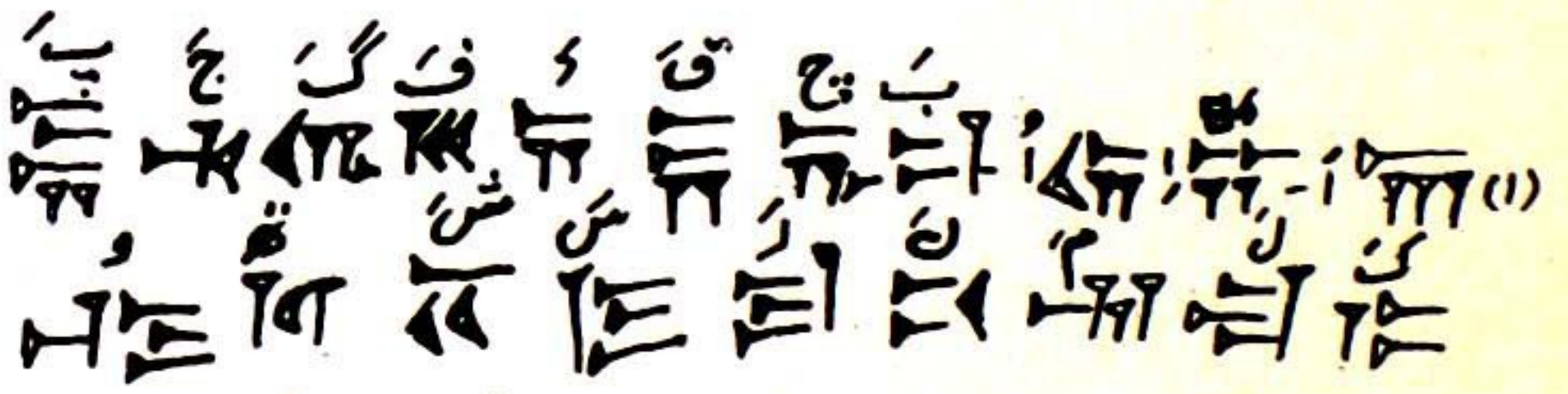
(1) اپنے خدا انشیوشنک کے نام جو انسان کا خالق ہے۔

(2) میں شلک انشیوشنک

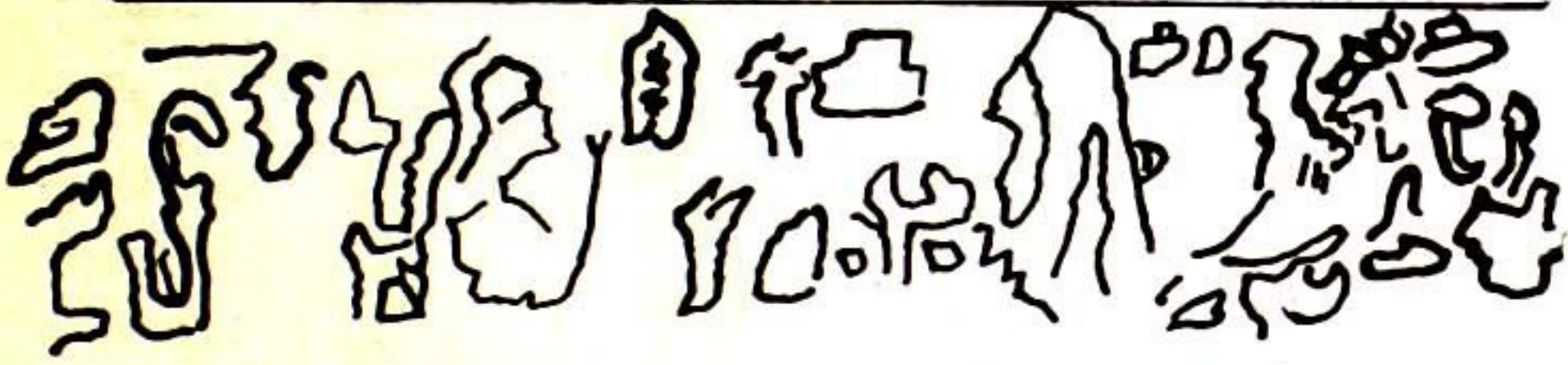
(3) اس مینار کو منسوب کرتا ہوں۔



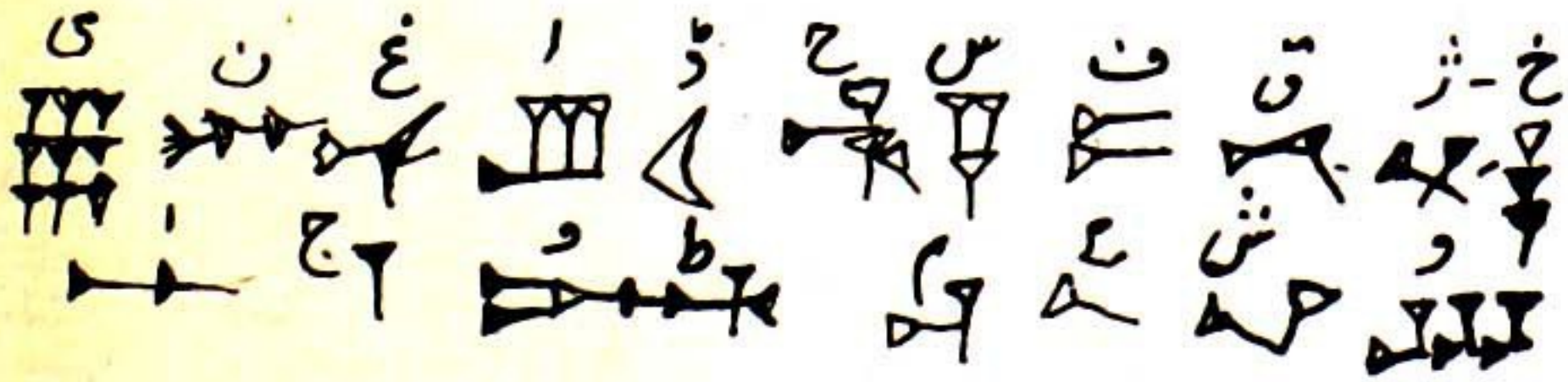
21 - زمانہ 1958 تا 1916 ق م کا ایلم کے دار السلطنت شوسا میں کیونی فارم
 کا کتبہ ایک سات فٹ اونچی چٹان پر کھدایا گیا جس کا مفہوم ہے:-
 ”اگر ایک آدمی کسی کی آنکھ پھوڑے گا، تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے
 گی“ یہ تحریر دائیں طرف سے کھڑی سطروں میں لکھی ہے۔



22 - زمانہ 2000 تا 516 ق م - ایران کا قدیم ترین خط کیونی فارم
 اولاً پتھر پر حروف کندہ کیے جاتے تھے پھر درخت حور کی چھال پر۔
 اس کے بعد چرمی وصلیوں پر اور آخر میں کاغذ پر لکھائی کی گئی۔
 (1) صوتی علامات رکن، نہجی کی کیونی فارم شکلیں۔



23- زمانہ 3000 تا 2000 ق م حتی ماقبل تاریخ تصویریں خط پتھر پر کھرا
 ہوا پڑھا نہیں جاسکا۔ یہ تہذیب پورے ایشیائے کوچک میں شام
 کے علاقے تک تھی اور اس کے قدیم تصویریں خط کے کئی نمونے مختلف
 مدارج کے ہیں۔

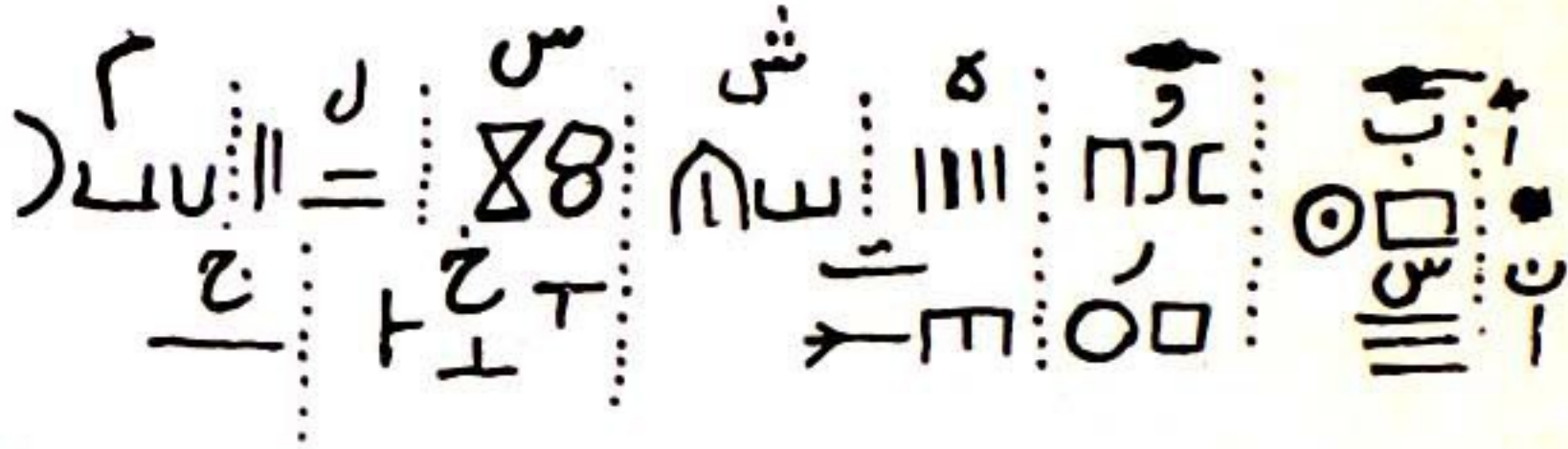


24- زمانہ 2000 تا 1200 ق م میں ایشیائے کوچک نے کیونی فارم
 صوتی رکن تہجی کا خط اختیار کیا جو بہت بڑی بڑی مٹی کی تختیوں پر
 داہنے سے بائیں جاننا تھا مقام اگارت اور بوغازکول میں
 برآمد ہوا۔

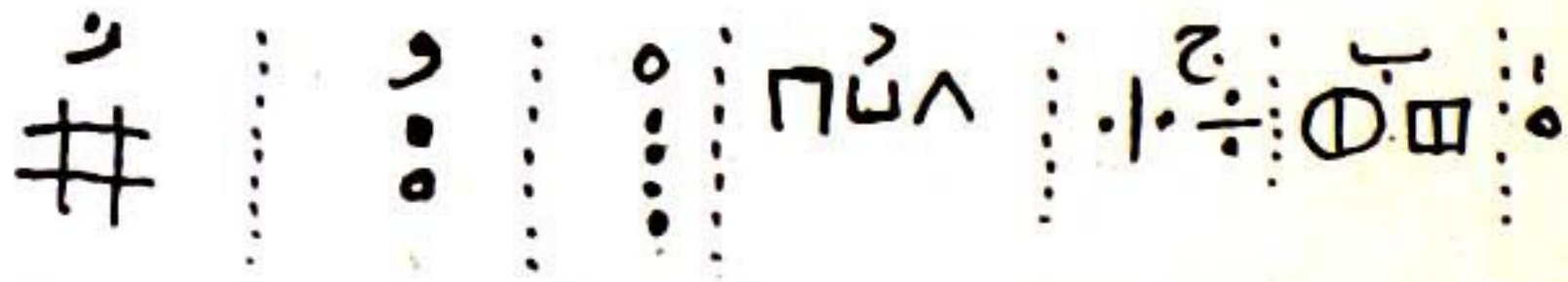
مشرق کے دیگر تصویری خطوط جو مصر، سمیریا اور وادی سندھ
اور چین سے نسبت رکھتے ہیں



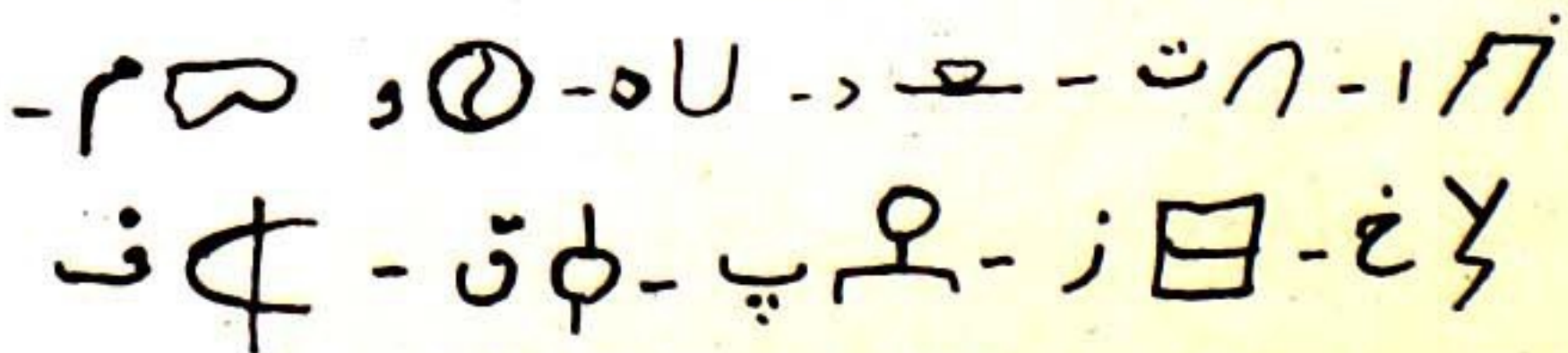
25- زمانہ 300 ق م تا 400 عیسوی میروٹے خطیروف سوڈان کا شمالی صوبہ
تصویری علامات صوتی رکن تہی تحریر داہنی طرف سے۔



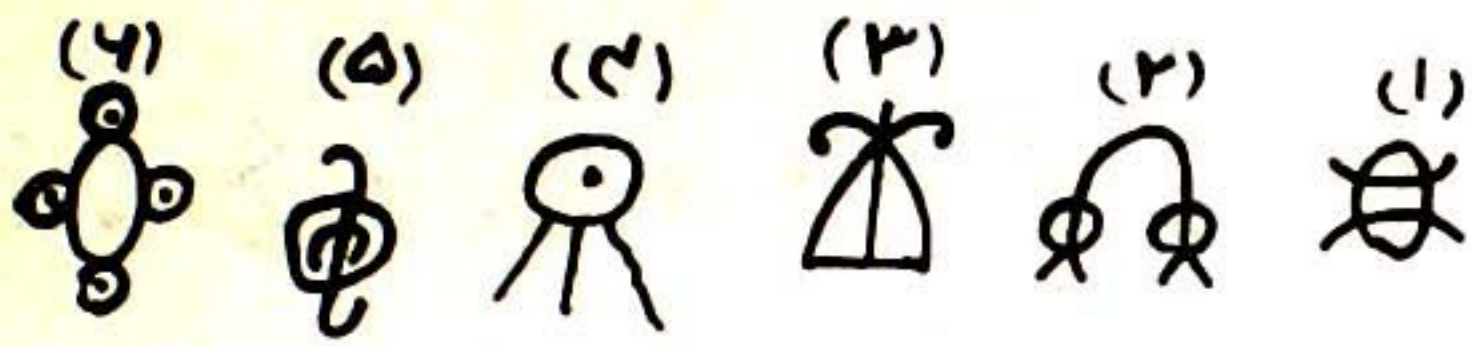
26- زمانہ 300 ق م۔ نو مادی خط لیبیا اور الجیریا کے درمیان واقع
نو مادی پایہ تخت سرتا میں تھا۔ داہنے سے بائیں جانب مہر کی طرح
بغیر حروف علت کا رسم خط۔



27- زمانہ 300 ق م کا بربر خط شمالی مغربی افریقہ کی ایک قدیم قوم
کا خط داہنے سے بائیں جانب لکھا جاتا تھا۔



28- زمانہ 1000 ق م۔ قدیم حبشی خط صوتی یک رکنی 23 حرفی داہنے
سے بائیں جانب



29 - زمانہ 1903ء بامیون تصویری خط افریقہ کے لفظی علامات کا طرز تحریر۔

(1) بادشاہ (2) ہتھیار (3) منہ (4) پکانا (5) کھانا

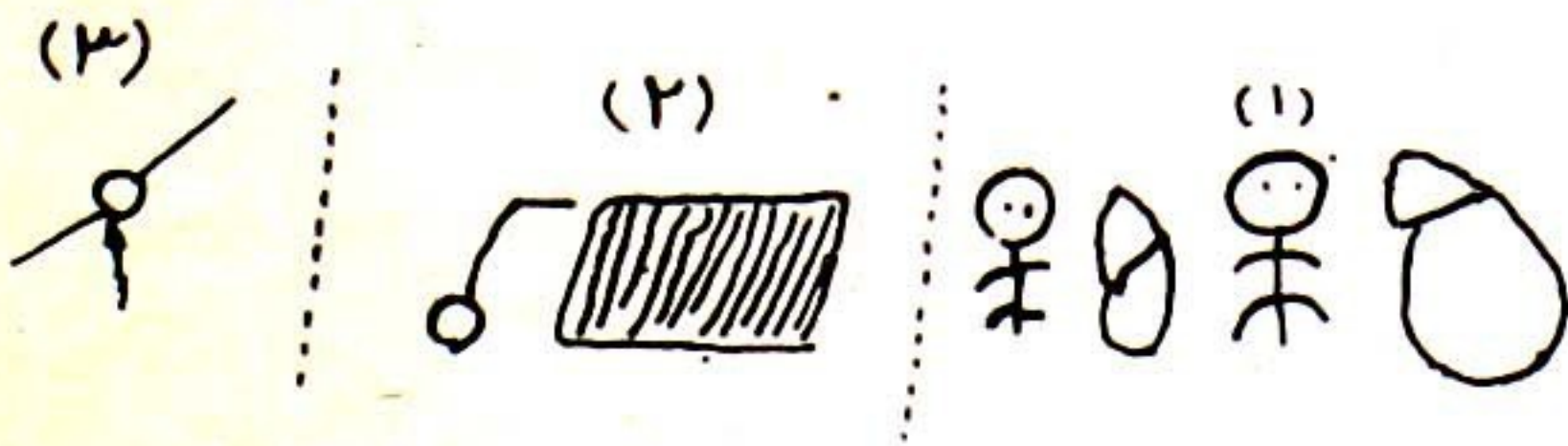
(6) رات کا آرام۔



30 - جزیرہ ایسٹر کا تصویری خط جس کی اصل اور زمانہ ایجاد نامعلوم ہے

سترھویں صدی میں لکڑی کی تختیوں پر شاکرک مچھلی کے کانٹے سے

لکھا ہوا پایا گیا قدیم سندھی خط سے بہت ملتا جلتا ہے۔



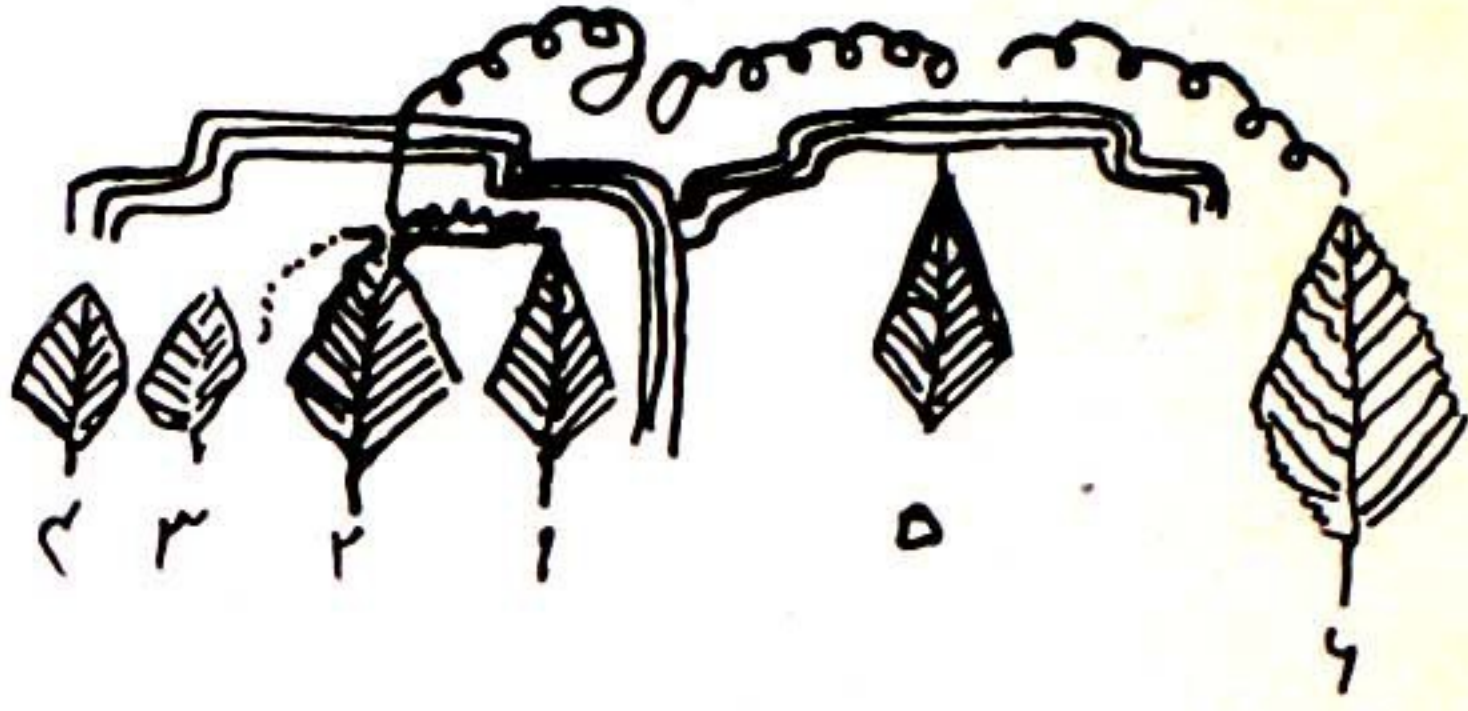
31 - افریقہ میں ایوے زبان بولنے والے نیم مہذب نگر کے تحریر کیے

تصویری خط میں ضرب الامثال۔

(1) دو جنگ جو ایک میدان میں نہیں رہ سکتے۔ (2) سوئی بڑے

بڑے کپڑے سیتی ہے چھوٹوں سے بڑے کام ہو جاتے ہیں (3) تاناکا

سوئی کے ساتھ ہے۔ بچے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

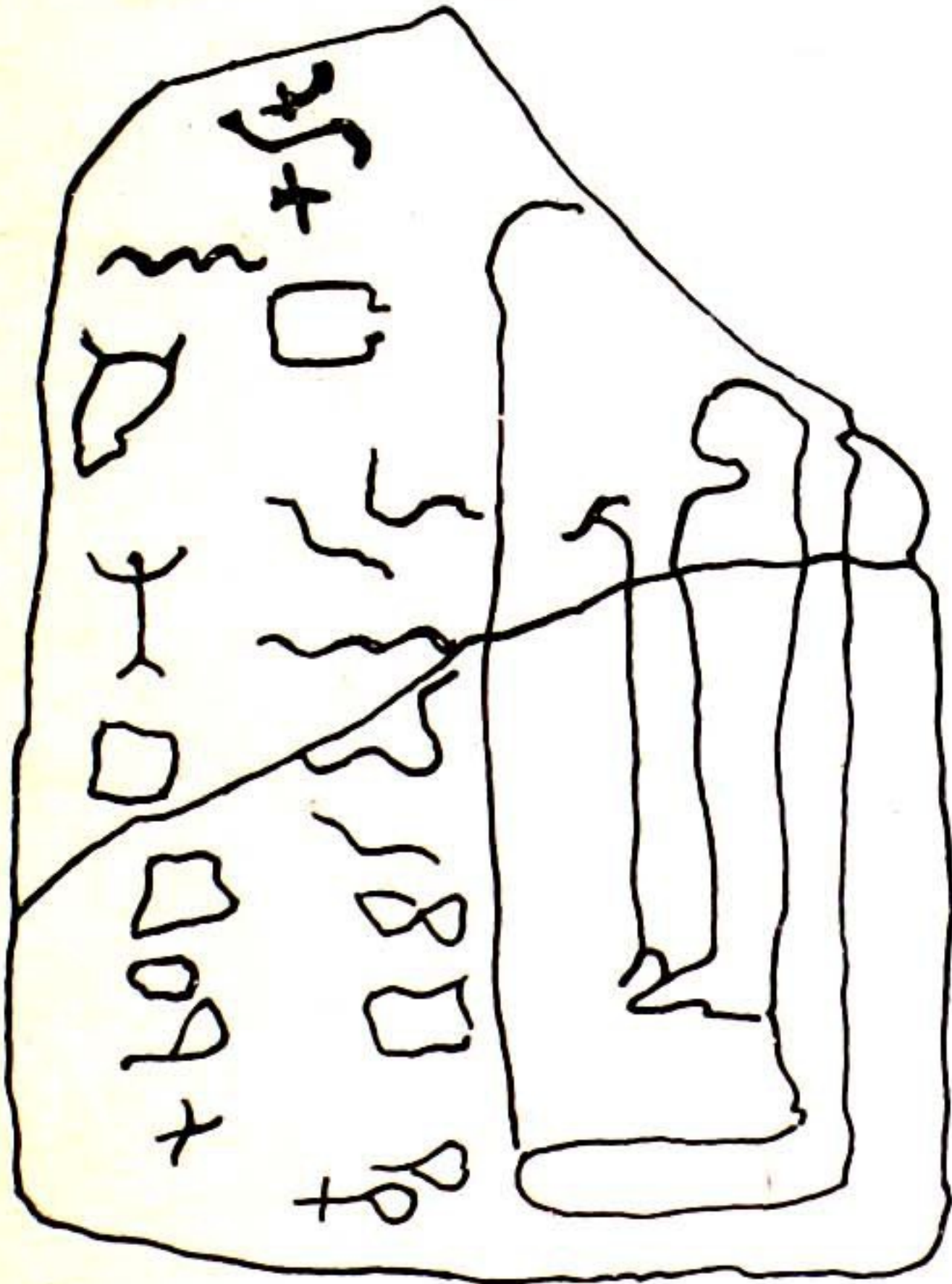


32 - سائیریا میں تصویروں کے ذریعہ المیہ داستان محبت تحریر ہوئی
 (1) شوہر (2) زوجہ (3) اور (4) بچے - شوہر اپنی زوجہ سے
 خوش نہیں ہے - درمیانی کر اس علامتوں سے ظاہر ہے - وہ ایک لڑکی
 (5) سے محبت کرتا ہے اور وہ بھی اسے چاہتی ہے مگر (1) کی زوجہ
 درمیان میں حائل ہے - ایک کنوارا (6) اس دوشیزہ (5) سے
 عشق کرتا ہے مگر وہ اس کی طرف ملتفت نہیں - اس طرح سب
 کی زندگی غم میں گرفتار ہے -

الف بانی حروف (Alphabetic letters) کے رسوم خط کا سلسلہ

اور ان کا مشرقی مغربی شجرہ

الف بانی حروف کی ایجاد کی ابتدائی کڑیاں :-



33 - زمانہ 1900 ق م 1800 ق م کے درمیان منقوش کتبہ سینائی

حروف ابجد کی پہلی کڑی :- پتھر پر داہنے سے بائیں جانب
کھدی ہوئی شمالی سامی سبیری عربوں کی تحریر جسے 1931ء میں
مسٹر مارٹین اسپرنگنگ نے پڑھا۔ عبارت حسب ذیل ہے :-
”بن شمش اپو ادت کے مجسمہ ساز کا نذرانہ اس کی محبوب لعلبت

کی شبیہ“

(پتھر ٹوٹا ہوا ہے اس کا نشان نمایاں ہے)

ماخذ :- بشکر یہ مسٹر ڈگلس میک مرٹری مصنف اسٹوری
آف بک پرنٹنگ اینڈ بک میکنگ جس سے یہ چاروں نمونے
نقل کیے گئے۔

✕ ♂
 A B C D E F Z H Th I K L M N S O P T Q R S h

✕
 5

36- زمانہ 896 تا 884 ق م۔ سنگ موبائی (Molite stone)

الف بائی رسم خط کی سب سے زیادہ واضح ابتدائی شکل۔ یہ تحریر
 موب کے بادشاہ میٹشا اور اسرائیلی بادشاہ جہورام کی ایک جنگ کے
 حالات سے متعلق فنیقی زبان میں ہے جس پتھر پر تحریر کنندہ کئی اسے
 تیزاب میں ڈال کر بر باد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن شکستہ پتھر سے
 صحیح سالم حروف کا عکس لے لیا گیا۔ اور مترادف انگریزی حروف
 کی ترتیب سے اسے نقل کیا گیا جس نے فنیقی حروف کی ایجاد کی سب
 تازہ سخی کڑیاں مکمل کر دیں۔

فنیقی الف بائی رسم خط سے پیدا ہونے والے دوسرے رسم خط مشرق میں

ا ب ج د و ی ز ح ط ک
 ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

ک ل م ن س ع ف ص ق ر ش ت
 ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰

37- زمانہ: 1800 تا 1600 ق م میں فنیقیوں نے سینائی کے سیری
 عربوں کے خط سے بائیس حروف تہجی کا کھلا رکنی (Open Syllabic)
 خط ایجاد کیا۔

ان حروف کے عبرانی مجوزہ نام الف - بیٹ - گبیل - دالط - ہے - واو
 زین - حیٹ - طیٹ - یود - کاف - لامد - نون - سامک -
 عین - فے - صادے - قاف - ریش - شین اور تیو ہیں۔ اسی
 ترتیب سے سامنے اوپری سطر میں سینائی اور نیچے فنیقی حروف
 کی شکلیں دی گئی ہیں۔

فنیقی بائیس حرفی خط 1200 تا 900 ق م میں بنا۔

ا ب جیم دال با واو زا حا طا یا
 ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

38- زمانہ: نویں صدی ق م میں فنیقی خط سے صوری خط بنا اس کے
 ابتدائی دس حروف دیے جاتے ہیں کل اکیس حروف ہیں۔

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

39- زمانہ: دسویں صدی ق م میں اس سے آرامی بائیس حروف بنے۔

1 6 7 8 9 10 11 12 13 14

40- زمانہ: چھٹی صدی ق م میں آرامی سے اکیس حروف کا عبرانی قدیم بنا
بعد میں تیس حروف کا جدید عبرانی بنا۔

15 16 17 18 19 20 21 22 23

41- زمانہ: چوتھی صدی ق م میں عبرانی سے اسماری خط بنا جس کے
تین طرز ہیں۔ (1) سنگی کتبے (2) بائبل نویسی (3) خط و کتابت کی
شکست تحریر۔ بائبل نویسی کا نمونہ دیا جاتا ہے۔

24 25 26 27 28 29 30 31 32 33 34 35 36 37 38 39 40 41 42 43 44 45 46 47 48 49 50 51 52 53 54 55 56 57 58 59 60 61 62 63 64 65 66 67 68 69 70 71 72 73 74 75 76 77 78 79 80 81 82 83 84 85 86 87 88 89 90 91 92 93 94 95 96 97 98 99 100

42- زمانہ: چھٹی صدی ق م میں آرامی سے نجد و حجاز کا خط تمودی اور یمن
کے سبائی خط وضع ہوئے۔ تینوں کی شکلوں کے نمونے دیے جاتے ہیں۔

101 102 103 104 105 106 107 108 109 110 111 112 113 114 115 116 117 118 119 120 121 122 123 124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200

43- زمانہ: ساتویں صدی ق م میں مینوا خط۔

201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300

44- زمانہ: چوتھی و پانچویں صدی ق م کے دوران شراپی۔

301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400

45- زمانہ: تیسری و چوتھی صدی ق م مصری

٧ ٦ ٤ ١ ٣ ٤ ٥ ٦ ٧

46 - زمانہ: دوسری صدی ق م پالمیری یا تدمری جو کہ آرامی کا خط شکست

٧ ٦ ٤ ١ ٣ ٤ ٥ ٦ ٧

47 - زمانہ: پہلی صدی ق م یروشلم۔

٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧

48 - الف پہلی صدی عیسوی نبطی لپٹرا۔

ب - پہلی سے تیسری صدی عیسوی نبطی سینا۔

ج - پہلی سے تیسری صدی عیسوی نبطی بحر۔

د - چوتھی صدی عیسوی نبطی شمارا۔

ه - چھٹی صدی عیسوی نبطی زبد حران۔

الف بانی رسوم خط کا مشرقی سلسلہ

آرامی رسم خط سے پیدا ہونے والے دوسرے خط :-

٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧
٧	٦	٤	١	٣	٤	٥	٦	٧

49 - زمانہ: دوسری صدی عیسوی صفائی :- صفاد مشرق کے شمال میں ہے

یہاں سے دو ہزار کتبے ملے۔

ρ 3 τ θ υ d 7 λ

50 - زمانہ: چوتھی صدی عیسوی؛ ام الجبل واقع جنوبی عرب میں جو
تخریر پائی گئی۔

ρ □ ↑ Η Θ λ ϑ » 7 λ

51 - زمانہ: چوتھی صدی ق م؛ لیبانی تخریر العلماء اور البحر میں ہیروبنے
1889 میں پائی۔

⊥ ϑ ρ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ

52 - زمانہ: ساتویں صدی عیسوی؛ کوئی خط حران ایک گرجا کے
دروازہ پر کندہ حروف سے ماخذ کونے میں ترقی دی گئی۔

ا ب ج 7 لا و ز ح ط ی

53 - زمانہ: ساتویں صدی عیسوی میں؛ نسخہ کو نقش شمارا جنوب
مشرق دمشق سے ترقی دی گئی۔

7 ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ

54 - زمانہ: دوسری تا پانچویں صدی عیسوی؛ استرابجلو شام میں مستعمل تھا۔

z 7 ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ ϑ

55 - زمانہ: نویں صدی عیسوی نسٹوری خط مشرقی شام سے یہود و نصارا
شمالی ایران لے گئے۔

ا ف و ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

56- زمانہ: آٹھویں صدی ۱۶ء۔ یعقوبی معربی شام میں ادیسا کے بشتپ
جیکب برلوس ادلونے ایجاد کیا۔

ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

57- زمانہ: بارھویں صدی ق م :- براہمی خط فنیقی الف بانی حروف سے
ماخوذ۔

ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

58- زمانہ: پانچویں صدی ق م کھروشٹی افغانستان کے علاقے کی باختری
اور ہندی تحریر۔

ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

59- زمانہ: 250 ق م سے 250ء تک پہلوی آرامی سے بنی اور ایران
میں رائج تھی۔

ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

60- زمانہ: چوتھی صدی ۶ء۔ آذربائیجان سے بنی ایرانی پارسیوں کی تحریر۔

ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ ٲ

61- زمانہ: چوتھی صدی ۶ء۔ آرمینیائی کو آرامی، پہلوی اور یونانی سے
سینٹ مسروپ نے بنایا۔

ح ۲ ۲ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹

62- زمانہ پانچویں صدی ۱۶ء۔ جارجیائی بھی مذکورہ بالا خطوں سے مرکب ہے۔

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶

63- زمانہ دوسری صدی ۶ء؛ سوغدی آرامی خط سے بنا اور نویں صدی

تک پورے وسط ایشیا اور شمالی مشرقی چین تک پھیل گیا۔

۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲

64- زمانہ آٹھویں صدی ۶ء یونگر خط نستوری سے بنا اور منگولیا میں پھیل گیا۔

۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸

65- زمانہ تیرھویں صدی ۶ء میں قلماتی یونگر سے بنا۔

۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴

66- زمانہ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولیا کی خط یونگر سے بنا۔

۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰

67- زمانہ سترھویں صدی ۶ء میں مانچو یونگر سے بنا۔

۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶

68- زمانہ آٹھویں صدی ۶ء میں یاسی آرامی اور سوغدی سے بنا۔

براہمی اور کھروشی رسوم خط سے ہندوستانی اور دیگر ممالک کے

رسوم خط کا سلسلہ

خط براہمی کا سلسلہ :-

ک کھ ڪ گم ج جھ جھ جھ جھ
C ۲ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

69 - زمانہ تیسری صدی ق م براہمی اشوک کے زمانے کی۔

ڪ ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥ ० ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥

70 - زمانہ چوتھی صدیء گپتا لکھائی۔

ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥ ० ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥

71 - چھٹی صدی عیسوی کٹلتانہ کی پٹیٹ پر ہرش وردھن کے زمانے تک۔

ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥ ० ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥

72 - زمانہ بارھویں صدیء کامروپ آسام میں راج لکھی۔

ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥ ० ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥

73 - زمانہ آٹھویں صدیء شارد اپنجاب و کشمیر میں مستعمل تھی۔

ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥ ० ॠ ॡ ॢ ॣ । ॥

74 - زمانہ پانچویں صدیء چوکور سرولکھائی وسط ہند میں۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

75- زمانہ انیسویں صدی ء ٹکری (ٹھکری) شمارہ اکا خط شکست
کشمیر کی سرکاری تحریر۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

76- زمانہ بارھویں صدی ء کیونچھا خط برہمی کی ایک شاخ پالی سے لنکا
کے بودھوں نے برہما میں بنایا۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

77- زمانہ نامعلوم نارٹ کی پٹیوں پر لکھا خط چالوہنہ برہما میں مستعمل تھا۔
جو کیونچھ سے نکلا۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

78- زمانہ تیرھویں صدی عیسوی میں بورومات سے تھائی خط بنا جس کے
چینی خط کے اثرات ہیں۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

79- زمانہ چھٹی صدی ء میں اکثر مول کبوتر یا دکیو جھا کا خط برہمی سلسلے
کا ہے۔

८ ५ ३ ३३ ५ ५ ५ ५ ५

80- زمانہ ساتویں صدی ء میں قدیم جاوی جنوبی ہند کی گرنٹھ لپی سے بنی۔

• ॐ ग ल ग य ष ण ॐ

81- زمانہ آٹھویں صدیء کا کیرت رسم خط گپتا خط سے بنا ہے نیپال میں رائج ہے۔

ॐ अ उ क ण म ण क

82- زمانہ چودھویں صدیء کا بھوجنی مول خط میتھلی سے پیدا ہوا۔ نیپال میں رائج ہے۔

ॐ . . ॐ क र वां ण

83- زمانہ نامعلوم میں یوچن خط گپتا خط سے بنا تبت کے وسطی صوبہ یو کا خط ہے۔

ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ

84- زمانہ تیرھویں صدیء کا پاسیپا خط تبت میں مستعمل ہے۔

ॐ . . ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ

85- زمانہ نامعلوم سے لپیچہ یارونگ خط سکھ میں مستعمل ہے۔
مؤخر الذکر دونوں خط نمبر 184 اور 85 برہمی سے بنے ہیں۔
اس طرح جنوب مشرقی ممالک اور ہمایائی خطوں میں تمام رسوم خط برہمی کا سلسلہ ہیں۔

ہندوستان کے جدید رسوم خط کا سلسلہ

ک کھ گ گھ چ چھ ج جھ
 क ख ग घ च छ ज झ

86 - زمانہ آٹھویں صدی ۶ میں دیوناگری خط کو طویل اور گپتا خطوط سے بنارس شہر میں بنایا گیا۔

क ख ग घ ङ च छ ज झ

87 - زمانہ گیارھویں صدی ۶ میں بنگلہ خط دیوناگری سے پیدا ہوا اور پندرھویں صدی میں مکمل ہوا۔

उ न ङ च ण न ङ ञ

88 - زمانہ سوٹھویں صدی ۶ میں گرنگھی خط پنجاب میں سکھ مذہب کی کتابیں لکھنے کے لیے گرو انگد نے ایجاد کیا اس میں کچھ حروف دیوناگری کے کچھ شماردا کے اخذ کیے گئے ہیں۔

क ख ग घ ङ च छ ज झ ञ

89 - زمانہ پندرھویں صدی عیسوی میں گجراتی خط دیوناگری سے بنایا گیا۔

क ख ग घ ङ च छ ज झ ञ ण

90 - زمانہ پندرھویں صدی ۶ میں تیلیگو خط برہمی خط کی جنوبی شاخ سے بنایا گیا۔

• ೀ • ೆ • • • ೈ

91 - زمانہ پندرھویں صدی ء میں تامل خط نے برہمی خط کی جنوبی شاخ سے
نشوونما پائی۔

• ೀ ು ೂ ೃ ೄ ೅

92 - زمانہ آٹھویں صدی ء میں ملیالم خط دکن کے گرنٹھ خط سے پیدا ہوا
آگے چل کر اس میں تامل کے کچھ حروف کا اضافہ ہوا۔

• ೆ ೇ ೈ ೉ ೊ

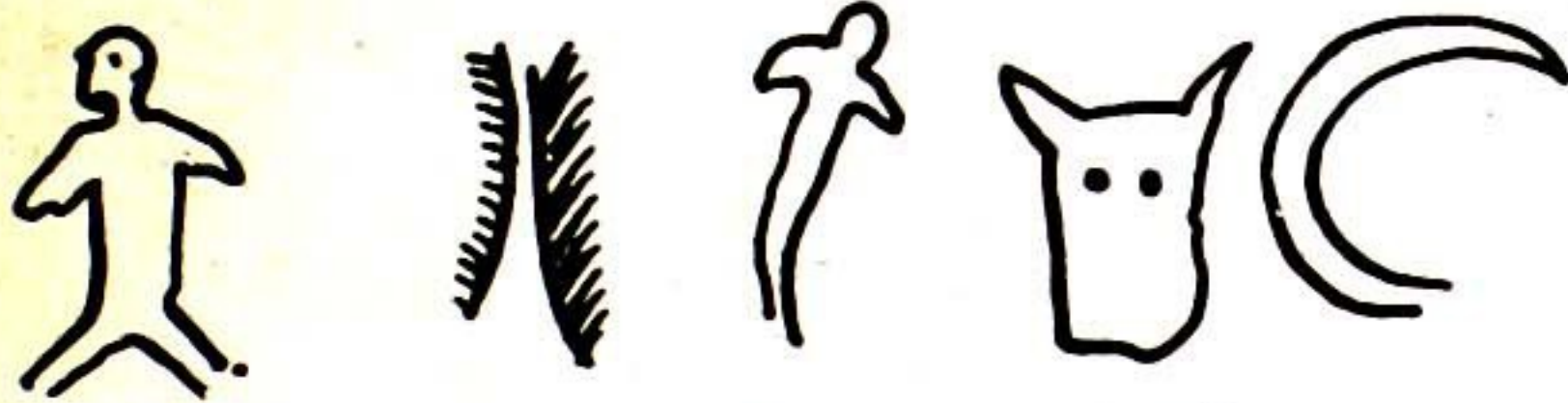
93 - زمانہ نویں صدی ء میں اتلو خط کرگ ریاست کے لوگوں کے لیے وضع
کیا گیا۔

• ೋ ್ • ್ • ್ • ್ • ್

94 - زمانہ سوٹھویں صدی ء میں اڑیا خط ریوناگری اور بنگلہ خط سے
بنایا گیا۔ یہ اڑیسیہ میں مستعمل ہے۔

رسوم خط کا سلسلہ اور باہمی رشتے

(مغربی سلسلہ)



لفظی علامات	کریٹ	سندھ
تیرانداز		
سردار		
دوستی		
خوشی		
رات لے جانا		
چوری		

95- یورپ کی سرزمین پر ماقبل تاریخ تحریری نشانات کریٹ میں ملتے ہیں جن کو پورے طور پر پڑھا نہیں جاسکا اس کے نمونے سامنے دیے گئے ہیں۔ ان کا زمانہ 3200 تا 1400 ق م ہے۔ پتھر اور مٹی کی تختیوں پر تحریریں جو علامتیں پڑھی جاسکی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا قریبی رشتہ سمیریہ، مصر قدیم، ایلم قدیم اور ماقبل تاریخ وادی سندھ سے ہے جو اکثر مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سر آر تھرایوان کی دریافت ہیں۔ یہاں کریٹ کی تصویری علامتوں کا قدیم سندھی ماقبل تاریخ خط سے تقابل ہے۔

↑ + 8 ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

96- زمانہ 1400 تا 1100 ق م میں قبرصی مینون بیکری صوتی

علامت کا خط اس سے پیدا ہوا۔

𐤀 𐤁 𐤂 𐤃 𐤄 𐤅 𐤆 𐤇 𐤈 𐤉 𐤊 𐤋 𐤌 𐤍 𐤎 𐤏 𐤐 𐤑 𐤒 𐤓 𐤔 𐤕 𐤖 𐤗 𐤘 𐤙 𐤚 𐤛 𐤜 𐤝 𐤞 𐤟 𐤠 𐤡 𐤢 𐤣 𐤤 𐤥 𐤦 𐤧 𐤨 𐤩 𐤪 𐤫 𐤬 𐤭 𐤮 𐤯 𐤰 𐤱 𐤲 𐤳 𐤴 𐤵 𐤶 𐤷 𐤸 𐤹 𐤺 𐤻 𐤼 𐤽 𐤾 𐤿

97- زمانہ 1400 تا 700 ق م قبری خط لکیری طرز کا جو د میں آیا۔

𐀀 𐀁 𐀂 𐀃 𐀄 𐀅 𐀆 𐀇 𐀈 𐀉 𐀊 𐀋 𐀌 𐀍 𐀎 𐀏 𐀐 𐀑 𐀒 𐀓 𐀔 𐀕 𐀖 𐀗 𐀘 𐀙 𐀚 𐀛 𐀜 𐀝 𐀞 𐀟 𐀠 𐀡 𐀢 𐀣 𐀤 𐀥 𐀦 𐀧 𐀨 𐀩 𐀪 𐀫 𐀬 𐀭 𐀮 𐀯 𐀰 𐀱 𐀲 𐀳 𐀴 𐀵 𐀶 𐀷 𐀸 𐀹 𐀺 𐀻 𐀼 𐀽 𐀾 𐀿

98- زمانہ 1500 تا 1100 ق م یونانی اور سینا کے ملاپ سے یونان

میں صوتی رکنی خط کریٹ کے خط سے پیدا ہوا۔

الفا بیٹا گاما ڈیٹا ایپلون زیٹا ایٹا تھیٹا یوٹا کپا ایمڈا
𐀀 𐀁 𐀂 𐀃 𐀄 𐀅 𐀆 𐀇 𐀈 𐀉 𐀊 𐀋 𐀌 𐀍 𐀎 𐀏 𐀐 𐀑 𐀒 𐀓 𐀔 𐀕 𐀖 𐀗 𐀘 𐀙 𐀚 𐀛 𐀜 𐀝 𐀞 𐀟 𐀠 𐀡 𐀢 𐀣 𐀤 𐀥 𐀦 𐀧 𐀨 𐀩 𐀪 𐀫 𐀬 𐀭 𐀮 𐀯 𐀰 𐀱 𐀲 𐀳 𐀴 𐀵 𐀶 𐀷 𐀸 𐀹 𐀺 𐀻 𐀼 𐀽 𐀾 𐀿

99- زمانہ 1300 ق م میں فنیقی الف بانی رسم یونان کے شمالی صوبہ

یوسیا پہنچا۔

𐀀 𐀁 𐀂 𐀃 𐀄 𐀅 𐀆 𐀇 𐀈 𐀉 𐀊 𐀋 𐀌 𐀍 𐀎 𐀏 𐀐 𐀑 𐀒 𐀓 𐀔 𐀕 𐀖 𐀗 𐀘 𐀙 𐀚 𐀛 𐀜 𐀝 𐀞 𐀟 𐀠 𐀡 𐀢 𐀣 𐀤 𐀥 𐀦 𐀧 𐀨 𐀩 𐀪 𐀫 𐀬 𐀭 𐀮 𐀯 𐀰 𐀱 𐀲 𐀳 𐀴 𐀵 𐀶 𐀷 𐀸 𐀹 𐀺 𐀻 𐀼 𐀽 𐀾 𐀿

100- زمانہ آٹھویں اور ساتویں صدی ق م میں یونانی خط کے انیس فنیقی

اور پندرہ ان کے ایجاد کیے ہوئے حروف اطالیہ پہنچے اور اہرٹسکن

نے ان سے اپنا رسم خط بنایا۔

𐀀 𐀁 𐀂 𐀃 𐀄 𐀅 𐀆 𐀇 𐀈 𐀉 𐀊 𐀋 𐀌 𐀍 𐀎 𐀏 𐀐 𐀑 𐀒 𐀓 𐀔 𐀕 𐀖 𐀗 𐀘 𐀙 𐀚 𐀛 𐀜 𐀝 𐀞 𐀟 𐀠 𐀡 𐀢 𐀣 𐀤 𐀥 𐀦 𐀧 𐀨 𐀩 𐀪 𐀫 𐀬 𐀭 𐀮 𐀯 𐀰 𐀱 𐀲 𐀳 𐀴 𐀵 𐀶 𐀷 𐀸 𐀹 𐀺 𐀻 𐀼 𐀽 𐀾 𐀿

101- زمانہ ساتویں صدی ق م لاطینی خط داہنے سے بائیں پبلیسٹرینا اطالیہ

میں 1926ء میں برآمد ہوا۔

𐀀 𐀁 𐀂 𐀃 𐀄 𐀅 𐀆 𐀇 𐀈 𐀉 𐀊 𐀋 𐀌 𐀍 𐀎 𐀏 𐀐 𐀑 𐀒 𐀓 𐀔 𐀕 𐀖 𐀗 𐀘 𐀙 𐀚 𐀛 𐀜 𐀝 𐀞 𐀟 𐀠 𐀡 𐀢 𐀣 𐀤 𐀥 𐀦 𐀧 𐀨 𐀩 𐀪 𐀫 𐀬 𐀭 𐀮 𐀯 𐀰 𐀱 𐀲 𐀳 𐀴 𐀵 𐀶 𐀷 𐀸 𐀹 𐀺 𐀻 𐀼 𐀽 𐀾 𐀿

102- زمانہ نویں صدی ۶ میں گلاگوٹک خط یونانی سرلک شاخ سے بنا۔

α α β γ δ ε ζ η θ ι κ λ μ ν ο π ρ σ τ υ φ χ ψ ω

103 - نوں صدی ۶ میں ابتدائی سرک خط یونانی بیالیس حروف سے بنا۔

α Α β β γ Γ δ Δ ε Ε ζ η κ κ ρ ρ

104 - اسی زمانے میں بلگیرائی سرک خط ابتدائی سرک سے بنا۔

α Α β β γ Γ δ Δ ε Ε ζ η κ κ ρ ρ

105 - ۱۷۰۸ میں روسی سرک یا کووٹسک ابتدائی سرک سے بنا۔

فنیقی الفبائی رسم خط کا مغربی سلسلہ

یورپ میں الفبائی حروف کی ابتدائی شکلیں

ι ρ η ζ κ ε δ γ β α

ι ρ η ζ κ ε δ τ β ρ

106 - زمانہ پوتھی صدی ۶ میں گوٹھک خط ایک مسیحی مشن نے بنایا جس میں
ایس یونانی حروف چھ لاطینی اور دو یونک حروف بھی شامل تھے۔

† · ✕ ✕ ✕ ✕ ✕ ✕ ✕ ✕

107 - آٹھویں صدی عیسوی میں قدیم ہنگری میں خط بنا جس کی لکھائی دائیں
سے بائیں، بائیں سے دائیں دونوں رخ پر تھی۔

1 P h d < v > s < c l b 8

108 - زمانہ نامعلوم بارڈک خط غالباً یونک سے بنا جو کلٹک ائندو یورپی قبیلہ بارڈ سے موسوم ہے۔

Λ Π Ν Τ Λ ν Ϙ ε ϛ Ϟ ϙ ϙ

109 - زمانہ 500 اور 300 ق م کے دوران آئیرین خط ہسپانیہ میں بنا۔ لکھائی داہنے جانب سے تھی۔

||||| ||||| L . . ||||| ||| # - +

110 - زمانہ چوتھی صدی ق م میں اوگھاما کلٹک بت پرستوں کے معبود کا نام ہے۔ ایجاد ہے۔

1 2 N . 8 M Ϟ 4 B F

111 - زمانہ پہلی دوسری صدی ۶ میں قدیم جرمن ریون خط میں ٹیوٹن قبیلہ قبر کے پتھروں پر خفیہ طلسمی تاثیر کے حروف لکھتا تھا۔

1 2 H ϕ ψ M Ϟ x B F

112 - زمانہ پانچویں چھٹی صدی ۶ سے دسویں صدی ۶ تک اینگلو سکسین ریون خط جرمن قبائلی حملہ اور انگلستان میں استعمال کرنے رہے رومن کے آنے کے بعد ختم ہو گیا اور رومن خط رائج ہوا۔

۱ ۲ * ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

۱۱۳ - زمانہ نویں صدی ۶ میں اسکینڈینیویائی ریون خط ریون کے ڈنمارک سوڈن اور ناروے پہنچنے پر پیدا ہوا اور تیرھویں صدی ۶ میں اس کا زوال شروع ہوا۔ سترھویں صدی تک کچھ حروف تھے۔

۱ ۲ * ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

۱۱۴ - زمانہ دسویں صدی ۶ میں ڈاٹڈ ریون خط مسیحی مذہب اور لاطینی خط شمالی یورپ اور انگلستان میں درآمد ہونے پر وجود میں آیا۔ یہ دراصل ریون کے رومن حروف میں متبدل ہونے کا نام ہے۔ تیرھویں صدی ۶ نصف اول میں اس کی تکمیل ہوئی۔

۱ ۲ * ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

۱۱۵ - زمانہ نامعلوم ڈاسکار یون ۱۷۵۰ء تک اس کا سراغ ملتا ہے یہ ریون کی ایک خفیہ طرز تحریر ہے۔

کتابیات

<u>S. No.</u>	<u>Name of Book</u>	<u>Name of Author</u>	<u>Ref. Edition</u>
1.	Historians' History of the world	Edited by H. S. William LLD	London 1908
2.	The Book: Story of printing and Book Making	Douglas C Mc Murtrie	Oxford University Press 1966
3.	Competus Encyclopaedia;	The Story of Book Through the Ages	London 1924
4.	Black on White	The Story of Book by M. Ilin, Translated by Batrice Kincaise	New York 1932
5.	History of Book	Svind Dayal	New York 1962
6.	Encyclopaedia Britannica		Cambridge University Press 1910
7.	History of Book and Imperial Libraries of Iran	Ruknudding Humayun Farrukh	Tehran 1973
8.	From Papyrus to Paperback	E. S. Harvelay and J. Hampdon	London 1958
9.	Primitive Research of Mankind	Max Schsmidt	
10.	Man before Metal	N. Jolly	London 1892
11.	Evolution in Art	A, C. Hadden	London 1895
12.	Review of Indological Research on Vedic Literature	Dr. G. V. Deosthali Edited by P. J. Chumul Gound I. C. S.	Hyderabad 1960
13.	History of Telgu Literature	D. Ramaiya Rao, Translated by Zinat Sajida	Anjuman Tarraqqi Urdu
14.	History of Urdu Literature	Ram Babu Saxena	Nawal Kishore Press Lucknow 1937
15.	Libraries and Automation	Barbara Evans Merkuson	Library of Congress Washington 1974

<u>S. No.</u>	<u>Name of Book</u>	<u>Name of Author</u>	<u>Ref. Edition</u>
16.	Manual of Libraries Economy	R. North Wood	London 1962
17.	Librarianship	Frank Atkinson	Clive Rungsey London 1974
18.	The Librarian and his World	Chamberlein	Victor Gollancz Ltd. London 1968
19.	Introduction to librarianship	Edmund V. Corbeff	London 1969
20.	Progress in Library science	Edited by Robert L. Collision	London Butter Worth 1967
21.	The Five Laws of Library Science	S. R. Ranganathan	Asia Publishing House 1963
22.	The Readers Guide Series	K. E. Harrison	Clive Bungley London
23.	Librarianship in the Developing Countries	-	London 1966
24.	Function of Bibliography	Roy Stokes	London 1969
25.	Technique of information Retrieval	K. C. Viecery	London 1970
26.	The Story of Book	Agnes Allen	Faber & Faber London 1967
27.	History of Babylone and Assirria	Wright	
28.	Life Under Phaoraohs	Leonard Cottrell	London 1955
29.	History of Early Church	William Maure	-
30.	Hindi Sahittic Ethas	Rai Saleb Shyam Sunder	-
31.	Essays on the history of Mankind in Rude and Cultivated Ages	James Dunbbar	-



<u>S. No.</u>	<u>Name of Book</u>	<u>Name of Author</u>	<u>Ref. Edition</u>
32.	Rocks Classified and Described	Bur Whardt Van, Cotta	1866
33.	Moors in Spain	Stanely Lanepole	-
34.	The Origin of the Indian Brahmi Alphabet	George Buhler	-
35.	Alphabet	Issac Tayloer	London 1883
36.	Early Russia	T. Gulubeva & L. G. Gillersbun	Moscow 1960
37.	Facts on Cultural Exchange	A. P. Elexendroy President of Academy of Science	Moscow 1971
38.	Books for All	UNESCO	-
39.	The Book Hunger	Edited by Ronald Barker and Robert Escarpet.	New York 1974
40.	Annual Report of Indian Book Industry	-	Rajnesh Foundation Publisher Poona 1976
41.	An Introduction to Bibliography for Library Students.	Ronald Mckerrow	Oxford Calrendan Press 1962
42.	Encyclopaedia America Vol. 17	-	USA Chicago Edition 1961
43.	The Golden Treasure of Knowledge Vol. 14 Ancient India, Aryans and Dravidians Culture Muhanjodaro Sanskrit Writing	-	-
44.	World Wide Encyclopaedia	-	-
45.	Paper: History, Source and Manufacture	Medox	-
46.	Comparative Librarianship	N. N. Gidwani	-
47.	W. B. Publications	UNESCO	1975

جناب شایاں قدوائی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء
 سے تعلیم حاصل کی۔ اتر پردیش سرکار میں مختلف عہدوں پر
 کام کرتے رہے۔ اب سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔
 آپ کی تخلیقات اردو کے مختلف اخبارات و رسائل میں
 شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لکھنا پڑھنا آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔
 ہندوستانی تاریخ، تہذیب و ثقافت سے گہری دلچسپی ہے۔ آپ
 شاعر بھی ہیں۔ آپ کی نظمیں اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ نے
 ایک منظوم تاریخ، قدیم مسلم تہذیب اور طرز زندگی کے بارے
 میں ”دو قدم ایک منزل“ کے نام سے لکھی ہے۔

آن کی یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی
 ایک اہم کتاب ہے جس میں کتاب کی تاریخ سے متعلق بڑی مفید
 اور دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں اور جو طلبہ اور عام قاری
 دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

جناب شایاں قدوائی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء
 سے تعلیم حاصل کی۔ اتر پردیش سرکار میں مختلف عہدوں پر
 کام کرتے رہے۔ اب سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔
 آپ کی تخلیقات اردو کے مختلف اخبارات و رسائل میں
 شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لکھنا پڑھنا آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔
 ہندوستانی تاریخ، تہذیب و ثقافت سے گہری دلچسپی ہے۔ آپ
 شاعر بھی ہیں۔ آپ کی نظمیں اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ نے
 ایک منظوم تاریخ، قدیم مسلم تہذیب اور طرز زندگی کے بارے
 میں ”دو قدم ایک منزل“ کے نام سے لکھی ہے۔

ان کی یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی
 ایک اہم کتاب ہے جس میں کتاب کی تاریخ سے متعلق بڑی مفید
 اور دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں اور جو طلبہ اور عام قاری
 دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔